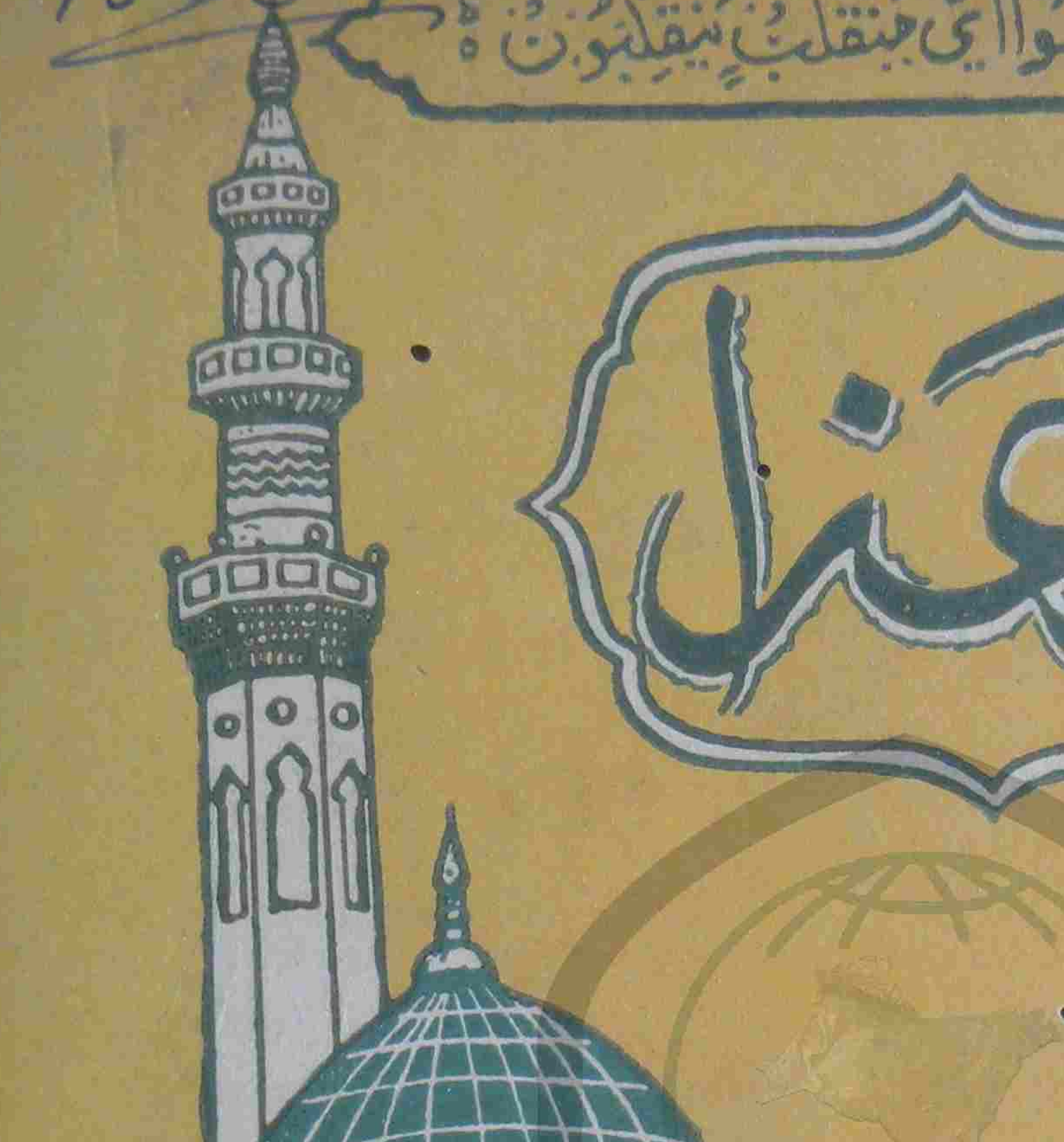
وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ؀



العذاب

مؤلف
علی محمد
زیدی

[illegible]



انتساب

اپنے بھتیجے ھلال

اور بھتیجی سعیدہ کے نام

جو میری دلی تمنا اور دیرینہ خواہش کے مطابق
رشتۂ ازدواجی میں منسلک ہو گئے
خداوند عالم انھیں شاد و آباد رکھے

علی محمد زیدی

۱۔ تاریخ اشاعت : فروری سنہ ۱۹۷۰ء
۲۔ پبلشر : جمیل الحسن
۳۔ پریس : سمتا پرنٹنگ پریس لکھنؤ
۴۔ قیمت فی جلد : للعہ/
۵۔ ملنے کا پتہ نسیم بکڈپو لکھنؤ

نوٹ : فہرست مضامین آخر میں ملاحظہ ہو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

العزا

(تفصیلات رسم عزا)

۱۳۸۹ھ

حصہ اول

مؤلفہ

علی محمد زیدی

9536

این کتاب الغدیر ... بمکتبة العلامة الطبرسی ... [illegible]

العبد الاحقر

میرزا علی ...

٢٦ مئی ١٩٨٠ء = ١١ رجب المرجب ١٤٠٠ هـ

کربلا

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

باسمہٖ سبحانہٗ

وجہ تالیف

ابتدائے نومبر ۱۹۶۰ء میں کچھ ایسے خلافِ اُمید حالات پیدا ہوئے جس کا اثر میرے دل و دماغ پر شدید ہوا اور میں ہر وقت پریشان رہا کرتا تھا نہ دن کو چین حاصل ہوتا تھا نہ رات کو سکون اور ہر وقت وہی خیالات پریشان کیا کرتے تھے۔ لاکھ چاہا کہ جو اُلجھنیں و پریشانی ہر وقت سامنے رہتی ہے وہ کسی صورت سے دُور ہو جائے مگر اس میں کسی طرح کامیابی حاصل نہ ہو سکی اسی فکر میں تھا کہ دفعتہً یہ خیال آیا کہ ہر رنج و غم انسان کا دور ہو سکتا ہے اگر وہ واقعات کربلا کو اپنی خاطر میں لے آئے اور اپنے وقتی تفکرات سے تقابل کرے تو اس کی ہر مصیبت و پریشانی اس عظیم واقعہ کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگتی ہے اور اس طرح سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے مراثی و احادیث اور تواریخ کی مشہور کتابیں جو واقعہ کربلا سے متعلق تھیں پڑھنا شروع کیں۔ میرے اس عمل نے ان واقعات کا جو مجھ کو متاثر بنائے ہوئے تھے استیصال کر دیا اور میرے بارِ خاطر امور مجھے ہلکے محسوس ہونے لگے اس کامیابی کے بعد فطرتاً میری دلچسپی مطالعہ کی طرف بڑھنے لگی اور المیہ کربلا کے ہر پہلو

پر نظر دوڑنے لگی۔ ایک دن یہ خیال پیدا ہوا کہ جو کچھ پڑھکر حاصل ہوتا ہے کیوں نہ اس کو ضبطِ تحریر میں لایا جائے یہ خیال تو بہت اچھا معلوم ہوا مگر جب اپنی بے مائگی پر غور کیا تو یہ ایک مشکل امر نظر آیا البتہ اس کے بعد اس قدر ضرور ہوا کہ جب کسی کتاب کا مطالعہ کرتا اور کوئی چیز مفید اور جدید معلوم ہوتی تو اس کو نوٹ کر لیا کرتا تھا۔ دو تین دن کے اندر سات آٹھ صفحات لکھڈالے مگر جب ان کو پڑھا تو اس میں کوئی ترتیب نہ تھی کیونکہ یہ نوٹ مختلف موضوع پر تھے۔ مگر دلی تمنا تھی کہ یہ غیر مرتب نوٹس مرتب شکل میں ضبطِ تحریر میں آجائے۔ چند دن اس پر غور کرتا رہا اور کوئی مناسب صورت پیش نظر نہ ہوئی کیونکہ جس طرف نظر ڈالتا تھا وہ ایک وسیع وادی نظر آتی تھی جس کے لیے بڑی قابلیت کی ضرورت تھی۔

موجودہ نسل کی عام بے خبری اور مجالس و محافل میں بیان کے دوران نمودار ہونے والے تلمیحات و اشارات کے سمجھنے میں مشکل تاریخی واقعات و اشخاص اور دینی رسوم کے صحیح پس منظر سے تیزی سے کھلتی ہوئی ناواقفیت نے دل میں یہ آرزو پیدا کی کہ آسان اردو میں ایک ایسی کتاب لکھوں جو طریقہ عزا کے سلسلہ میں مکمل ہو اور تمام مراسم عزا اس میں درج ہوں و نیز پیغمبر اسلام اور ان کی عترت و دیگر اشخاص متعلقہ کے مختصر حالات ہوں اور ان حضرات کا بھی ذکر ہو جنھوں نے عزاداری کے سلسلہ میں دامے۔ درمے۔ قدمے۔ سخنے سعی فرمائی ہے۔ اس بات کو اسی وقت دل ودماغ نے قبول کر لیا مگر ساتھ ہی ساتھ یہ خیال بھی آیا کہ عزاداری اور فضائل و مصائب ائمہ اطہارؑ اور واقعہ کربلا پر ہزاروں کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں اور شائع بھی ہو چکی ہیں اور ہمدردان قوم نے موجودہ زمانے کے حالات کے پیش نظر اس طرف خاص توجہ کی ہے ان خیالات کے ہوتے ہوئے بھی میں اپنے عزم پر قائم رہا اور یہ سوچا کہ موجودہ تصانیف اپنے مصنفوں کی اعلیٰ قابلیتوں کی وجہ سے ایک معیاری حیثیت

رکھتی ہیں جو عوام کے لیے زیادہ اس وجہ سے مفید نہیں ہوتی ہیں کہ زبان کی تبدیلی کی وجہ سے نئی پودیں اب اتنی قابلیت ہی نہیں ہے جس سے انہی کی سمجھ میں تمام باتیں آسانی سے آسکیں اگرچہ حضرات ذاکرین اب اپنے بیان کو آسان تر اور عام فہم بنانے کی پوری کوشش کرتے ہیں مگر اردو سے لگاؤ اس قدر کم ہوگیا ہے کہ معمولی لفظ بھی ان کے لیے نامانوس معلوم ہوتا ہے اور وہ مجلس میں بیان کی ہوئی باتوں کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ عزاداری پر کچھ لکھتے ہوئے تو بہت اچھا معلوم ہوا مگر جب یہ سوچا کہ ہندوستان میں ہر جگہ مختلف طریقے عزاداری کے رائج ہیں تو کیونکر اس موضوع پر قلم اٹھایا جا سکتا ہے مگر اس کے بعد ہی ذہن میں یہ خیال آیا کہ لکھنؤ عزاداری کے سلسلہ میں دارالعزا کہا جاتا ہے اور اس کو مرکزیت حاصل ہے۔ میں جس خاندان میں پیدا ہوا وہ ہمہ تن لکھنؤ کی متابعت میں عزاداری کا گرویدہ و شیدا رہا۔ جس سے میں بھی خاطر خواہ متاثر ہوا ہوں۔ خصوصاً برادر محترم عمدۃ الحاج والزائرین مُعین العزا جناب چودھری سید ارشاد حسین اعلی اللہ مقامہ جو عشق حسینی میں سرشار رہا کرتے تھے سوائے عزاداری امام مظلوم کے کوئی چیز ان کو محبوب ہی نہ تھی۔ عشرۂ محرم کے بعد جناب ممدوح لکھنؤ مخصوص مخصوص مواقع پر بغرض شرکت عزائے حسین تشریف لے جایا کرتے تھے اور آخر ایام عزا تک کوئی خاص مجلس لکھنؤ کی ایسی نہ تھی جس میں شرکت نہ فرماتے ہوں۔ خوش نصیبی سے مجھ کو ان کی پوری پوری تربیت حاصل ہوئی اور وہ تمام جذبات جو عزاداری کے متعلق مخصوص تھے ان سے میں بھی کسی قدر متاثر ہوا اسی لئے لکھنؤ کی عزاداری و دیگر رسوم عزا کو ابتدا ہی سے بغور دیکھا ہے۔ لہذا میں نے لکھنوئی مراسم عزا کو پیش نظر رکھا ہے اور اب یہی سب عنوان دوسرے مقامات پر بھی ہر دلعزیز ہیں اس وجہ سے میں نے اس کتاب میں انھیں مراسم کی وضاحت کو اپنا عنوان قرار دیا ہے۔

میں نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے جس کی تشریح حسب ذیل ہے۔

حصہ اول۔ شہادت امام حسینؑ کا مختصر بیان اور اسی ذیل میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کی مخالفت کی ابتداء آغاز واقعہ کربلا اور اس کے اسباب مع انجام اور اس کی تفصیل۔ روانگی اسرائے اہل بیتؑ۔ کربلا سے کوفہ۔ کوفہ سے شام رہائی کے بعد شام سے مدینہ تک کا سفر۔ عزاداری کے اصطلاحات پر روشنی مجلس و ذاکری کی ابتداء اور اس کی تدریجی ترقیاں۔ مرثیہ کی تاریخ۔ ذاکر و ذاکری کی قسمیں۔ ان چیزوں کا ذکر جو عزا کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ عمارات جو ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔ سال کی چند مخصوص تاریخوں کا ذکر۔ ان خاص نذروں کی فہرست جو سال میں عموماً انجام پاتی ہیں۔ مقامات زیارات عتبات عالیات حجاز ایران وغیرہ کی تفصیل۔ ہندوستان کی مخصوص زیارت گاہیں۔ دینی مدرسوں کا تذکرہ۔ کچھ دارالعزا لکھنؤ کے تاریخی حالات پر روشنی اور لکھنؤ کی مخصوص تاریخہائے عزا کا ذکر۔ بیرون لکھنؤ کے چند مشہور تاریخی جلوس عزا کا حال۔ معرکہ کربلا کے سلسلہ میں معلومات۔

حصہ دوم۔ میں انبیاء مرسلین و ائمہ معصومینؑ اور خاندان بنی ہاشم کے مختصر حالات کچھ مخصوص مستورات کا ذکر۔ کربلا کے شہیدوں کا بیان: تذکرہ جناب مختار۔ قاتلان حسین کا انجام۔ خلفائے مسلمین۔ خلفائے بنی امیہ۔ خلفائے بنی عباس کے حالات۔ پیغمبر اسلام و حضرت علیؑ کے مشہور اصحاب کا ذکر۔ شاہی زمانہ اور اس کے بعد کے چند مشہور علمائے کا ذکر۔ ان قابل قدر ذاکرین کا تذکرہ جو ایک جدید طرز ذاکری کے موجد ہوئے۔ خاندان میر انیس۔ میرزا دبیر۔ میر عشق اور دوسرے چند ممتاز مرثیہ کہنے والوں کے حالات۔ جن کا عزاداری کی ترقی میں بہت بڑا حصہ ہے اگر ان حضرات کے مرثیے نہ ہوتے تو ایسے مقامات پر جہاں مفرد کا ملنا دشوار تھا وہاں مراسم عزا

کی ادائیگی میں بڑی مشکل پڑتی کیونکہ انھیں کے مرثیے مجلسوں کی رونق کا باعث قرار پاتے ہیں اور یہ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ بقائے عزائے امام مظلوم میں ان شعرائے حسینی کا بہت بڑا اور نمایاں حصہ ہے۔ شاہان اودھ کے حالات جن کی سعی بلیغ سے عزائے حسین کا سلسلہ اودھ میں جاری ہوا اور یہ بات بھی حقیقت پر مبنی ہے کہ بنائے عزاداری اور اس کی ترقی کا سہرا انھیں شاہان اودھ کے سر رہا عزاداری کے قائم کرنے کے سلسلے میں لکھنؤ کو شیعوں کا مرکز قرار دیا۔ باہر سے علماء و فضلاء و شعراء ادباء وغیرہ کو بلوا کر لکھنؤ میں آباد کیا اور ان کی ضروریات زندگی کو نہایت خوبصورت عنوان سے پورا فرمایا اور ان کی خاطر خواہ قدر و منزلت تعظیم و تکریم کی۔ عربی درسگاہیں اسی لیے قائم کرائیں کہ وہاں کے فارغ التحصیل حضرات کے ذریعہ سے اشاعت عزاداری ہو سکے۔ انھیں شاہان اودھ کی پیروی میں تعلقداران اودھ کا خیال عزاداری کی طرف شاندار طریقہ سے مائل ہوا۔ جس کے اثرات بحمد اللہ آج بھی نمایاں طور پر موجود ہیں۔

میرے علم و نظر میں کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جس میں یکجائی طور پر تمام واقعات کربلا معہ مراسم عزا موجود ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ناظرین کو یہ بھی معلوم ہوسکے کہ اودھ میں ترقی عزا کیونکر ہوئی اور ان میں کن کن مقتدر حضرات نے حصہ لیا اور کیونکر لکھنؤ مرکز عزا قرار پایا اور کس طرح یہاں کا طریقہ عزاداری تمام ہندوستان میں رائج ہو کر لکھنؤ کی شہرت و مرکزیت کا باعث ہوا۔

میں نے کوشش اس بات کی کی ہے کہ ایک طالب علم اگر تھوڑی سی توجہ اس کتاب کے پڑھنے پر کرے تو انشاء اللہ اس کو تمام امور عزاداری سے کچھ نہ کچھ آگاہی بہ آسانی ہو جائے جن کے حاصل کرنے کے لیے اس کو بہت سی کتابیں پڑھنا پڑتیں جن کے لیے نہ ان کے پاس وقت ہی ہے اور نہ قابلیت۔ میں اپنے معزز ناظرین

سے اس قدر گزارش کروں گا کہ وہ اس کتاب کی زبان و جزوی غلطیوں کو نظر انداز فرما دیں گے دیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس کی تالیف میں میں نے کافی محنت کی ہے اور زیادہ تر اس کا ماخذ مشہور کتب اور رسالے ہیں جن کی تفصیل آخر میں میں نے کر دی ہے آپ کو صرف اس امر پر نظر رکھنا چاہیئے کہ کتاب کے اندر کیا کیا چیزیں یکجا کی گئی ہیں اور ان سے موجودہ دور کے طلاب مستفید ہو سکتے ہیں یا نہیں اگر آپ میرے ہم خیال نہیں ہیں تو میں اسے بجز اپنی بدقسمتی کے کسی اور چیز سے تعبیر نہیں کر سکتا جس کے لیے میں عفو کا امیدوار ہوں کہ آپ کا کافی قیمتی وقت اس کتاب کے مطالعہ میں صرف ہوا اور اگر آپ نے میری محنت کو سراہتے ہوئے قدر کی نگاہ سے دیکھا تو میری عزت اور حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا۔

اخلاقی کوتاہی ہوگی اگر میں اس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں عزیزی مولانا سید شبیہ الحسن صاحب سلمہ لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی کے اشتراک و تعاون کو فراموش کر دوں اور انھیں دلی دعاؤں سے یاد نہ کروں کیونکہ موصوف نے باوجود عدیم الفرصتی کے اپنا قیمتی وقت اس کتاب کے مسودہ کے مطالعہ میں صرف کر کے اپنے بیش بہا مشوروں سے نوازا اور واقعات کی تصحیح کر کے کتاب کو اغلاط سے پاک کرنے کی حتی الامکان سعی فرمائی۔ عزیزی موصوف نے مجھے یہ تحریر فرمایا تھا کہ "مضامین میں ترتیب بہتر بنائی جا سکتی ہے۔" میں نے حتی الامکان عزیزی موصوف کے مشورہ کے مطابق سعی کی ہے کہ ترتیب بہتر ہو جائے مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی ان کے مشاغل اور تنگی وقت کا لحاظ کرتے ہوئے مسودہ کو نظر ثانی کی غرض سے بھیجنا ممکن نہ ہو سکا۔ مجھے عزیزی موصوف کی ذات سے امید ہے کہ ان کے ذریں مشورہ میں جو کمی رہ گئی ہے اس کو وہ نظر انداز کر دیں گے دعا ہے کہ خداوند عالم عزیزی موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی سعادت

و توفیقات میں اضافہ کرے۔

یہ واضح کر دینا بہت ضروری ہے کہ جب اس کتاب کا مسودہ لکھنا شروع کیا تو جہاں پر اپنے خیالات کو سمیٹنے اور ان کی وضاحت میں دشواری محسوس کی میں نے جناب مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ نانپاروی پیش نماز "مسجد ارشاد حسین" ردولی سے رجوع کیا موصوف نے میری عبارت کو میرے حسب منشاء تحریر کرنے میں بڑی مدد فرمائی اکثر میرے منشاء کی وضاحت نہ ہونے پر میں اختلاف کر دیا کرتا تھا لیکن یہ دیکھکر بڑی خوشی محسوس کرتا تھا کہ میری یہ بات جناب موصوف کے مزاج پر کبھی بار نہیں گذری اور ہمیشہ یہ کوشش فرمائی کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ ضبطِ تحریر میں آجائے۔ یہ مولانا موصوف کی مجھ سے پُرخلوص انس و محبت کی دلیل ہے۔ میں مولانا موصوف کی نیک نفسی کا بے حد ممنون و متشکر ہوں اور ان کے تعاون کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

یہ بھی میں اپنا ایک خوشگوار فرض سمجھتا ہوں کہ منشی تیغ علی صاحب ردولوی اور افتخار مہدی سلمہ مونچھوری نے اس تالیف میں جو میری قلمی امداد کی ہے اس کے لیے دونوں کا شکرگذار ہوں۔

سید علی محمد زیدی عفی عنہ

ارشاد منزل۔ ردولی۔ بارہ بنکی

۱۳؍رجب المرجب ۱۳۸۸ھ مطابق

۶؍اکتوبر ۱۹۶۸ء یوم یکشنبہ

کارے کہ حسینؑ اختیارے کردی
در گلشن مصطفیٰ بہارے کردی
از ہیچ پیمبرے نہ آمد ایں کار
واللہ کہ اے حسینؑ کارے کردی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

شہادت امام حسینؑ کا مختصر بیان

دنیا کے جس خطے میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ واقع ہیں اس کو عرب کہتے ہیں جس کا بہت بڑا رقبہ تھا اور اب اس کے بہت سے ٹکڑے ہو گئے اور علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم ہو گئیں اب اس کا نام حجاز یا سعودیہ عرب ہے جس سے ہر شخص خوب واقف ہے یہ وہی مشہور اور معروف خطہ ہے جہاں سے ہمارے پیغمبر جناب رسولِ خدا مبعوث ہوئے اور آپ کے بعد اہلبیت اطہار بارہ امام ہماری ہدایت کا ذریعہ بنے۔

عرب میں ایک شخص فہر گذرا ہے اس کا لقب قریش تھا اور اسی کے نام سے قبیلہ قریش مشہور ہوا پانچویں صدی عیسوی میں قصیٔ اسی قبیلہ میں پیدا ہوئے جنھوں نے عرب میں بڑی عزت حاصل کی آپ نے مکہ معظمہ کی منتشر آبادی کو شہر میں تبدیل کیا۔ خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا اپنی رہائش کے لیے مکانات بنوائے عرب کا دستور تیار کیا نظامِ حکومت کو ترتیب دیا۔ خوراک و پانی کی فراہمی کے انتظامات کیے۔ اسی طرح بہت سے کام رفاہ عام کے کیے جس کی وجہ سے عرب کے تمام معزز قبائل

آپ کی عزت کرنے لگے اور آپ کو اپنا سردار و حکمراں تسلیم کر خانہ کعبہ کے آپ محافظ بھی تھے جس کی وجہ سے کافی عزت کی جاتی تھی جو عرب میں بہت بڑا اعزاز تھا قصیٰ کے منجملہ دس بیٹوں کے ایک صاحبزادے عبد مناف بھی تھے۔ عبد مناف کے بھی دس بیٹے تھے جنھیں جناب ہاشم بہت ہی باا ثر تھے۔ جناب ہاشم اور عبدالشمس جوڑواں پیدا ہوئے تھے ایک کی پیشانی دوسرے کے پیر سے جڑی ہوئی تھی جو بعد کو کاٹ کر الگ کی گئی جس کی وجہ سے بیحد خون جاری ہوا اُسی وقت ایک کاہن نے پیشین گوئی کی تھی کہ ان دونوں کی اولاد میں ہمیشہ جنگ ہوتی رہے گی۔ عبد مناف کے بعد تمام شرف جو آپ کے پدر بزرگوار کو حاصل تھے وہ سب جناب ہاشم کو حاصل ہوئے۔

عبدالشمس کے بعد ان کے بیٹے اُمیہ نے جناب ہاشم کا مقابلہ کرنا چاہا اور اس کا آرزومند تھا کہ جو افضلیت جناب ہاشم کو عرب میں حاصل ہے وہ اس کو مل جائے مگر اس میں اس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ وقتی طور سے یہ مسئلہ تو ختم ہو گیا مگر اندر ہی اندر امیہ ساز شیں کرتا رہا اور یہیں سے بنی امیہ اور بنی ہاشم کے اختلافات شروع ہوئے۔

بنی ہاشم اور بنی امیہ میں قبائلی جھگڑے نہ تھے بلکہ دونوں قبیلوں کے اشخاص کی طبیعتیں بالکل ایک دوسرے سے جدا تھیں۔ بنی ہاشم خدا پرست تھے تو بنی امیہ بت پرست۔ بنی ہاشم میں شفقت خلق کا جذبہ تھا بنی امیہ خون چوسنا چاہتے تھے بنی ہاشم مجسمہ خلوص تھے بنی امیہ عیاش فتنہ انگیز اسی طرح کے تمام اختلافات۔ دونوں میں تھے۔

جناب ہاشم کے بعد آپ کے بیٹے جناب عبدالمطلب خانہ کعبہ کے متولی ہوئے اور عرب کا سب سے بڑا اعزاز مثل اپنے پدر کے حاصل کیا تمام عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے جناب عبدالمطلب کے کئی بیٹے تھے جس میں جناب عبداللہ اور جناب ابو طالب بھی تھے۔ جناب عبداللہ کے فرزند جناب محمد مصطفیٰ ؐ تھے اور

جناب ابو طالب کے فرزند حضرت علیؑ تھے۔

امیہ کا بیٹا حرب تھا اور حرب کا بیٹا ابو سفیان تھا جو اپنے دادا امیہ کے نقشِ قدم پر چلتا تھا جب آنحضرت نے کلمہ توحید اور دین اسلام کا پیغام دعوتِ عشیرہ میں دیا اور اپنے رسول ہونے کا اعلان کیا بت پرستی کی دلائل کے ساتھ مخالفت کی اس وقت ابو سفیان نے آپ کی تعلیمات کی مخالفت شروع کی اور جس قدر بت پرست تھے وہ سب ابو سفیان کے ساتھ ہو گئے اور آنحضرت کو طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔ آنحضرت تمام سختیوں کو برداشت کرتے رہے مگر جب کفار مکہ نے آنحضرت کے قتل کا فیصلہ کیا تو آپ بحکم خدا مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر گئے مگر دشمنوں نے بعد ہجرت بھی آپ کو مدینہ میں اطمینان سے نہ رہنے دیا اور متعدد بار وہاں بھی آپ کو قتل کرنا چاہا ناچار ہو کر رسول خدا کو حملہ آوروں سے دفاعی مقابلہ کرنا پڑا ان لڑائیوں میں علاوہ بدر کے سب میں ابو سفیان سردار جماعت تھا اگرچہ ہر بار ابو سفیان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا مگر وہ اپنی حرکتوں سے عرصہ تک باز نہ آیا آنحضرت کے بہی خواہان کا دائرہ وسیع ہوتا رہا یہاں تک کہ بنی امیہ کا زور ختم ہو گیا اور وہ اپنے کو مقابلہ میں لانے کے قابل نہ سمجھ کر بمصلحت اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوئے مگر اپنی طاقت کو بڑھانے کی تدبیریں کرتے رہے اور وقت کے متلاشی رہے آنحضرت کی حیات میں ان کا ارمان پورا نہ ہو سکا مگر حضرت کی آنکھ بند ہوتے ہی مسلمانوں کو پراگندہ دیکھ کر مخالفت کا زور بڑھ گیا اور مختلف طریقوں سے اقتدار حاصل کرنے کی سعی جاری کر دی بعض لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا کچھ لوگوں نے غیر مستحق کو زکوٰۃ دینا بند کر دیا جس کی وجہ سے کافی خلفشار رہا اور اسی درمیان میں بعض جگہ جنگیں چھڑ گئیں۔

یوں تو حیات آنحضرت ہی میں کافی لوگ اہلبیت سے بغض و حسد رکھتے تھے

مگر بعد وفات آنحضرت کُھلم کُھلا اہلبیت کی مخالفت شروع ہو گئی حضرت علیؑ جن کا حق تھا انھیں وراثت سے محروم کر دیا گیا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کو پہلا خلیفہ منتخب کر لیا۔ حضرت علی اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے اور ترتیب قرآن میں منہمک ہو گئے مگر لوگ اس سے مطمئن نہ ہوئے اور کچھ لوگ آگ اور لکڑیاں لے کر خانہ جناب سیدہؑ پر آئے اور کہا کہ دروازہ کھول دو اس میں باغی جمع ہیں ان کو نکالو ورنہ گھر میں آگ لگا دیں گے اس شور کو سن کر جناب سیدہؑ دروازے کے پاس تشریف لے آئیں اور گفتگو شروع کی لوگوں نے مکان کا دروازہ جناب سیدہؑ پر گرا دیا جس کی وجہ سے آپ کے بطن میں جناب محسن کی شہادت واقع ہوئی لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کو گھیر لیا اور گلے میں رسی لگا کر خلیفہ وقت کے پاس لے چلے پیچھے پیچھے جناب فاطمہ زہرہ صلوات اللہ وسلام علیہا یہ کہتی تھیں کہ ابوالحسن کو چھوڑ دو مگر کسی نے کوئی شنوائی نہ کی بعد خلیفہ اول حضرت عمر مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے ان کی وفات کے بعد خلیفہ سیوم حضرت عثمان جو خاندان بنی امیہ سے تھے تخت خلافت پر بیٹھے ان کے قتل کے بعد حضرت علیؑ کی جانب خلافت ظاہری کا رُخ ایک عرصہ کے بعد کیا گیا عنانِ حکومت سنبھالتے ہی معاویہ نے حضرت علی کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

بنی امیہ جو عرصہ سے اس انتظار میں تھے انھیں دمشق میں اپنی سلطنت قائم کرنے کا اچھا موقعہ ہاتھ میں آگیا پہلے دمشق صرف صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا مگر اندرونی شورشوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بنی امیہ نے خود مختار حکومت قائم کر لی اور معاویہ ابن ابوسفیان پہلے حاکم قرار پائے انھوں اسلام کو ختم کرنا شروع کر دیا۔ حضرت علیؑ سے جنگ صفین میں لڑے بعد شہادت حضرت علیؑ جب امام حسنؑ جانشین ہوئے ان پر حملہ کیا امام حسن نے معاویہ سے چند شرائط کے ساتھ صلح کر لی جو

صلحنامہ معاویہ سے ہوا تھا اس میں یہ شرط تھی کہ معاویہ اپنا جانشین کسی کو مقرر نہ کریں گے۔ ان کے بعد امام حسنؑ حاکم قرار پائیں گے اور اگر وہ نہ رہیں تو یہ منصب امام حسینؑ کا حق ہوگا۔ اس بات سے معاویہ بیحد پریشان تھے کچھ دنوں کے بعد معاویہ نے جعدہ کے ذریعہ سے امام حسنؑ کو زہر دلوا کر شہید کرا دیا اور صلح نامہ کی شرط کے خلاف اپنے ناخلف بیٹے یزید کو جانشین مقرر کیا جو شراب خوار۔ بدکردار۔ مرکز شر و فساد۔ بادہ تخت دمشق پر بیٹھا اور عنان حکومت لیتے ہی اس نے کھلم کھلا اصول اسلام کی مخالفت شروع کر دی اس کی سفاکی سے لوگوں کے دلوں سے خدا کا ڈر ختم ہوا یزید کا ڈر حلول کر گیا یزید اس سے مطمئن ضرور تھا کہ مملکت میں اس کی مخالفت کرنے والا کوئی نہیں مگر یزید کو اپنی جگہ ہر وقت امام حسینؑ سے ڈر لگا رہتا تھا لہذا اس نے سوچا کہ جس طرح ممکن ہو امام حسینؑ سے بیعت لی جائے اور اس کے لیے یزید نے عامل مدینہ کو خط لکھا کہ عبد اللہ بن عمر۔ عبد اللہ بن زبیر۔ اور حسین بن علیؑ سے میری بیعت لو اور اگر حسینؑ بیعت سے انکار کر دیں تو قتل کر دو۔ حکم یزید کے بموجب حاکم مدینہ نے امام حسین سے بیعت کے لیے کہا آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں فاسق و فاجر کی بیعت ہرگز ہرگز نہ کروں گا۔ عبد اللہ ابن عمر نے فوراً بیعت کر لی۔ عبد اللہ بن زبیر نے مکہ کی راہ لی۔ امام حسینؑ نے بھی تین دن کے بعد مدینہ چھوڑنے کا قصد کیا نانا کے روضہ پر گئے پھر ماں کی لحد پر آئے قبر کو سینے سے لگایا اور دم تک روتے رہے اس کے بعد رخصت ہوئے مدینہ کی گلیوں کو حسرت و یاس سے دیکھتے ہوئے خدا حافظ و ناصر کہکر مع اہل و عیال کے مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے۔

عبد اللہ بن زبیر جو پہلے ہی مکہ پہونچ چکا تھا اپنے لیے امامت حجاج کا منصوبہ تیار کیا تھا لہذا جب امام حسینؑ وہاں پہونچے تو آپ کا قیام مکہ میں عبد اللہ بن زبیر کو کسی طرح سے پسند نہ آیا اور وہ برابر امام حسینؑ سے کہتا رہا کہ آپ کا قیام مکہ میں کسی

طرح مناسب نہیں ہے ورنہ حرم محترم کے اندر بہت بڑی خونریزی ہو جائے گی۔ امام حسینؑ عبداللہ بن زبیر کا منشاء سمجھ گئے اور یہ معلوم کر کے کہ کچھ لوگ حاجیوں کے لباس میں فرستادہ یزید قتل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ حرم کی حرمت باقی رکھنے کی خاطر آپ مکہ چھوڑنے پر تیار ہو گئے۔

حیات معاویہ میں کوفہ والوں کے ہزاروں خطوط امام حسینؑ کے پاس آئے تھے کہ آپ کوفہ تشریف لائیں ہم سب کی ہدایت فرمائیں اس طرح کے خطوط مکہ میں بھی آئے لہذا آپ نے کوفہ جانے کا قصد فرمایا مگر سابق کے واقعات بے وفائی پیش نظر تھے اور کوفہ والوں پر بھروسہ کرنا مشکل تھا لہذا پہلے اپنے چچا عقیل کے صاحبزادے حضرت مسلم کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجنا مناسب خیال کیا۔

حضرت مسلم مع اپنے دو بچوں اور دو رہبروں کے روانہ ہوئے راستہ میں کافی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا کوفہ پہونچ کر جناب مختار کے مہمان ہوئے کوفہ کے لوگ بیعت کے لیے آنے لگے اور اٹھارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی جناب مسلم نے امام حسینؑ کو لکھا کہ اس قدر اشخاص نے بیعت کی ہے اور ابھی سلسلہ جاری ہے۔ اس کی خبر دربار شام میں پہونچی یزید نے عبید اللہ ابن زیاد عامل بصرہ کو لکھا کہ وہ فوراً کوفہ پہونچکر وہاں کے حالات پر قابو حاصل کرے اور مسلم کو قتل کر دے ابن زیاد فوراً کوفہ پہونچا اور حضرت مسلم کی تلاش شروع کی آپ اس وقت جناب ہانی کے مکان میں پناہ گزیں تھے ابن زیاد نے ہانی کو طلب کر کے سخت تکالیف پہونچائیں اس وجہ سے جناب مسلم ہانی کے مکان سے نکل کر طوعہ کے مہمان ہوئے اس کے لڑکے محمد ابن اشعث جو حضرت ابوبکر کے بھانجے تھے حکومت کو اس کی اطلاع کر دی اور فوج یزید نے آ کر مکان کا محاصرہ کر لیا آپ باہر نکل آئے دفاعی جنگ کی اور تیس آدمیوں کو قتل کیا اس کے بعد دھوکہ دیکر گرفتار کر لیے گئے۔ ابن زیاد کے سامنے پیش ہوئے اس نے ۹ ذی الحجہ کو حضرت کو

قتل کرا دیا اور ان کے ساتھ جناب ہانی کو تختۂ سولی پر چڑھا دیا گیا سردن کو بازار کوفہ میں لٹکایا گیا اور بعد کو یہ سر دمشق بھیج دیئے گئے حضرت مسلم کے دونوں بچوں کو حارث نے تلاش کر کے ذبح کر ڈالا۔ ان واقعات کو دیکھکر کوفہ والے کہاں ثابت قدم رہ سکتے تھے انھوں نے بیعت امام حسینؑ سے منھ موڑ لیا۔

حضرت مسلم کی روانگی کے بعد امام حسینؑ کو مکہ میں مقیم رہ کر یہ اندازہ ہو گیا کہ ان کے قتل کے انتظامات خفیہ طریقہ پر ہو رہے ہیں لہذا آپ نے عین زمانہ حج میں مکہ کو چھوڑ دینا مناسب خیال کیا اور کوفہ کی طرف مع اہل بیت کے روانہ ہو گئے چونکہ امام حسینؑ ہر سال پیادہ پا حج کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے مکہ تشریف لایا کرتے تھے اس وجہ سے کوفہ کی راہ میں ہزاروں اشخاص سے ملاقات ہوئی جو حج کے لیے مکہ آرہے تھے ہر شخص امام حسینؑ کو دیکھکر تعجب کرتا تھا اور دریافت کرتا کہ آپ اس زمانہ میں مکہ سے باہر کیوں تشریف لیے جا رہے ہیں آپ سب سے فرماتے تھے کہ راہِ خدا میں قتل ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔

منزل ثعلبیہ پر حضرت مسلم کی شہادت کے حالات معلوم ہوئے چند لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ کا اب کوفہ کی طرف جانا مناسب نہیں ہے مگر آپ نے اس کو منظور نہیں فرمایا جس دن حضرت مسلم کی شہادت ہوئی ہے اسی دن امام حسینؑ مع اہلبیت کے مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے تھے اس کی بھی اطلاع ابن زیاد کو ملی لہذا اس نے کوفہ کی ناکہ بندی کا حکم دے دیا تھا کہ کوئی شخص شہر سے باہر نہیں جا سکتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ابن زیاد نے ایک فوجی دستہ جس کی تعداد ایک ہزار تھی حُر کی قیادت میں روانہ کیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ گھیر کر امام حسینؑ کو لائیں کوفہ سے دو منزل پر حُر کا لشکر امام حسینؑ کے سامنے آگیا حُر کا لشکر بے حد پیاسا تھا آپ نے سب کو پانی پلایا گھوڑے سب سیراب ہوئے امام حسینؑ نے یہ خیال نہ فرمایا کہ اس جنگل میں جہاں کوسوں

پانی کا نام نہیں ہے کیونکہ میرے ساتھیوں کو پانی میسر ہوگا اس کے بعد حُر نے امام حسینؑ سے ابن زیاد کا حکم بیان کیا اور کہا کہ اس کا حکم ہے کہ میں آپ کو گھیر کر لاؤں یہ سُنکر امام حسینؑ نے جواب دیا کہ میں کوفہ نہ جاؤں گا اور روانگی کا حکم دیدیا اس پر حُر نے راستہ روکا اور کچھ سخت باتیں ہوئیں آخر کو حُر نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ ایسے راستوں سے سفر اختیار کریں جو غیر معروف ہوں آپ نے اس کو منظور فرمایا اور روانہ ہو گئے حُر کا لشکر بھی آپ کے ساتھ عقب میں چلتا رہا۔

دوسری محرم ۶۱ھ یوم پنجشنبہ کو تین یوم کے بعد یہ قافلہ کربلا کی سرزمین پر پہونچا آپ نے دریافت فرمایا کہ اس مقام کا کیا نام ہے لوگوں نے مختلف نام لیئے کربلا کا نام بھی آیا یہ نام سنتے ہی آپ نے یہیں فرات کے کنارے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ اونٹوں سے سامان اترا۔ بی بیاں عماری سے اتریں۔ جوان گھوڑوں سے بچے۔ ماؤں کی گود سے اترے۔ خیمے نصب ہونے لگے اسی درمیان ہوا کے جھونکے سے کربلا کی مٹی اڑی۔ جو جناب زینب کے سر پہ پڑی آپ نے فوراً امام حسینؑ کو بلایا اور کہا کہ بھیا یہ زمین کچھ مبارک نہیں معلوم ہوتی ہے۔ کیوں کہ زمین پر قدم رکھتے ہی خاک سر پہ پڑی آپ نے فرمایا کہ شک نہ کیجئے جناب زینب خاموش ہو گئیں فوج یزید نے لب فرات خیمے نصب کرنے میں مزاحمت کی امامؑ نے بقائے امن کی خاطر ان کی زیادتی کو برداشت کرلیا اور خشکی پر قیام فرمایا اور مالکان زمین کو طلب کیا اور ان سے زمین خرید کر کے انھیں کے حوالہ کردی اور یہ فرمایا کہ بعد شہادت شہدائے کربلا کی لاشوں کو دفن کریں اور نشان قبر کو باقی رکھیں اور جو لوگ زیارت کے لیے آئیں ان کو تین دن مہمان رکھیں۔

ابن زیاد نے عمر ابن سعد کو قتل حسینؑ کے لیے مقرر کیا اس پر ابن سعد کو کچھ عذر ہوا تو کہا گیا کہ حکومت رے کا ملنا قتل امام حسینؑ پر موقوف ہے حکومت رے کی لالچ میں عمر ابن سعد قتل حسینؑ کے لیے تیار ہو گیا اور ایک بڑی فوج لے کر کربلا پہونچ گیا اور

اس کے بعد سے برابر فوج یزیدی کربلا پہونچتی رہی جس کی تعداد کم سے کم تیس ہزار لکھی گئی ہے۔ ان فوجوں نے پہونچتے ہی خیام امام حسینؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور پھر امام حسینؑ سے بیعت کا سوال اٹھایا۔ ۷ر محرم سے نہر فرات پر پہرہ مقرر ہو گیا۔ اس طرح سے امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند ہو گیا امام حسینؑ نے تمام مظالم کا مقابلہ صبر و عالی ہمتی سے کیا مگر کسی صورت سے یزید کو دینی پیشوا ماننے پر تیار نہ ہوئے آٹھویں محرم کو عمر سعد نے آخری بار بیعت کے لیے کہا مگر پھر وہی جواب دیا جو مدینے سے دیتے چلے آئے یعنی بیعت یزید نہ کرونگا البتہ اگر تو مجھے مدینے جانے دے تو میں وہاں گوشہ نشینی کی زندگی گذار دوں گا یا مجھے ہند جانے دے اور اگر یہ دونوں باتیں تجھے نہیں منظور ہیں تو پھر مجھے تو یزید کے پاس لے چل میں خود یزید سے بیعت کے سلسلہ میں گفتگو کروں گا۔

عمر سعد نے ابن زیاد کو یہ تینوں باتیں لکھکر کوفہ بھیجیں مگر ابن زیاد نے کسی کو منظور نہ کیا ایک فوج شمر کی سرکردگی میں کربلا اور بھیجی جس کو حکم دیا کہ یا تو حسینؑ سے بیعت لے یا ان کا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کر ابن زیاد کا یہ حکم امام حسینؑ کو سنایا گیا امام نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی طے کر چکا ہوں کہ یزید جیسے فاسق کی بیعت کسی حال میں نہ کروں گا اگر بیعت باطل ہی کرنا ہوتی تو روز اول ہی مدینہ میں ولید کے منشاء کے مطابق بیعت کرلی ہوتی اور اب کربلا کے میدان کی تکالیف کے پیش نظر بیعت پر راضی ہو جانے سے میری ذات پر ایک بہت بڑا دھبہ لگ جائے لہذا میں اس کو کسی طرح منظور نہیں کر سکتا ہوں۔

اس کے بعد امام حسینؑ نے دسویں رات کو عبادت خدا کے لیے مہلت لی بعد نماز مغرب اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میرا ساتھ چھوڑ دو اور اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالو میں تمھیں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم پردۂ شب میں اپنے

اپنے وطن چلے جاؤ یہ کہہ کر آپ نے چراغ گل کرا دیا کچھ لوگ اسی وقت اٹھکر چلدیئے اور اب جو باقی بچے وہ سچے ہمدرد اور جان نثار تھے جن کی تعداد صرف بہتر ۷۲ تھی جس میں مسلم ابن عوسجہ جیسا ضعیف کمر خمیدہ، حضرت علی اصغر جیسا معصوم بچہ بھی شامل تھا۔

امام حسینؑ کی اس تقریر سے خیمہ میں کہرام مچ گیا حسینؑ خیمے میں تشریف لے گئے سب کو سمجھایا کہ خدا کو یاد کرو ہر شخص کو ایک دن مرنا ہے۔ علاوہ ذات پاک پروردگار کے ہر چیز فنا ہوگی۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے تو اپنے غلام جون جو پہلے ابوذر غفاری کے غلام تھے ان کو تلوار پر صیقل کرتے ہوئے دیکھا آپ ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ میں تمھیں آزاد کرتا ہوں مگر جون نے آزادی پر موت کو ترجیح دی اس کے بعد آپ شب بھر عبادت خدا میں مشغول رہے۔

صبح عاشورہ نمودار ہوئی عمر سعد تیس ۳۰ ہزار کا لشکر لے کر مقابلہ کے لیے آیا طبل جنگ بجا فوج یزید نے مورچہ درست کیا۔ ادھر امام حسینؑ نے نماز صبح ادا کی اور مرنے کے لیئے لشکر حسینی میدان میں تشریف لائے فوج حسینی کی ترتیب ہوئی۔ حضرت عباسؑ کو فوج کا علمبردار بنایا فوج میں کل بتیس ۳۲ سوار اور چالیس ۴۰ پیادے وہ بھی تین دن کے بھوکے پیاسے اپنی اپنی جانیں حسینؑ پر نچھاور کرنے کے لیے صف آرا ہوئے۔ سواروں کا دستہ براہ راست حضرت عباسؑ کی سپردگی میں دیا گیا۔ پیادوں کا دستہ حبیب ابن مظاہر کی نگرانی میں ہوا اور یہ مختصر سی فوج حسینیؑ یزیدی فوج کے مقابل آکر کھڑی ہوگئی امام حسین گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنی فوج کے آگے آکر کھڑے ہونے عمر سعد کو آواز دی وہ مع افسروں کے سامنے آیا امام نے موعظہ فرمایا اور عمر سعد کو نصیحتیں کیں مگر کوئی اثر نہ ہوا آپ نے اتمام حجت کے لیے واپس جانے کی اجازت اور پانی مانگا سب نے سنا مگر کوئی جواب نہ دیا زہیر بن قین نے بھی شمر کو لعنت ملامت کی اور

رسولؐ کے مراتب کا اظہار کیا اس پر شمر نے زہیر کے تیر مارا اور کہا کہ چپ ہو جاؤ شمر کی اس حرکت سے متنفر اور امام کی تقریر سے بیحد متاثر ہوئے اور عمر سعد کے سامنے گئے اور کہا کہ کیا واقعی حسینؑ کو قتل ہی کرتا ہے۔ عمر سعد نے جواب دیا کہ خدا گواہ ہے ایسا ہی ارادہ ہے۔ حر نے کہا کہ کیا کوئی بات بھی حسینؑ کی قابل قبول نہیں ہے۔ عمر سعد نے جواب دیا کیوں نہیں مگر میں تو ابن زیاد کے حکم کی تعمیل ضرور کروں گا اس گفتگو کے بعد حرؑ گھوڑا اڑا کر امام حسینؑ کے لشکر میں آکر شامل ہو گئے گھوڑے سے اتر کر حسینؑ کی رکاب کو بوسہ دیا اور اپنی غلطی کی معافی چاہی امام نے فوراً عفو کر دیا۔

عمر سعد حرؑ کے واقعہ سے بہت پریشان ہوا اور اس نے خیال کیا کہ جلد لڑائی چھیڑ دینی چاہیئے ورنہ ممکن ہے کہ حر کے ایسے اور لوگ بھی میری فوج میں حسینؑ پر جان نثار کرنے والے ہوں لہذا عمر سعد نے فوراً ایک تیر چلایا اس کے بعد تیروں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ہزارہا تیر فوج حسینی پر برسنے لگے۔

اس کے بعد یسار اور سالم لشکر عمر سعد سے نکل کر مقابلہ کے لیے آئے۔ فوج حسینی سے عبداللہ کلبی دونوں کے مقابلہ کے لیے آئے اور دونوں کو قتل کیا اس کے بعد فوج عمر سعد سے یزید بن سفیان کو حضرت حرؑ نے اور حضرت نافع بن ہلال نے فراہم بن حریث کو تہ تیغ کیا یہ رنگ دیکھ کر عمر بن حجاج نے شمر سے کہا کہ ایک ایک سے علیحدہ علیحدہ لڑنا مصلحت کے خلاف ہے ان پر ایکبارگی چاروں طرف سے حملہ کیا جائے تب ہی تو کامیاب ہو سکتا ہے۔ شمر نے اس کی رائے کو پسند کیا اور حملہ کا حکم دیدیا۔

عمر ابن حجاج پانچ سو سواروں سے فرات کی طرف حسینؑ پر حملہ آور ہوا حسینؑ کے جانثاروں نے جم کر مقابلہ کیا اس حملہ میں مسلم ابن عوسجہ نے چھپن آدمیوں کو قتل

گیا اور بعد کو شہید ہو گئے۔ عمر بن حجاج اپنے خیمے میں گیا۔ شمر نے چاروں طرف سے حملہ کیا اور اس حملہ میں عبداللہ کلبی شہید ہوئے۔ نیز فوج حسینی کے بہت سے جاں نثار کام آگئے جس کی وجہ سے کافی کمی محسوس ہونے لگی۔

اسی درمیان میں ظہر کا وقت آگیا ابو ثمامہ نے امام حسینؑ سے عرض کیا کہ یہ آخری نماز آپ کی قیادت میں ادا ہوتی تو بہت اچھا ہوتا آپ نے فرمایا کہ تم نے نماز یاد دلائی خدا تمھیں نماز گذاروں میں محشور کرے۔ یہاں یہ گفتگو ہو رہی تھی اُدھر لشکر یزید ہر ہر ساعت قریب ہو رہا تھا۔ امام حسینؑ نے لشکر اعدا سے نماز کے لیے اجازت چاہی۔ اس پر ابن نمیر نے کہا کہ تمھاری نماز قبول نہ ہوگی یہ سنتا تھا کہ جناب حبیب کو غیظ آگیا اور ارشاد فرمایا کہ اے ولدالزنا تیری نماز تو قبول ہو اور فرزند رسول کی نماز قبول نہ ہوگی اور امام حسینؑ سے عرض کیا کہ مولا اب یہ نماز میں آپ کے بعد بزرگوار کے ساتھ ادا کروں گا یہ کہہ کر فوج مخالف پر حملہ آور ہوئے اور بہت سے ملاعین کو واصل جہنم کر کے جام شہادت نوش فرمایا۔

امام حسینؑ نے اپنے بچے ہوئے ساتھیوں کے ساتھ نماز شروع کی دشمن تیر برسانے لگے۔ سعید بن عبداللہ ثقفی و زہیر ابن قین بجلّی بغرض حفاظت امام حسین علیہ السلام صف کے آگے کھڑے ہو کر تیر روکنے لگے۔ جناب سعید ہر تیر بڑھکر اپنے سینے پر روکتے تھے۔ اختتام نماز پر آپ کا جسد تیروں سے چھلنی ہو چکا تھا اسی صدمہ میں آپ نے شہادت پائی۔ نافع بجلّی۔ زہیر بن قین۔ حر ابن یزید ریاحی بھی لڑکر شہید ہوئے اس کے بعد اور بہت سے انصار امام حسینؑ پر فدا ہوئے جب انصار ختم ہو چکے تو اعزا کی باری آئی۔ فرزندان عقیل۔ جعفر اور علیؑ نے اپنے اپنے مقابل میں آنے والوں کو تہ تیغ کیا اور شہید ہوئے اس کے بعد جناب قاسمؑ نے چچا سے اجازت چاہی امام حسینؑ کو کچھ تامل ہوا تو جناب قاسمؑ نے اپنے بازو کا تعویز کھول کر پیش

کیا جس میں امام حسنؑ کی وصیت تھی کہ کربلا میں حسینؑ پر جان نثار کر دینا حسینؑ نے اجازت دی جناب قاسمؑ میدان جنگ میں تشریف لائے پینتیس ۳۵ آدمیوں کو قتل کیا شیث نے جناب قاسمؑ کے سینہ پر نیزہ مارا عمر بن سعد بن نفیل ازدی نے شمشیر سے مجروح کیا آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے چچا کو آواز دی امام حسینؑ بھتیجے کی لاش پر پہنچے عمر ازدی پر وار کیا اس کا ہاتھ کٹ گیا وہ چیخا فوج یزید کے سوار اسکو بچانے کیلئے دوڑے۔ اسی میں عمر ازدی خود فوج عمر سعد کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل گیا اور جسد جناب قاسمؑ عالم نزع میں پامال کیا گیا اس کے بعد عبداللہ و جعفر بھی جوہر شجاعت دکھا کر شہید ہوئے اب صرف جناب عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ باقی رہ گئے تھے۔ جناب عباسؑ نے امام حسینؑ سے اجازت مانگی آپ نے پانی کی سبیل کرنے کی اجازت دی مگر فرمایا کہ پہلے اتمام حجت کر لینا حضرت عباس گھوڑے پر سوار ہوئے فوج اعدا کی جانب بڑھے اور مخاطب کر کے فرمایا کہ اے عمر سعد تو نے حسینؑ کے رفقا و اعزا کو قتل کر ڈالا اب تو تھوڑا سا پانی بچوں کو دیدے تاکہ عورتیں اور بچے جو تین دن کے بھوکے اور پیاسے ہیں ہلاک نہ ہوں اور ان کی جانیں بچ جائیں۔ اگر تو خود پانی دینا نہیں چاہتا ہے تو مجھے راستہ دے کر میں ان عورتوں اور بچوں کو لے کر کسی طرف چلا جاؤں شمر نے جواب دیا کہ حسینؑ اور ان کے اہلبیت کو ایک قطرہ پانی کا نہیں دیا جا سکتا ہے جب تک حسینؑ یزید کی بیعت نہ کریں گے عباس پھر خیمے کی طرف واپس ہوئے اور شمر کے جواب سے امام حسین علیہ السلام کو مطلع کیا اس وقت پیاس کی شدت کی وجہ سے خیمہ ہائے حسین میں بڑی بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور ہر طرف سے العطش العطش کی آوازیں آ رہی تھیں۔ حضرت عباسؑ اس منظر سے بیحد متاثر ہوئے اور مشکیزہ لے کر فرات کی طرف چلے عمر ابن حجاج نے جو فرات پر معہ اپنی چار سو فوج کے معین تھا آپ کو روکا حضرت عباسؑ نے حملہ کیا فوج منتشر ہو گئی حضرت عباسؑ

نے گھوڑا فرات میں ڈال دیا اور مشک بھرلی فوج نے آکر پھر گھیر لیا آپ لڑتے ہوئے خیمہ کی جانب چلے نوفل بن ارزق شامی نے داہنے ہاتھ پر خنجر مارا آپ کا ہاتھ کٹ گیا مشک بائیں ہاتھ میں لے لی اور بڑھتے ہوئے خیمہ کی طرف چلے دشمنوں نے بایاں ہاتھ بھی قطع کر ڈالا آپ نے مشک کا تسمہ دانتوں میں دبا کر خیمہ کا رخ کیا اسی درمیان میں تیروں کی بارش چاروں طرف سے شروع ہوگئی ایک تیر مشک پر بھی لگا پانی بہہ گیا جناب عباسؑ بھی مجروح ہوکر گھوڑے سے زمین پر آئے بھائی کو آواز دی امام حسینؑ معہ جناب علی اکبرؑ کے پاپیادہ مقتل کی طرف بڑھے جب وہاں پہنچے تو جانکنی و مفارقت روح کے مناظر دیکھے۔

حسینؑ خیمہ کی طرف پھر واپس تشریف لائے اور خود جنگ کے لیے مقتل میں جانے کا ارادہ فرمایا حضرت علی اکبر نے روکا اور خود اجازت چاہی اس وقت خیام میں کہرام مچ گیا حسینؑ نے اجازت دی خود جسم پر ہتھیار لگائے گھوڑے پر سوار کیا ماں بہنیں لپٹ گئیں آپ نے سب کو تسلی و تشفی دی علی اکبر کو مقتل کی طرف روانہ کیا آپ فوج اعدا کے سامنے جاکر کھڑے ہو گئے۔ فوج یزیدی پر عجیب ہیبت طاری ہوگئی کسی کی ہمت مقابلہ پر آنے کی نہ ہوتی تھی دور سے تیر برسانا شروع کیا جب بکثرت تیر آئے تو جناب علی اکبرؑ خود فوج یزیدی میں گھس پڑے اور لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ پیاس سے پریشان ہوکر پھر خیمہ کی طرف تشریف لائے حسینؑ سے پانی کا سوال کیا۔ پانی کا یہاں نام تک نہ تھا آپ پھر واپس ہوئے اعدا پر حملہ کیا عمر سعد نے طارق سے حملہ کرنے کو کہا اس نے پہلے اپنے بیٹوں کو بھیجا ان کی ہلاکت کے بعد خود مقابل میں آکر فی النار ہوا اس طرح علی اکبر نے ایک سو بیس آدمیوں کو تہ تیغ کیا اس کے بعد فوج یزید نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ سنان ابن انس نے سینہ پر نیزہ مارا جس سے جناب علی اکبرؑ شہید راہ خدا ہو گئے۔ امام حسینؑ لاش کو در خیمہ

پر لائے ایک کہرام برپا ہوا آپ نے سب کو صبر و شکر کی تلقین فرمائی اور خود بہ نفس نفیس میدان جہاد میں تشریف لائے اور خوب شجاعت کے جوہر دکھائے آخر میں اتمام حجت کے لیے استغاثہ فرمایا جس کا اثر خیمہ میں یہ ہوا کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام باپ کی نصرت کے لیے خیمہ سے برآمد ہوئے امامؑ کی نظر پڑ گئی فرمایا کہ اے بہن ام کلثوم خدا کے لیے ان کو روک لو ایسا نہ ہو کہ دنیا نسل آل محمدؐ سے خالی ہو جائے۔ دوسرا اثر یہ ہوا کہ جناب علی اصغر نے اپنے کو جھولے سے گرا دیا اہل حرم میں رونے کا شور بلند ہوا آواز گریہ سن کر امام خیمہ میں تشریف لائے اور اپنے چھ ماہ کے فرزند جناب علی اصغر کو ہاتھوں پر لیکر فوج اعدا کے سامنے آئے اور فرمایا کہ اگر تمھارے زعم ناقص میں میں گنہگار ہوں تو یہ بچہ بالکل بے گناہ ہے اسے تھوڑا سا پانی پلا دو مگر فوج شام نے کوئی پرواہ نہ کی اور حرملہ بن کاہل نے ایک سہ شعبہ تیر مارا بچہ حسینؑ کے ہاتھوں پر شہید ہو گیا امام حسینؑ نے تلوار سے تھوڑی سی زمین کھود کر بچہ کو آغوش لحد میں دے دیا اور ہاتھ اٹھا کر درگاہ باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ میرے مصائب کو موجب ثواب آخرت فرما اور ان ظالموں سے میرا انتقام لے۔

اس کے بعد امام پھر خیمہ میں تشریف لائے سب سے رخصت ہوئے در خیمہ پر آئے گھوڑے پر سوار ہوئے میدان وغا میں آئے اور باآواز بلند فوج یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں رسول کا نواسہ علیؑ و فاطمہؑ کا بیٹا ہوں اور یہ میرے لیے باعث فخر ہے۔ اس کے علاوہ اور تمام باتیں بیان کیں اور کہا کہ تم نے میرے تمام رفقاء اعزا کو قتل کر دیا اب مجھے قتل کرنا چاہتے ہو مجھے تھوڑا پانی دو یا مجھے جانے دو کہ میں کسی دوسری طرف چلا جاؤں شمر ملعون نے جواب دیا کہ اے حسینؑ خاندانی وجاہت کو دماغ سے نکال کر یزید کی بیعت کر لو تاکہ تمھاری جان

بچ جائے اور پھر اطمینان کی زندگی بسر کرو اور اگر اب بھی اس پر تیار نہیں ہو تو ابھی فوج شام تمھیں ہلاک کر دے گی۔ تمیم بن قحطبہ نے حسینؑ کے آگے آکر کہا کہ اب تنہا رہ گئے ہو پھر بھی تیس ہزار جنگجو سپاہیوں سے لڑنے کا حوصلہ ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں لڑنے کے لیے یہاں نہیں آیا تھا تو خود مجھ سے لڑنے کے لیے آیا ہے۔ میں نے تیری راہ نہیں روکی تو نے خود راستہ میں آکر مجھے روکا میرے سب عزیز و رفیق شہید ہو چکے میرے اور تیرے درمیان اب تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ اس قدر کہنے کے بعد حسینؑ نے ایک نعرہ بلند کیا۔ شامی خوفزدہ ہو گیا اور گھبرا کر حملہ کرنا بھول گیا امام حسینؑ نے اس کا سر اڑا دیا اور دریائے فرات کا رُخ کیا فوج اعدا کے درمیان گھوڑا ڈال دیا نہر پر پہنچ گئے مگر پیاسے شہید رفقاء اعزا اور اہل حرم کا خیال آیا پانی نہیں پیا اور خیمہ گاہ کی جانب واپس آئے مخدراتِ عصمت و سید سجاد علیہم السلام کو وصایا فرمائے اور مستقل مزاجی سے مصیبتیں جھیلنے کے لیے تیار رہنے کی ہدایت فرمائی سید سجادؑ کو گلے لگایا اور وصیت کی کہ جب مدینے جانا تو میرے دوستوں کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ جب مصیبت میں گرفتار ہوں تو میرے مصائب کو یاد کریں اور جب پانی پئیں تو میری پیاس کو یاد کریں۔ خدا حافظ کہکر خیمہ سے باہر تشریف لائے لشکر اعدا پر حملہ کیا جس طرف حملہ فرماتے تھے لوگ بدحواس ہو کر بھاگتے تھے یہاں تک کہ وقت عصر آگیا اور ندائے غیب نے آپ کو ہاتھ روک لینے پر مجبور کر دیا آپ کا ہاتھ رکنا تھا کہ اشقیاء نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا اور آپ زخموں سے چُور ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے حصین بن نمیر نے تیر مارا جو دہن مبارک میں پیوست ہو گیا پھر کسی نے پتھر مارا پیشانی شق ہو گئی۔ عبد اللہ ابن حسنؑ ایک کمسن بچہ اس منظر کو دیکھ کر خیمہ گاہ سے چچا کے پاس آیا اور نزدیک کھڑا ہو گیا بحر بن کعب

نے حسینؑ پر تلوار چلائی بچے نے بچانے کو ہاتھ بڑھایا بچہ کا ہاتھ کٹ کر لٹک گیا حرملا نے بچہ کو تیر مارا بچہ حسینؑ کی گود میں گرا اور تڑپ کر جان بحق ہوا زرعہ بن شریک نے حسینؑ کے شانے پر تیر مارا حسینؑ منہ کے بھل زمین پر سر بسجود ہو گئے بنا بر شہود شمر نے بڑی بے رحمی کے ساتھ پس گردن سے سرِ مبارک کو جدا کیا اور خولی کے حوالے کیا اس نے عمر سعد کے روبرو پیش کیا عُمرِ سعد خوش ہوا اور سر بریدہ کو نیزہ پر بلند کرانے کا حکم دیا اس وقت کربلا کی فضا کانپ رہی تھی عرش ہل رہا تھا عجیب وقت تھا دفعتاً قتل الحسین بکربلا ذبح الحسین بکربلا کی آواز بلند ہوئی اور سیاہ آندھی چلنے لگی حسینؑ کے جسم مبارک پر سیکڑوں زخم اور تیروں کے نشان تھے جس کا کوئی شمار نہیں ہے اعدا نے ہتھیار لیے لباس اتارا بجدل بن مسلم نے انگلی کاٹ کر انگوٹھی لی خیمہ تاراج کیا۔ اسباب لوٹا۔ اہل حرم کے سروں سے چادریں چھینیں۔ شمر نے سید سجادؑ کو قتل کرنا چاہا۔ احمد بن مسلم نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ بیمار و مجبور ہیں قتل مت کرو۔ عمر سعد کے حکم سے لاش امام حسینؑ گھوڑوں سے پامال کر ڈالی گئی۔ اسی دن عمر سعد نے امام حسینؑ کا سر خولی بن یزید اصبحی اور حمید بن مسلم کی معرفت ابن زیاد کے پاس کوفہ روانہ کیا۔

شہادت امام حسینؑ کے بعد شب یازدھم اہل حرم کے لیے قیامت کی رات تھی حسینی قافلے کے تمام مرد شہید کیے جا چکے تھے صرف سید سجادؑ باقی تھے وہ بھی بیہوشی کے عالم میں تھے جب ہوش آتا تھا تو عبادتِ خدا میں مشغول ہو جاتے تھے غمزدہ بیبیوں نے معصوم بچوں کو سینے سے لگا کر جلے ہوئے خیموں کی راکھ پر ٹہل کر رات کسی طرح کاٹی دوسرے دن عمر سعد نے اپنے کشتوں کو دفن کر دیا کشتگانِ حسینؑ بے گور و کفن پڑے رہے حسینؑ کا سر بریدہ قتل کے بعد ہی ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجا جا چکا تھا دوسرے دن بقیہ شہدا کے سر قلم کیے اور نیزوں پر نصب کر کے

شمر ذی الجوشن۔ قیس بن اشعث۔ عمر بن حجاج کے ساتھ کوفہ روانہ کر دیئے۔ دن بھر عمر سعد میدان کربلا ہی میں مقیم رہا دوسرے دن فوج کی واپسی کا حکم دیا اہلبیتؑ جو پہلے ہی سے حراست میں تھے ان کو شتران بے کجاوہ پر سوار کیا گیا اور ابن سعد اہلحرم کو رسن بستہ لیکر قتل گاہ سے ہوتا ہوا کوفہ روانہ ہوا۔

یہ وقت بیحد سخت تھا جب رسولؐ کی نواسیاں علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیاں سب سے زیادہ مقدس و بلند طبقہ کی خواتین سر برہنہ رسن سے بندھی ہوئیں مقتل سے گذریں اور ان بیبیوں نے چاروں طرف اپنے وارثوں کے بے سر لاشے بیگور و کفن دیکھے ہوں گے تو کیا حال ان مخدرات عصمت کا ہوا ہوگا۔

فوج یزید کے جانے کے بعد قبیلہ بنی اسد کے لوگ آئے اور انھوں نے لاشوں کو بہ قیادت امام زین العابدینؑ جو بہ اعجاز تشریف لائے تھے دفن کیا امام حسینؑ کی لاش اسی مقام پر دفن کر دی جہاں نعش مبارک تھی اور جناب علی اکبرؑ کو امام حسینؑ کے پاس دفن کیا اسکے بعد ایک بڑے گڑھے میں بقیہ کل لاشیں علاوہ حبیب ابن مظاہر اور حر شہید ریاحی۔ جناب عونؑ و محمدؑ دفن کر دیں حضرت عباسؑ کی لاش فرات کے قریب ملی تھی لہذا اس کو وہیں دفن کر دیا۔

امام حسینؑ و دیگر شہدا کے سرہائے بریدہ جب ابن زیاد کے سامنے لائے گئے تو اس نے تشہیر کا حکم دیا اور بعد تشہیر سر امام حسینؑ ابن زیاد کے سامنے لاکر رکھا گیا تو اس نے چھڑی سے دندان مبارک کو جنبش دی اس پر زید بن ارقم صحابی رسولؐ نے کہا کہ رسولؐ ان ہونٹوں کو چوما کرتے تھے یہ کہکر زید بن ارقم وہاں سے چلے گئے ابن زیاد نے اپنی فتح کے اعلان کے لیے جامع مسجد کو مناسب خیال کیا لہذا لوگ وہاں جمع ہوئے ابن زیاد ممبر پر گیا اور کہا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے حق کو ظاہر کر دیا اور امیر المومنین یزید ابن معاویہ اور اس کے

گروہ کو فتح دی اور کذاب ابن کذاب حسینؑ ابن علیؑ اور اس کے گروہ کو قتل کیا
ابن زیاد کی زبان سے یہ فقرہ ادا ہی ہوا تھا کہ گوشہ مسجد سے ایک بوڑھا شخص کھڑا
ہوا اس کا نام عبداللہ الازدی تھا وہ رو دیا اور اس کو تاب نہ رہی اس نے
چیخ کر کہا او مرجانہ کے بچے تو اور تیرا باپ جھوٹا ہے اور وہ شخص جھوٹا ہے جس نے
تجھے حاکم بنایا تو پیغمبروں کی اولاد کو قتل کرتا ہے اور پھر سچائی کا دعویٰ کرتا ہے اس
پر ابن زیاد نے اس کو قتل کر دیا۔

قتل حسینؑ کی تہنیت ابن زیاد نے یزید کے پاس بھیجی اور دریافت کیا کہ کیا اہلبیتؑ کو مع
سرہائے شہدا کے دمشق بھیجدیا جائے؟ تا جواب اہلحرم کوفہ ہی میں قید رہے اور ابن زیاد کی
سختیاں برداشت کرتے رہے بعد کو یزید نے سرہائے شہدا و اہلحرم کو دمشق طلب کیا ابن زیاد نے
پہلے سرہائے شہدا کو زحر بن قیس۔ ابو بردہ بن عوف۔ طارق بن ابی ظبیان
کے ہمراہ دمشق کی طرف روانہ کیا اور چند دنوں کے بعد فہر بن ثعلبہ اور شمر
ذی الجوشن کی نگرانی میں اہلبیتؑ کو شام روانہ کیا چند منزل کے بعد سرہائے شہداء
اسیران اہلبیتؑ کے ساتھ ہو گئے۔

راہِ اسیرانِ اہلبیتؑ

کربلا تا دمشق اور حالات رہائی و داخلہ مدینہ منورہ

اسیروں کو شام لے جانے کے لیے وہ راستہ منتخب کیا گیا جس میں بڑے بڑے شہر واقع ہیں تاکہ لوگوں پر یزیدی حکومت کا رعب جم جائے مگر اس کا الٹا اثر ہوا اور فوج یزیدی کو زیادہ تر شہروں میں داخل نہیں ہونے دیا گیا اور بہت سے مقام پر اہل شہر اور فوج یزیدی سے جنگ ہوئی جس میں فوج یزیدی کے کافی لوگ مارے گئے جن مقامات پر اسیران کو ٹھہرایا گیا یا لے جایا گیا ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ کربلا۔ کربلا سے بعد شہادت کوفہ لیجایا گیا اور وہاں کچھ عرصہ قید رکھا اور جب شام کے لیے اسیران کی روانگی ہوئی تو پہلی منزل قرار دی گئی۔

۲۔ قادسیہ۔ یہ کوفہ سے ۴۵ میل ہے۔

۳۔ تکریت۔ یہ شہر بغداد سے ۵۴ میل ہے تکریت میں حاکم نے حسب خواہش شمر شہر کو خوب آراستہ کیا اور خوشیاں منائیں اور ظاہر کیا کہ خارجیوں نے یزید پر

خروج کیا تھا ابن زیاد ان کے سر کاٹ کر یزید کے پاس شام بھیج رہا ہے۔ مگر ایک نصرانی نے کہا کہ ایسا نہیں ہے میں کوفہ سے آرہا ہوں یہ سر امام حسینؑ اور ان کے رفقاء کے ہیں اور یہ اسیران سب اہل بیت رسولؐ ہیں اس پر شہر میں ہیجان پیدا ہو گیا لہذا شمر نے یہاں کے بجائے قریب ہی دادعردہ میں قیام کیا۔

۴۔ موصل۔ جب اسیران شہر موصل کے قریب پہونچے تو شمر نے حاکم شہر کو لکھا کہ ہم عنقریب مع سرہائے شہدائے کربلا شہر میں داخل ہو رہے ہیں لہذا تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ شہر کو آراستہ کرو حاکم نے معززین شہر سے مشورہ کیا ان لوگوں نے کہا کہ ہرگز شمر کو اس کی اجازت نہ دی جائے ورنہ ہم لوگ فوج یزید سے جنگ کریں گے۔ حاکم شہر نے کہا کہ یہاں شیعوں کی آبادی ہے لہذا میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا تم باہر سے نکل جاؤ البتہ سامان رسد کا انتظام کر دوں گا۔

۵۔ وادیٔ نخلہ۔ ایک دن اور ایک رات یہاں قیام رہا۔

۶۔ شہر سبا۔ قافلہ یہاں پہونچا مگر جب لوگوں کو معلوم ہوا تو فوج یزیدی کے مقابلہ کے لیے نکل پڑے فوج نے قتل و غارت کیا اور شہر کو تباہ کیا۔

۷۔ دیر کحیل۔ یہ بستی دجلہ کے کنارے پر ہے ایک شب قیام رہا۔

۸۔ نصیبین۔ ایک شبانہ روز قیام رہا۔

۹۔ شہر دعوات۔ شہر کی آئینہ بندی ہوئی اور فوج یزید کا شاندار استقبال ہوا۔

۱۰۔ شہر قنسرین۔ یہاں شیعوں کی آبادی بہت تھی لہذا انھوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے اور فوج یزیدی کو آنے کی اجازت نہیں دی۔ اور چھتوں پر سے فوج کو خوب پتھر مارے۔

۱۱۔ مقرۃ النعمان۔ یہاں کے لوگوں نے فوج یزیدی کو ٹھہرایا اور ان کی خوشی میں شریک ہوئے۔

۱۲۔ شہر شیرز۔ اہل شہر نے ان کو اجازت نہ دی اور خوب پتھر برسائے۔
۱۳۔ سیبور۔ یہاں کے باشندوں نے فوج یزید سے مقابلہ کیا جس میں ابن زیاد کے چھ سو آدمی مارے گئے جناب ام کلثوم نے دعائے خیر کی کہ یا خدا یہ زمین ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے۔
۱۴۔ شہر حمات۔ یہاں بھی شہر کے لوگوں نے فوج کو آنے نہیں دیا اور مقابلہ ہوا۔
۱۵۔ شہر حمص۔ یہاں کے حاکم نے فوج یزید کا پرتپاک استقبال کیا۔ آئینہ بندی کی مگر جب فوج داخل شہر ہوئی تو دوستداران اہلبیتؑ نے غدر مچا دیا۔ اور فوج یزید پر حملہ کر دیا جس میں ۲۶ آدمی فوج کے مارے گئے اور فوج پیچھے ہٹ گئی۔
۱۶۔ لوالبک۔ یہاں قتل حسینؑ کی پوری طرح عید منائی گئی فوج یزید کے خوش کرنے کو رقص و سرود کے جلسے ہوئے جناب ام کلثوم نے اس بستی کے حق میں بد دعا فرمائی
۱۷۔ دیر راہب۔ یہاں فوج یزید نے خود ایک پر فضا مقام پر قیام کیا اور اسیروں کو علیحدہ ایک جگہ مقیم کیا اور رات بھر فوج یزید شراب نوشی میں محو رہی۔
۱۸۔ شہر عسقلان۔ یہاں ایک دن اور ایک رات قیام رہا۔
۱۹۔ دمشق۔ جب اہل حرم شہر دمشق کے قریب پہنچے تو جناب ام کلثوم نے شمر سے خواہش کی کہ یہاں لاکھوں تماشائیوں کا ہجوم ہے ہم کو یا تو ایسے راستہ سے لے چل جہاں لوگوں کا ہجوم کم ہو یا سرہائے شہدا کو ہمارے اونٹوں سے آگے کر دے تاکہ تماشائی ان کے دیکھنے میں مصروف ہوں اور ہم پر نظر کرنے کا موقعہ ان کو نہ ملے یا ہمیں ایک ایک چادر دے دے کہ ہم اپنے چہرے چھپالیں مگر شمر نے منظور نہ کیا اور کہا کہ تم یزید بن معاویہ کے مجرم ہو تمہارا کوئی کہنا نہیں کیا جا سکتا ہے اس کے کچھ دیر

بعد بحکم شمر باب الساعات کی طرف سے قیدیوں کو لے چلے۔ جہاں ہجوم سب دراز وں سے زیادہ تھا۔

اہلبیتؑ کا دربار یزید میں داخلہ ۔ جب اہلحرم دربار یزید میں داخل ہوئے اس وقت یزید شراب پی رہا تھا اس نے سرِ حسینؑ کو دیکھکر حکم دیا کہ میرے تخت کے نیچے رکھدو اور اہلحرم ننگے سر رسی سے بندھے اس کے سامنے کھڑے کئے گئے یزید اسیران کی طرف مخاطب نہیں ہوا اس وقت امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ اے یزید کیا غضب ہے کہ ہم تیرے سامنے گنہگاروں کی طرح کھڑے ہیں اور تو ہے کہ بات تک نہیں کرتا اگر اجازت ہو تو میں کچھ کلام کروں اس نے کہا کہو کیا کہنا چاہتے ہو آپ نے فرمایا کہ اے یزید میں خدا کی قسم دیکر تجھ سے پوچھتا ہوں کہ اگر رسول خداؐ ہم لوگوں کا یہ حال دیکھتے تو کیا فرماتے یزید نے کہا فرزند حسینؑ تمہارے باپ نے میرے صلہ رحم کو قطع کیا میرے حقوق سے انکار کیا میری سلطنت میں رخنہ ڈالا اعدا نے ان کے ساتھ جو کیا وہ ظاہر ہے۔ حضرت نے فرمایا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو تمہارے اوپر پڑی ہو اور پہلے سے مقدر نہ ہو چکی ہو یہ تمام امور خدا کے نزدیک سہل و آسان ہیں خدا نے اپنے مخصوص بندوں کو ہمیشہ اس لیے مبتلائے آلام و مصائب کیا کہ ان کے مراتب زیادہ ہوں۔ یزید نے کہا کہ میں اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے تمہارے باپ کو قتل کرایا حضرت نے فرمایا خدا کی لعنت ہو اس شخص پر جس نے میرے باپ کو قتل کیا یزید کو غصہ آیا اور آپ کے قتل کا حکم دیا اس پر درباری ناراض ہوئے اور کہا کہ اے یزید ایسا نہ کرو ورنہ یہاں حشر برپا ہو جائے گا۔ یزید موقعہ کی نزاکت پر نظر رکھتے ہوئے خاموش ہو گیا اس کے بعد سر امام حسینؑ سے وہی گستاخی کی جو ابن زیاد کوفہ میں کر چکا تھا۔ یعنی چھڑی سے دندان مبارک کو جنبش دی ابو برزہ صحابی رسول نے کہا کہ اس کے رسولؐ بوسے لیتے تھے اور

تو چھڑی لگاتا ہے اس پر یزید ناخوش ہو گیا اور ابو برزہ دربار سے چلے گئے اس کے بعد دیر تک یزید اس مسرت کا اظہار کرتا رہا اور اہل حرم کے نام دریافت کرتا رہا اور مکالمہ کرتا رہا اس کے بعد اسیران قید خانے کو بھیجدیئے گئے۔

قید خانہ دمشق۔ یزید کے محل کے پاس ایک بہت پرانا زمین دوز قید خانہ تھا جس کے اندر دن میں رات کی طرح تاریکی رہتی تھی اس میں عترت رسولؐ کو قید کیا گیا اور دربانوں کو تاکید کی گئی تھی کہ کوئی ان کے پاس نہ جاسکے کھانا پانی ان مصیبت زدوں کے لیے اتنی مقدار میں بھیجا جاتا تھا کہ سب کے لیے کافی نہ ہوتا تھا۔ مدت تک اہلحرم اس زندان میں مقید رہے اور طرح طرح کے مصائب ان کو برداشت کرنا پڑے ایک کمسن صاحبزادی کا انتقال اسی قید خانہ میں ہوا جس میں نہ ہوا کا گذر تھا اور نہ روشنی رہتی تھی۔

رہائی اور واپسی مدینہ۔ اہل حرم کتنی مدت تک شام میں قید رہے تاریخی طور پر اس سوال کا اطمینان بخش جواب دینا مشکل ہے۔ تاہم اکثر مقاتل کا اتفاق ہے کہ اہلبیتؑ ایک سال تک دمشق میں قید رہے۔ جب یزید نے دیکھا کہ قتل حسینؑ اور اسیری اہلحرم سے تمام دنیائے اسلام میں بے چینی پھیل رہی ہے تو اس نے سید سجادؑ کو طلب کر کے کہا کہ "ابن مرجانہ پر خدا لعنت کرے کہ اس نے آپ کے والد بزرگوار کو قتل کر کے مجھے کسی کام کا نہ رکھا خیر اب کیا ہو سکتا ہے۔ میں نے آپ کو رہا کیا اب آپ جہاں مناسب خیال کریں قیام فرمائیں میں آپ کی ہر خدمت کو حاضر ہوں۔" آپ نے جواب دیا کہ میں اپنی پھوپھی سے دریافت کرنے کے بعد جواب دوں گا۔ آپ نے واپس آکر جناب زینبؑ سے کل کیفیت بیان کی۔ جناب زینبؑ نے یہ فرمایا کہ میں اپنے بھائی کو نہ دل کھول کر رو سکی ہوں نہ ماتم کر سکی ہوں جب تک صف عزا نہ بچھا لوں گی اس وقت تک کوئی دوسرا کام نہیں کروں گی لہذا پہلے ایک خالی مکان دیا جائے تاکہ ہمیں

ہم اپنے شہیدوں کو دل کھول کر رولیں اس کو یزید نے منظور کر لیا اور خالی مکان دیا گیا۔ صف عزا بچھائی گئی اور شہدائے کربلا پر گریہ و بکا شروع ہوا تمام مستورات اگر شریک ہوتیں کافی عرصہ تک یہ سلسلہ رہا اس کے بعد یہ قافلہ روانہ ہوا۔ یزید نے نعمان ابن بشیر انصاری کو حکم دیا کہ وہ قافلہ اہل بیتؑ کو عزت و احترام کے ساتھ دمشق سے مدینہ پہونچادیں چنانچہ اہلِ حرم مدینے کے لیے نعمان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور بیسؔ صفر کو چہلم کے دن کربلا وارد ہوئے وہاں جناب جابر بن عبد اللہ صحابی رسولؐ زائرِ اول سے ملاقات ہوئی جو بغرض زیارت تشریف لائے تھے۔ یہ قافلہ وہاں کافی عرصہ تک مقیم رہا اور گریہ و بکا اور عزاداری میں مصروف رہا۔ اس کے بعد مدینہ کے لیے روانہ ہوا

داخلہ مدینہ۔ جب مدینے کے قریب یہ قافلہ پہونچا تو امام زین العابدینؑ نے شہر کے باہر خیمے لگوائے اور اہل حرم کو ان میں اتار دیا بشیر کو حکم دیا کہ میرے آنے کی منادی مدینے میں جاکر کرے چنانچہ بشیر گھوڑے پر سوار ہو کر گئے اور اعلان کیا اہل مدینہ چیخ اٹھے گریہ و زاری کی صدا بلند ہوئی۔ اور حضرت کے استقبال کے لیے آئے آپ نے خطبہ پڑھا جس پر لوگ تڑپ تڑپ کر رونے لگے اور یہ سلسلہ کافی عرصہ تک رہا اس کے بعد آپ مع قافلہ کے داخل شہر مدینہ ہوئے۔ پہلے قبرِ رسولؐ پر گئے پھر جنت البقیع اس کے بعد مکان پر تشریف لے گئے۔

یہیں سے ہماری عزاداری کی ابتدا ہوتی ہے جس کو محرم کے نام سے شہرت حاصل ہے یوں تو محرم قمری سال کے پہلے مہینہ کا نام ہے مگر جب سے واقعہ کربلا اس کے پہلے عشرہ میں واقع ہوا اس وقت سے لفظ محرم کا استعمال عزائے امام حسینؑ کے لیے ہونے لگا۔ ادھر محرم کا لفظ بولا گیا کہ فوراً ذہن عزاداری کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ واقعات کربلا کے اظہار کے لیے اسی ذیل میں مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں۔ تعزیہ داری

کی جاتی ہے۔ اسی بنا پر میں نے تالیف کتاب کے وقت پہلے لفظ محرم لفظ عزاداری اور مجلس اور اس کا طریقہ اور دیگر رسومات محرم کی تشریح صفحہ ما بعد میں کی ہے۔

توضیحات ۱۰۶

۱۔ محرم۔ قمری سال کا پہلا مہینہ ہے اس ماہ میں ایام جاہلیت میں جنگ حرام تھی۔ اس وجہ سے یہ نام رکھا گیا۔ اس کے پہلے عشرہ میں تمام عالم میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت اور دیگر شہدائے کربلا کی سالانہ یادگار یعنی ۶۱ھ کے حسینی انقلاب کی یاد کو تازہ کیا جاتا ہے چونکہ یہ واقعہ اس ماہ میں ہوا لہذا اسی ماہ کے نام کے ساتھ مشہور ہو گیا یکم محرم سے لے کر یوم عاشورہ تک برابر واقعات کربلا کا ذکر مجلسوں میں ہوتا رہتا ہے اور امام حسینؑ و اہلبیتؑ اور انصار حسینؑ کی بیکسی پر گریہ و ماتم برابر مختلف عنوان سے کیا جاتا ہے جس سے دینی و دنیوی دونوں فوائد حاصل ہوتے رہتے ہیں۔

۲۔ عزاداری۔ امامیہ اصطلاح میں مظلومین کربلا پر آنسو بہانا۔ اظہار رنج و ملال کرنا عزاداری کہلاتا ہے۔ کسی غم انگیز واقعہ پر اظہار غم۔ گریہ و زاری۔ نالہ و بکا فطری تقاضائے انسانیت ہے اور یہ فطری جذبہ ہر انسان کی خلقت میں موجود ہے انھیں طریقوں کا نام عزاداری ہے خواہ بصورت تقریر ہو یا تحریر۔ تنہا ہو یا مجمع عام میں گریہ و بکا ہو یا ماتم ہو بہر حال ہر وہ صحیح طریقہ سے جس سے عزائے امام حسینؑ کو تازہ اور برقرار رکھا جائے اسی کو عزاداری کہتے ہیں۔

"عزاداری آل محمدؐ کی عظمت کا اقرار ہے عزاداری مقصد اسلام کی حمایت کا مظاہرہ ہے۔ عزاداری یزیدیت و ملوکیت کے خلاف آواز احتجاج اور نعرۂ ملامت ہے۔ عزاداری احترام رسولؐ و آل رسولؐ کا اعلان ہے عزاداری مقصد ایمان کی تبلیغ ہے"۔ (رضاکار صفحہ ۴۰) عزاداری ترقی انسانیت کا آلہ ہے اور اتحاد عالم

کا واحد ذریعہ ہے۔

۳۔ مجلس۔ لغوی اعتبار سے مجلس کے معنی تو بیٹھنے کی جگہ کے ہیں مگر عام طور سے اس کا زیادہ تر استعمال اب صرف اس مقام کے لیے ہوتا ہے جہاں شہدائے کربلا کے ماتم کے لیے لوگ جمع ہوں اور وہاں فضائل و مصائب امام حسینؑ و ائمہ اطہار علیہم السلام بیان ہوں خواہ یہ تذکرہ نثر میں ہو یا نظم میں مجلس ہر اس جگہ منعقد ہو سکتی ہے جہاں صاحب عزا نے اس کے لیے فرش عزا بچھا دیا ہو خواہ وہ امام باڑہ ہو۔ عزا خانہ ہو یا کوئی اور دوسری جگہ ہو۔ مجلس کی نشست کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ کسی مناسب جگہ پر ذاکر کے پڑھنے کے لیے ممبر رکھا ہو یا کوئی دوسری بلند چیز ہو جس پر وہ بیٹھکر بیان کر سکے۔ اگر سوز خوانی بھی مجلس میں ہوگی تو اس کے لیے عموماً ایک تکیہ رکھ دیا جاتا ہے جس پر سوز خوان اپنا بستہ رکھتا ہے اور بعض جگہ پر سوز خوان کے لیے تخت لگایا جاتا ہے۔

الف طریقہ مجلس۔ مختلف طریقے انعقاد مجلس و ذاکری کے ہیں جس کو علیحدہ علیحدہ آیندہ صفحات پر تحریر کیا گیا ہے۔

(ب) اختتام مجلس۔ بعد ختم مجلس بعض جگہ نوحہ خوانی ہوتی ہے یا زیارت پڑھی جاتی ہے اور فاتحہ ہوتا ہے مخصوص تاریخوں میں شبیہیں نکالی جاتی ہیں۔ سب کے آخر میں تبرک کی تقسیم ہوتی ہے۔

تاریخ مجلس اور ذاکری کا ارتقاء

بظاہر سب سے پہلی مجلس بعد شہادت امام حسینؑ و اسیری اہلحرم جب عترتِ اطہار قید سے رہا ہوئی تو جناب زینبؑ نے شام میں اپنے بھائی کی صفِ ماتم بچھائی اور مصائب کا تذکرہ فرمایا جس میں شام کے مرد و زن جمع ہوئے اور انھوں نے تعزیت ادا کی اور مجلس کی بنا ہوئی اور یہ ماتم سات دن تک شب و روز ہوتا رہا۔ اسی کی

ناسی میں مجالس قائم ہوئیں۔ دوسری مجلس اسیران کی رہائی کے بعد کربلائے معلّٰی میں
ہوئی جس میں صحابی رسولؐ زائر اول امام حسینؑ جابر بن عبد اللہ انصاری شریک تھے
اس کے بعد تیسری مجلس مدینہ منورہ میں اس وقت ہوئی جب امام زین العابدینؑ
نے اپنی تشریف آوری کی اطلاع بشیر بن جزلم کے ذریعہ سے کرائی جب لوگ جمع
ہوئے تو امام نے تمام واقعات بیان فرمائے لوگ دھاڑھیں مار مار کر رونے لگے
اس کے بعد آپ نے یہ سلسلہ برابر جاری رکھا اور دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام بھی برابر
واقعات کربلا اپنے اصحاب کے سامنے بیان فرماتے اور خود گریہ کرتے تھے اور
حاضرین بھی روتے تھے۔ اس وقت کے شعراء نے مرثیے کہے جو مجالس میں پڑھے
جاتے تھے یہ سلسلہ ۲۱۱ھ تک جاری رہا بنی امیہ و بنی عباس کی مخالفت اور
کھلم کھلا دشمنی نے دوستداران اہل بیتؑ کا کوئی مرکز قائم نہ ہونے دیا جس کی وجہ
سے غریب الوطنی اور روپوشی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ مدینے سے باہر نکلے مگر کہیں
انھیں رہنے کی جگہ نہ ملی اور جہاں بھی بود و باش اختیار کی وہاں سے کچھ عرصہ کے بعد
ضرور جلاوطن کیئے گئے مگر شیعوں نے ہر حال میں مجلس کا سلسلہ باقی رکھا بنی عباس
کے دور میں عربی و ترکی اور ایرانی قوموں کے باہمی میل جول سے خیالات میں
کسی قدر تبدیلی ہوئی تو اہلبیتؑ کے ماننے والے ایک جگہ جمع ہونے لگے مگر کبھی
اپنے امام کے قریب آنے نہ دیا گیا البتہ اس قدر ضرور ہوا کہ شیعوں کو سندھ اور ایران
میں پناہ ملی بنی عباس کے دور حکومت میں معزالدولہ نے اقتدار حاصل کیا جس کی
وجہ سے شیعوں کو کافی آسانیاں فراہم ہوئیں اس کے بعد دیلمیوں کا زمانہ آیا اور اس
زمانہ میں بھی شیعوں کو آزادی رہی اور جو پابندیاں تھیں وہ ختم ہوگئیں اور شیعوں
نے اپنے عقائد و رسوم کا مظاہرہ کرنا شروع کیا واعظ مسجدوں میں وعظ کہنے لگے
۳۵۲ھ میں عاشورہ کے دن بغداد میں جلوس عزاء نکلے۔ نجف و کربلا کاظمین شیعوں

کے مرکز قرار پائے۔ اور اس کے بعد سے مجالس کا سلسلہ برابر جاری رہا مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس زمانہ میں کس طرح مجلسیں ہوتی تھیں۔

جناب صدوق نے سنہ ۳۶۸ھ میں ایک کتاب امالی لکھی جس میں تین مجلسیں محرم کے لیے ہیں بہت مدت تک اسی کتاب کے مطابق مجالس کا سلسلہ جاری رہا علماء احادیث کے طور پر فضائل و مصائب اہلبیت بیان فرماتے تھے اس وقت کے مشہور شعراء ابودعبل سلمان۔ کمیت اور فرزدق مرثیے نظم کرتے تھے اور مجالس میں ان کو پڑھتے تھے۔

دیلمیوں کا تین سال اقتدار رہا اس کے بعد سلجوقیوں کا دور آیا اور انھوں نے دوست داران آل محمدؐ کو بہت ستایا قتل عام ہوا گھروں کو لوٹا اور طرح طرح کی تکالیف دیں مگر سلسلہ عزا جو قائم ہو چکا تھا باقی رہا۔

علامہ طوسی نے جن کا انتقال سنہ ۴۶۰ھ میں ہوا نجف کو شیعی مرکز قرار دیا اور اس طرح سے عراق و ایران میں اہلبیت کے ماننے والوں میں اضافہ ہوا اور آزادی کے ساتھ مجلس عزا اور دیگر مذہبی امور انجام دیئے جانے لگے مگر مجلس کا طریقہ پرانا ہی باقی رہا جو قبل سے چلا آرہا تھا۔

اس زمانہ میں مصر میں شیعوں کی کافی آبادی تھی کیونکہ وہاں فاطمی حکومت قائم تھی مگر صلاح الدین ایوبی نے ان کو بالکل ختم کر دیا۔ جس کی وجہ سے مجالس پر کافی اثر پڑا جب چنگیز خاں فاتح کی حیثیت سے آیا چونکہ وہ باہر کا رہنے والا تھا لہذا اس نے مذہبی آزادی دیدی اس وجہ سے تذکرۂ آل محمدؐ کو کافی فروغ ہوتا رہا۔ مگر محمود غزنوی کے عہد میں شیعوں کو کافی بری طرح کچل دیا گیا جب ان کی حکومت ختم ہوئی تو چنگیزی خاندان کی ایک فرد جس کا نام تیمور تھا جو سنہ ۸۰۷ھ میں فوت ہوا اس کو اہل بیت سے بیحد عقیدت تھی۔ اس نے ائمہ اہلبیت کے روضوں کو بنوایا اور شیعوں کو ہر طرح مذہبی آزادی حاصل رہی۔ تیمور کے بعد بھی محبان اہلبیت کو مذہبی رسوم کی ادائیگی میں

آسانیاں حاصل رہیں۔ ملا حسین واعظ کاشفی نے ایک کتاب روضۃ الشہدا بزبان فارسی سادہ و رنگین نظم و نثر میں فضائل آل محمدؐ پر ۹۰۸ھ میں لکھی جو بیحد مقبول ہوئی اور مجالس میں یہی پڑھی جانے لگی۔ تیموریوں کے بعد صفویوں نے تخت حاصل کیا ان کا زمانہ عزاداری کے لیے یادگار رہے گا۔ علماء نے مجلسوں میں تقریریں شروع کیں مصنفوں نے کربلا کے واقعہ پر کتابیں لکھیں جس میں سب سے زیادہ مفصل کتابیں علامہ مجلسیؒ نے بزبان عربی و فارسی تحریر کیں۔ محتشم نے مشہور قصیدہ لکھا جس کی وجہ سے ان کا نام اس وقت تک باقی ہے۔

ہندوستان میں عزاداری و مجلس کا سلسلہ کب سے شروع ہوا اس کے متعلق کوئی صحیح بات نہیں معلوم ہو سکی ہے مگر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ہمایوں بادشاہ نے جب ہندوستان پر حملہ کیا اس وقت یہاں مجالس وغیرہ ہوتی تھیں مگر اس کی تصدیق کہیں سے نہیں ہوتی ہے۔ البتہ اس کا ثبوت ملتا ہے کہ دکن ہی سے عزاداری و مجالس کا سلسلہ بزمانہ سلطنت عادل شاہ بیجاپور سے شروع ہوا جو ۸۹۵ھ سے ۱۰۹۷ھ تک رہی اور عزاداری کو عروج قطب شاہی نے دیا جو ۹۱۸ھ سے ۱۰۹۸ھ تک رہی۔ اس زمانہ میں محتشم کاشی و دیگر شعراء عربی و فارسی کے مراثی مجلسوں میں پڑھے جاتے تھے مگر چونکہ عوام کی زبان دکنی اردو تھی جس کی وجہ سے لوگ لطف اندوز نہ ہو سکتے تھے حالات پر نظر رکھتے ہوئے اس وقت کے شعراء اور خاص کر قطب شاہ نے مرثیے کہے جو مجلسوں میں پڑھے جانے لگے اور اس کا انداز بالکل روضۃ الشہدا کے طرز کا تھا۔

فضل علی فضلی نے ایک کتاب ۱۱۴۵ھ میں دہ مجالس لکھی جو کربل کتھا کے نام سے مشہور ہوئی چونکہ طریقہ تحریر بیحد دل آویز تھا لہذا کافی مقبول ہوئی اس وقت کی زبان کے بالکل موافق تھی اور ہر شخص اس کو آسانی سے سمجھ لیتا تھا۔

"روضۃ الشہدا کے منظوم ومنثور ترجموں نے واقعہ خوانی کی ایجاد کی اسی زمانہ کے قریب ملا خطا ایران سے ہندوستان آئے اور نواب آصف الدولہ بہادر کے یہاں ملازم ہوئے اور بڑے امام باڑہ میں مجالس پڑھتے تھے۔ اسی دور میں حیدر بخش حیدری متوفی ۱۲۳۸ھ کا بھی زمانہ تھا۔ انھوں نے ۱۲۲۷ھ میں گل مغفرت اور گلشن حیدری تحریر کیں جو مجالس میں پڑھی جانے لگیں ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں" (رضاکار ص ۳۴)

"حکومت اودھ کی وجہ سے شیعہ علماء آزاد اور مراسم عزا ترقی پر تھے۔ گاؤں گاؤں قریئے قریئے مجلسیں ہوتی تھیں اس لیے علماء واکابر رونق افروز منبر ہونے لگے ایرانی واعظ یہاں آتے تھے یہاں کے حضرات وہاں جاتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ منبر پر عالمانہ موشگافیاں۔ فقیہانہ مسائل کا بیان ہونا شروع ہوا۔" (رضاکار ص ۳۵)

"میر سید علی صاحب مرحوم کے زمانہ میں ان کے رنگ کو بہت پسند کیا گیا فضائل میں قصائد ملا باذل کی حملہ حیدری کے اشعار۔ روایات میں نکتہ آفرینی۔ نظم ونثر کی آمیزش۔ عربی وفارسی عبارتوں کی نقل۔ جنگ خندق وخیبر وغیرہ فضائل اہلبیتؑ بھی بہت خاص چیز سمجھی جانے لگیں۔ مصائب میں درد انگیز لہجہ۔ غم آفریں عبارتیں پسند کی جاتی تھیں۔ کمال وکامیابی مجلس کا معیار یہ تھا کہ رقت کیسی ہوئی اور رقت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ لوگ روتے روتے بیہوش ہو جاتے تھے گریہ وبکا میں ذاکر کی آواز نہ آتی تھی کبھی کبھی واعظ کو اشارے کرنے پڑتے تھے" (رضاکار ص ۳۶)

"علماء کے منبر پر آنے سے مواد وبیان میں بڑی خوش آیند تبدیلیاں ہوئیں مجلس بجائے فضائل ومصائب سے بڑھ کر تبلیغ وافہام دین کی منزل میں آگئی۔ مخالفانہ پروپیگنڈوں۔ مناظرانہ جھگڑوں کی وجہ سے امامت کے اصولوں پر توجہ دی جانے لگی" (رضاکار صفحہ ۳۶)

حسب ذیل حضرات نے مختلف رنگوں کو اپنایا اور شہرت حاصل کی۔

۱۔ "مولانا مقبول احمد صاحب دہلوی۔ آپ کو زبان و بیان پر قدرت تھی منظوم نکتے بیان کرنا شروع کیے عوام نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہندوستان میں شہرت کا ڈنکا بجنے لگا تو ناموزوں نے انھیں دیکھ کر وہی رنگ اپنانا شروع کیا چنانچہ ذاکری میں مقبول احمد صاحب مرحوم ایک اسکول کے بانی قرار پائے۔" (رضا کار صفحہ ۳۶)

۲۔ "مولانا محمد رضا صاحب قبلہ۔ جو اسی عہد میں مدرسہ سلطان المدارس کے استاد فلسفہ و منطق تھے شہرت حاصل کی۔ آپ کا بیان منطق و فلسفہ کا رنگ لیے تھا آیات و روایات سے نتائج کا استخراج آپ کے ساتھ مخصوص قرار پایا" (رضا کار صفحہ ۳۶)

۳۔ "مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ۔ اسی عہد کے مقبول خاص و عام۔ بانی طرز جدید۔ اور موجودہ خطابت کے موسس اور گذشتہ رنگ کے جوہر ہیں۔ زبان کی فصاحت۔ بیان کی دلکشی و جاذبیت۔ حدیث و مناقب۔ قرآن و مناظرہ۔ نکتہ آفرینی کا یہ عالم تھا کہ لوگ مسحور ہو گئے۔" (رضا کار صفحہ ۳۷)

۴۔ ان تینوں عنوانات ذاکری کو ایک میں سمو کر جناب مولوی ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی نے نہایت ممدوح طریقے سے دلنشیں الفاظ دنیا کے سامنے پیش کر کے ایک خاص ذاکری کے بانی قرار پائے۔

"موجودہ ذاکری و مجلس خوانی میں نکتہ آفرینی و رنگینی کا دستور مولانا سید سبط حسن صاحب کی بدولت جاری ہوا اس زمانہ کا یہی رجحان تھا جس سے خطیب متاثر ہوئے اور فن میں اس کی رعایت کی گئی اس رنگ کے مشہور ترین علماء میں جناب مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ۔ جناب مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی جناب مولانا سید محمد صاحب دہلوی۔ جناب حافظ کفایت حسین صاحب۔ جناب محمد بشیر صاحب۔ جناب مولانا ابرار حسین صاحب پاروی۔ جناب مولانا محمدی مہدی

صاحب زید پوری وغیرہ نے ہمہ گیر شہرت پائی ان تمام بزرگوں میں بڑی حد تک انفرادیت اور ہر ایک کا رنگ علیحدہ ہے۔ مگر مولانا مقبول احمد صاحب کا طنز مولانا سید سبط حسن صاحب کا ادب مولانا محمد رضا صاحب کا فلسفہ بہ انداز مرکب شکل میں رچا و بسا ہوا ہے۔" (رضاکار صفحہ ۳۷)

عہد جدید۔ ان اکابر کے بعد ملک میں علوم جدید کے پرچار اور تعلیم اپنی آخری حدوں تک پہونچ گئی۔ "تاریخ و نفسیات۔ تنقید۔ ادب کے رُخ مڑے، زبان کا چولا بدلا۔ نئی تلمیحیں جواب سے پچاس برس پہلے سمجھتے نہ تھے اب مشہور ہو گئی ہیں۔ نئے فلسفیانہ مباحث نئے مسائل کلام جو اس زمانے میں مشہور نہ تھے اب زبان زد ہیں۔" (رضاکار صہ ۳۷)

"اس لیے نئی پود نئی روشنی میں نئی باتیں سننا چاہتی ہے اور اس کے مقابل میں ایک جماعت خالص دیندار دوں کی ہے جو دیکھتی ہے کہ اخلاقیات و مسائل دین مذہب و اسلام سے لوگ باغی ہو رہے ہیں ضرورت ہے کہ ہمارے ذاکرین اس طرف توجہ کریں۔ عوام جاہل ہیں انھیں اہمیت ارکان و پابندیٔ عمل سے آشنا کیا جائے۔" (رضاکار صہ ۳۷)

"ایک طبقہ ایسے سامعین کا ہے جو شہروں سے دور ہے جہاں انھیں مختلف فرقہ وارانہ طعن و تشنیع سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے تیر و نشتر سے زیادہ گہرے چرکے لگتے ہیں وہ اپنے حریفوں کے لیے کچھ مواد چاہتے ہیں ان کے نزدیک مذکورہ بالا مطالبے غلط ہیں۔" (رضاکار صفہ ۳۸)

نوجوان ذاکروں نے موجودہ مطالبات کے پیش نظر اپنا رنگ تبدیل کر دیا ہے اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ ایسے مضامین مجلسوں میں بیان ہوں جس سے سب مطمئن ہو سکیں اور یہی طریقہ مناسب ہے۔

"مجلس کا ایک خاص اسلوب و آہنگ ہے۔ خاص رکھ رکھاؤ ہے۔ خاص لہجہ خاص حدیں اور ایک معین مقصد ہے۔ خطیب اپنی فکر و نظر، بیان و تقریر کا پابند ہے اور انھیں چیزوں کا مجموعی اثر خاص رنگ کہلاتا ہے۔ خطابت نے جو نئے رنگ اختیار کیئے اور زمانہ نے جو نئی کروٹیں بدلی ہیں ان سے ممبر بھی متاثر ہو چکا ہے صاحبان نظر جانتے ہیں کہ آجکل کی ذاکری اب سے پچیس سال پہلے کی خطابت نہیں۔ اس عہد کے خطیب جن توانائیوں کے مالک ہیں انھیں شائد حال نہ سراہے مگر مستقبل کے نتائج ان کی اہمیت کو اجاگر کریں گے۔" (رضاکار صفحہ ۴۸)

تاریخ مرثیہ

مرثیہ۔ وہ نظم یا اشعار جس میں کسی شخص کی وفات یا شہادت کا حال اور مصیبتوں کا ذکر ہو۔ اور اب موجودہ اصطلاح میں بنا بر شہود ائمہ اطہار اور واقعہ کربلا کے حالات کے نظم کرنے ہی کو مرثیہ کہتے ہیں۔

"سب سے پہلے شاعری کی ابتداء مرثیہ سے ہوئی سب سے پہلا شعر حضرت آدم ؑ نے کہا جو ہابیل کا مرثیہ تھا۔ عرب کی شاعری چونکہ بالکل فطرت کے مطابق اور جذبات کے اظہار کا سادہ طریقہ ہے اس لیے عرب میں شاعری کی ابتداء مرثیے سے ہوئی قبل اسلام عرب میں مرثیہ گوئی بہت ترقی کر چکی تھی یہ شاعری زمانہ اسلام میں بھی قائم رہی جب ملک عرب میں شاعری خصوصاً مرثیہ گوئی پورے عروج پر تھی اس وقت کربلا کا قیامت انگیز واقعہ پیش آیا یہ واقعہ ایسا تھا کہ اگر اس وقت کی سیاسی طاقتیں مانع نہ ہوتیں تو اس زور و شور سے مرثیے لکھے جاتے کہ تمام دنیا میں آگ لگ جاتی مگر بقول علامہ شبلی بنی امیہ کی ظالمانہ سطوت و جباری نے شعراء کو پوری آزادی سے واقعہ کربلا کی مرثیہ گوئی نہ کرنے دی۔ مگر یہ عظیم واقعہ ایسا نہ تھا

کہ حکومت کا جور و تشدد قطعی طور پر اس کے ذکر کو روک دیتا چنانچہ اس واقعہ کے ساتھ ہی ساتھ خاندان بنی ہاشم کے بقیہ افراد کے دل خراش نوحے اور خطبات فضائے عالم میں گونج گئے۔ اور تقریباً تمام دنیائے اسلام اس دردانگیز واقعہ کے تاثر سے بھر گئی اور عربی شعراء نے اپنی جان پر کھیل کر خاندان رسالت کی تباہی و بربادی کے پرسوز دردناک مرثیے لکھے" (رضا کاظم ۱۱۳)

"خاندان صفوی کو حضرات اہلبیتؑ سے عشقیہ نیاز مندی تھی اس لیے عام شعرا نے حضرات اہلبیتؑ کی شان میں طبع آزمائی شروع کی اسی زمانہ کے محتشم کاشی کا مرثیہ ہفت بند آج تک مقبول عام ہے اردو شاعری فارسی شاعری کے تتبع میں شروع ہوئی فطری طور پر اس میں بھی فارسی شاعری کا اثر نمایاں رہا مگر ہندوستان کے ملک دکن میں غلامانِ آل محمدؐ کی حکومتیں قائم ہو گئیں اور زمانہ کے رنگ کے مطابق اس وقت کے شعراء نے اور خود شاہان وقت نے مرثیہ گوئی شروع کی اور دنیا کے سب سے بڑے دردناک واقعہ پر بہترین انداز میں اظہار خیال کیا۔" (رضا کاظم ۱۱۴)

"جب شمالی ہند میں بنگال و اودھ کی حکومتیں جاں نثارانِ آلِ محمدؐ کے قبضے میں آئیں تو مرثیہ گوئی علاوہ ثواب آخرت۔ وجاہت دنیا کا بھی سبب بنی اور بلا امتیاز مذہب و ملت ہر قوم کے اہل فن نے مرثیہ گوئی کی طرف توجہ کی" (رضا کاظم ۱۱۴)

دکنی حکومتوں کے خاتمہ کے بعد ولی دکنی پہلے شخص ہیں جنھوں نے کربلا کے واقعات مثنوی کی صورت میں قلمبند کیے اور اردو مرثیہ کی ابتداء انھیں سے ہوئی جب دلی کی ضعیفی کا زمانہ تھا اس وقت شمالی ہند میں سودا۔ میر نے بھی مرثیے کہے کیونکہ مجلسوں میں پڑھنے کے لیے ضرورت تھی ان دونوں حضرات کے علاوہ بھی اس وقت کے شعراء نے مرثیوں کی طرف توجہ کی اس زمانہ میں چو مصرعے کہے جاتے تھے مگر پنجاب کے ایک شخص میاں سکندر تلاش روزگار میں لکھنؤ تشریف

لائے اور یہاں آکر ایک مسدس واقعات کربلا پر نظم کیا جو بیحد مقبول ہوا اور بجائے
چار مصرعوں کے چونکہ چھ مصرعے ہے اس وجہ سے مسدس مشہور رہا۔ شاہان اودھ
کی لکھنؤ میں حکومت تھی جس کی وجہ سے ہر طرح کی امداد حکومت سے ملتی رہی اور
مرثیہ خوانی کو کافی ترقی ہوئی ۱۲۴۳ھ میں میر ضمیر جو ایک غزل گو شاعر تھے مرثیہ
کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں کے ساتھ ساتھ دلگیر۔ میر فصیح۔ میر خلیق نے بھی مرثیے
کہنے شروع کئے جو بیحد پسند ہوئے۔ اگرچہ اس زمانہ میں صرف بین ہی نظم ہوتے
تھے اور مرثیہ میں صرف بارہ چودہ بند ہوا کرتے تھے اگر کسی نے خاص توجہ کر دی
تو چالیس پچاس بند ہو جاتے تھے زیادہ تر ان مرثیوں کو سوز خوان حضرات پڑھا
کرتے تھے میر ضمیر نے بین کے ساتھ ساتھ واقعات کربلا بھی نظم کئے جس کی وجہ سے
بندوں کی تعداد بڑھنے لگی آٹھ دس سال کے بعد آپ نے چہرہ۔ رخصت۔ سراپا
آمد۔ رجز۔ لڑائی۔ شہادت۔ دعا۔ مرثیوں میں لازمی قرار دی اور ایک نئے دور
کا آغاز ہوا اور تحت لفظ پڑھنے کا رواج ہوا۔ ممبر پر ہاتھ اور اشارات چشم و ابرو
سے بتانا شروع کیا۔ مرزا دبیر۔ میر ضمیر کے شاگرد تھے ان کا کلام اہل لکھنؤ نے بے حد
پسند کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کی ہمت ان کے مقابلہ میں آنے کی نہ ہوتی تھی۔ اسی
زمانہ میں میر خلیق کے صاحبزادے میر انیس فیض آباد سے لکھنؤ آئے اور مجلسیں پڑھنا
شروع کیں کوئی خاص چیز ایجاد نہیں کی بلکہ میر ضمیر ہی کے طریقہ پر مرثیہ کہنا شروع
کیا۔ مرزا دبیر و میر انیس کا خوب رنگ جما اور انھیں دونوں حضرات کے رنگ
کو بیشتر شعرا نے اختیار کیا اور جس کا سلسلہ اس وقت سے اب تک جاری ہے
اگرچہ درمیان میں کافی تغیرات ہوئے جن کا ذکر حضرات شعراء کے حالات کے
ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔

اقسام ذاکر

ذاکر یہ مجلس کا خاص جز و ہے جن کے مختلف نام ہیں جن کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے۔

۱۔ ذاکر۔ وہ شخص جو ممبر پر بیٹھکر یا کسی اور طریقہ سے اہلبیت کے فضائل و مصائب نثر یا نظم میں بیان کرے۔

۲۔ روضہ خوان۔ ذاکری کی ابتدا اچونکہ کتاب روضۃ الشہدا سے ہوئی لہذا اس کے پڑھنے والے کو روضہ خوان کہا جانے لگا۔ مگر اس دور میں یہ نام ہندوستان میں رائج نہیں ہے۔

۳۔ تحت لفظ خوان۔ سیدھے طریقہ سے مرثیہ پڑھنے والے ذاکر کو کہتے ہیں

۴۔ حدیث خوان۔ رسولؐ خدا کی احادیث بیان کرنے والے شخص کو حدیث خوان کہتے ہیں جو حدیث کے ساتھ ساتھ فضائل و مصائب ائمہ اطہار علیہم السلام بھی بیان کرتا ہے۔

۵۔ واعظ۔ جو مجلس میں امور شرعی کی طرف توجہ دلائے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی نصیحت کرے واعظ مصائب و فضائل بھی بیان کرتا ہے۔

۶۔ محدث۔ وہ شخص جو علم حدیث سے واقف ہو اور ان کو مجالس میں بیان کرے

۷۔ خطیب۔ خطبہ پڑھنے والے کو خطیب کہتے ہیں جو مجمع کو بہ انداز لطیف فضائل و مصائب کی جانب متوجہ کرے۔

۸۔ مبلّغ۔ مذہب کی تبلیغ کرنے والا۔

۹۔ پیش خوان۔ وہ شخص جو کسی بڑے ذاکر کے پڑھنے سے قبل چند منٹ ذاکری کرے خواہ نثر میں ہو یا نظم میں۔

۱۰. مرثیہ خوان ۔ وہ شخص جو مجلس میں مرثیہ پڑھے۔

۱۱. سوز خوان ۔ ایسا مرثیہ خوان جو خوش الحانی کے ساتھ ساتھ مجلس یا جلوس میں سوز۔ سلام اور مرثیہ پڑھے۔

۱۲. صاحب بیاض ۔ عموماً اس شخص کو کہتے ہیں جو بیاض لے کر یا زبانی نوحہ پڑھے۔

۱۳. نوحہ خوان ۔ نوحہ پڑھنے والوں اور ماتم کرنے والوں کو کہتے ہیں۔

۱۴. نقیب ۔ مدح خواں جو جلوس عزا میں ساتھ چلتا ہے اور تھوڑی تھوڑی دور پر رک کر مدحیہ۔ بینیہ اشعار پڑھتا ہے۔

۱۵. سواری پڑھنے والا ۔ جلوس عزا کے ساتھ تھوڑے فاصلے سے ایک شخص ایک بند پڑھتا ہے۔ پورے جلوس میں سواری پڑھنے والے کئی اشخاص بھی ہو سکتے ہیں۔

اقسام ذاکری

ذاکری کے مختلف عنوان میں ایک طریقہ نثر اور دوسرا طریقہ نظم کا ہے اور ان دونوں کے بھی دو طریقے ہیں ایک ذاکری ممبر اور دوسری ذاکری علاوہ ممبر یعنی سوز خوانی و نوحہ خوانی وغیرہ یہاں پر پہلے ذاکری ممبر نثر اور نظم الگ الگ بیان کی جا رہی ہے اس کے بعد سوز خوانی اور نوحہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

ذاکری ممبر ۔ امام حسینؑ کے قتل کے بعد صرف مصائب بیان ہوتے تھے اور یہ سلسلہ تین سو سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک جاری رہا جیسا کہ قبل میں تحریر کیا گیا ہے کہ جب علامہ صدوق کی کتاب امالی تحریر ہوئی وہ مجلس میں پڑھی جانے لگی اس کے بعد مختلف کتابیں شائع ہوئیں اور انھیں کو عام طور پر مجلس میں پڑھا جانے لگا۔

مگر اس کے طریقے برابر تبدیل ہوتے رہے ہندوستان میں مجلس کی ابتداء روضہ خوانی سے ہوئی بعد کو واقعہ خوانی کا طریقہ جاری ہوا اس کے بعد مرثیہ خوانی شروع ہوئی اور یہ دونوں طریقے اب بھی جاری ہیں جس کی تفصیل علیحدہ علیحدہ درج کی جاتی ہے۔

۱۔ روضہ خوانی۔ غیر عرب علاقوں میں مجلس کا نام روضہ خوانی پڑ گیا کیوں کہ اس زمانہ میں ملا حسین واعظ کاشفی کی مشہور کتاب روضۃ الشہداء جو ۹۰۸ھ میں بہ زبان فارسی لکھی گئی تھی وہ بے حد مقبول ہوئی اور ہر جگہ مجلس میں پڑھی جاتی تھی۔ یہ سادہ اور رنگین نظم و نثر میں فضائل و مصائب آل محمدؐ پر مشتمل تھی جو لحن سے پڑھی جاتی تھی یہ ایران سے ہندوستان آئی اور سب سے پہلے دکن میں اس کا چرچا ہوا۔

۲۔ واقعہ خوانی۔ روضۃ الشہداء کے منظوم ترجموں نے واقعہ خوانی کی ایجاد کی جو اس زمانہ میں بیحد مقبول ہوئی۔ ۱۱۴۵ھ میں پہلی اردو کتاب "کربل کتھا" کے نام سے نظم و نثر سے مرکب شائع ہوئی اور یہی کتاب روضہ خوانی کے بجائے واقعہ خوانی کے نام سے مشہور ہوئی اس کو فضل علی فضلی نے مرتب کیا تھا بعد میں یہی کتاب دہ مجلس کے نام سے بھی مشہور ہوئی اس کے بعد اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں جو بیحد پسند کی گئیں اور عام طور سے انہی کتابوں سے دیکھکر لوگ مجلس پڑھتے تھے۔ طرز خواندگی زیادہ تر لحن کے ساتھ ہوتا تھا جو بے حد موثر تھا اب بھی کہیں کہیں یہ رواج باقی ہے۔

۲۔ الف۔ نثر خوانی۔ نثر خوان بیشتر چہرہ پڑھتے ہیں جو مقفیٰ و مسجع ہوتا ہے جس سے ان کے علم و معلومات پر روشنی پڑتی ہے پھر فضائل و مصائب بیان کرتے ہیں اور جا بجا نثر کے ساتھ نظم بھی موافق محل پڑھتے ہیں۔

۳۔ حدیث خوانی۔ ان اقوال کو بیان کرتا جو جناب رسولؐ خدا نے اپنی زبان

مبارک سے ارشاد فرمائے یا خود کیا یا جو فعل آپ کے سامنے ہوا ہو اور آپ نے اس سے منع نہیں کیا اس کو حدیث کہتے ہیں اور اسی کو مجلس میں بیان کرنا حدیث خوانی کہلاتا ہے مگر حدیث خوانی کے بیان کا موجودہ طریقہ بالکل تبدیل ہو گیا ہے اور اس کے بیان میں بھی موجودہ دور کا خیال رکھا جاتا ہے اور عموماً ضعیف احادیث اب ذاکرین بیان کرنا پسند نہیں فرماتے ہیں۔

۴۔ شہادت نامہ۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے حالات نثر میں تنہا لکھے گئے ہوں یا نثر و نظم دونوں میں ہوں اس کو شہادت نامہ کہتے ہیں۔

۵۔ ذاکری طرز جدید۔ سابق طریقہ حدیث خوانی یعنی کتاب سے دیکھکر پڑھنے کا سلسلہ جب مشہور ذاکرین کے یہاں ختم ہو گیا تو زبانی بیان کا طریقہ اختیار کیا گیا جو حسب ذیل ہے۔

الف۔ فاتحہ۔ مجلس شروع ہونے سے قبل ذاکر ممبر پر جاکر "فاتحہ" کہتا ہے۔ ذاکر خود اور سامعین درود پڑھکر سورہ حمد پڑھتے ہیں۔

ب۔ خطبہ۔ وہ عربی عبادت جو خطیب بسم اللہ۔ حمد۔ پیغمبر اور ان کی آل پر صلوٰۃ و سلام پر مشتمل پڑھے۔

ج۔ سرنامہ۔ کلام مجید کی آیت یا حدیث یا کوئی مشہور شعر جس کے ماتحت پوری تقریر ہوتی ہے۔

د۔ تفسیر۔ اگر آیت ذاکر نے پڑھی ہے تو وہ اس کے معنی و مطالب تفصیل کے ساتھ بیان کرے گا۔

ہ۔ فضائل۔ ائمہ اطہار علیہم السلام کی نیکیاں۔ خوبیاں۔ کمالات اور کارناموں کو بیان کرنا۔

و۔ مصائب۔ ان مظالم کا بیان کرنا جو نبیؐ و آل نبیؐ پر دشمنانِ دین کے

ہاتھوں واقع ہوئے۔ فضائل کے بیان کے وقت سامعین مسرت کے موقعوں پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور ذاکر کی تعریف کرتے ہیں اور جب مصائب بیان ہوتے ہیں تو اس سے متاثر ہو کر رونے لگتے ہیں۔

۶۔ مجلس مرثیہ خوانی۔ مرثیے کے لیے قبل میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ کس نظم کو مرثیہ کہتے ہیں یہاں پر صرف سلسلہ وار خواندگی مع تشریح درج کی جاتی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ذاکر پہلے کون چیز پیش کرتا ہے اور اس کے بعد کا کیا طریقہ پڑھنے کا ہوتا ہے۔

الف۔ رباعی۔ چار مصرعوں کی نظم جس میں بالعموم پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے لیکن مصرعہ اول کا ہم قافیہ ہونا ضروری نہیں۔ مثل قطعہ کے۔

ب۔ قطعہ۔ دو یا اس سے زیادہ اشعار جس میں کوئی خاص بات بیان کی جاتی ہے اس میں مطلع کی قید نہیں ہے۔ البتہ دوسرے اور چوتھے مصرعہ کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔

ج۔ سلام۔ مدحیہ نظم جو غزل کے انداز پر ہوتی ہے جس میں ائمہ اطہار کا ذکر ہوتا ہے۔ اور چند شعر مبکی ہوتے ہیں آخر میں مقطع ہوتا ہے۔

د۔ مرثیہ۔ مرثیہ کے کئی حصے ہوتے ہیں اور جیسا کہ جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب۔ ایم۔ اے نے "روح انیس" میں تحریر کیا ہے وہ درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ چہرہ۔ صبح کا منظر۔ رات کا سماں۔ دنیا کی بے ثباتی۔ باپ بیٹے کے تعلقات سفر کی دشواریاں۔ اپنی شاعری کی تعریف۔ حمد۔ نعت۔ منقبت۔ مناجات وغیرہ تمہید کے طور پر۔

۲۔ سراپا۔ مرثیے کے ہیرو کے قد و قامت۔ خال و خط وغیرہ کا بیان۔

۳۔ رخصت۔ ہیرو کا امام حسینؑ سے جنگ کی اجازت لینا اور میدانِ جنگ

میں جانے کے لیے اپنے عزیزوں اور دوستوں سے رخصت ہونا۔

۴۔ آمد۔ ہیرو کا گھوڑے پر سوار ہو کر شان و شوکت کے ساتھ رزمگاہ میں آنا۔ آمد کے سلسلہ میں ہیرو کے گھوڑے کی تعریف بھی لکھی جاتی ہے۔

۵۔ رجز۔ ہیرو کی زبان سے اپنے نسب کی تعریف اپنے اسلاف کے کارناموں کا بیان اور فن جنگ میں اپنی مہارت کا اظہار۔

۶۔ جنگ۔ ہیرو کا کسی نامی پہلوان سے یا دشمن کی فوج سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑنا جنگ کے ضمن میں ہیرو کے گھوڑے اور تلوار کی بھی تعریف کی جاتی ہے۔

۷۔ شہادت۔ ہیرو کا دشمنوں کے ہاتھ سے زخمی ہو کر شہید ہونا۔

۸۔ بین۔ ہیرو کی لاش پر اس کے عزیزوں بالخصوص عزیز عورتوں کا رونا"۔ (روح انیس ص ۱۴)

۹۔ ساقی نامہ۔ اس کلام کو کہتے ہیں جو رندانہ حیثیت سے محبوب کی طرف رجوع ہو اور جس میں تعریف جام۔ شراب۔ صراحی۔ اور میخانہ ہو۔ اور ساقی کی مدح و ثنا بیان کی جائے۔

۱۰۔ رزم۔ میدان کی نقشہ کشی کرنے کا نام رزم ہے جس میں سپاہی کی تعریف اس کے حملہ جات کی مدح سواری کی تعریف وغیرہ کی جائے۔

۱۱۔ بزم۔ چہرے۔ رخصت۔ ساقی نامہ۔ میں جو مضامین نظم کیے جائیں۔

چند ضروری تشریحات۔

۱۔ قافیہ۔ ہم وزن الفاظ جو ردیف سے قبل آتے ہیں۔

۲۔ ردیف۔ وہ لفظ جو قافیہ کے بعد آتا ہے اور بدلا نہیں کرتا

۳۔ مطلع۔ شعر یا بند جس سے نظم کی ابتدا ہوتی ہے۔
۴۔ مقطع۔ وہ شعر یا بند جس پر نظم ختم ہوتی ہے اور اس میں تخلص ہوتا ہے۔
۵۔ تخلص۔ شاعر کا وہ لقب جو وہ اپنے لیے معین کرتا ہے۔
۶۔ مرثیہ کے ابتدائی بند کو مطلع کہتے ہیں۔ ہر بند کے ابتدائی چار مصرعے ہم قافیہ و ردیف ہوتے ہیں۔ اور ان میں چوتھا مصرعہ قبل کے مصرعوں سے بلند ہوتا ہے۔ اور آخری دو مصرعے جن کو بیت کہا جاتا ہے اول الذکر چار مصرعوں سے مربوط ہوتے ہیں۔ بیت کا غیر معروف ہونا پسندیدہ نہیں ہے۔
۷۔ آمد۔ وہ مضمون یا ترتیب لفظی جو بلا غور و فکر کے بے تکلف سامنے آجائے۔ اور اپنی روانی کی وجہ سے کلام کو جاذب قلوب بنا دے مرثیہ میں ایسے کلام کی خاص تمنا کی جاتی ہے۔
۸۔ آورد۔ وہ کلام جو غور و فکر کے بعد بہ تکلف نظم کیا جاتا ہے اس لیے وہ زیادہ مرغوب طبع نہیں ہوتا ہے۔ شعراء کا کمال تو ضرور ظاہر ہوتا ہے مگر عام طور سے پسندیدہ نہیں قرار پاتا ہے۔

ذاکری علاوہ ممبر

۱۔ سوز خوانی

الف۔ سوز۔ وہ اشعار جو سوز خوان لحن کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ زیادہ تر بینیہ ہوتے ہیں۔ عموماً رباعی یا قطعہ سے ابتدا کی جاتی ہے۔
ب۔ سلام۔ اس میں مدحیہ اشعار ہوتے ہیں۔ اور آخر میں بین اور مقطع ہوتا ہے
ج۔ مرثیہ۔ کسی مناسب مرثیے کے دس بارہ بند پڑھتے ہیں
۲۔ نوحہ۔ عربی لفظ ہے جس کے معنی میت پر رونے اور بین کرنے کے ہیں۔

نوحہ میں جن کے اشعار عموماً زیادہ ہوتے ہیں اور ہمیشہ لحن کے ساتھ بہت سے لوگ مل کر پڑھتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں عرب میں عورتیں بڑے آدمیوں کی موت کی خبر سن کر وہاں جاتی اور نوحہ خوانی کرتی تھیں جن میں گھر کے لوگ بھی شریک ہوتے تھے ان نوحوں میں مُردے کی خوبیاں بیان کی جاتی تھیں یا ان کے مصائب نظم ہوتے تھے۔ آج کل اس کے مختلف طریقے ہو گئے ہیں جو حسب ذیل ناموں سے مشہور ہیں۔

الف۔ ماتم۔ بند نظم شاعر اس میں اپنے ذاتی تاثرات نظم کرتا ہے اور سادگی کے ساتھ واقعات کربلا کا ذکر ہوتا ہے اور لحن کے ساتھ پڑھتے ہیں ساتھی جواب میں شعر یا مصرعہ دوہراتے ہیں اور سینہ زنی کرتے ہیں۔

ب۔ روایت۔ ایسی نظم جس میں واقعہ کربلا یا کوئی دوسرا واقعہ مسلسل نظم کیا گیا ہو اور ماتم کے ساتھ پڑھی جائے۔

ج۔ الوداع۔ وہ نوحہ جو عاشورہ کے دن تعزیہ اٹھاتے وقت پڑھا جائے جس میں صرف رخصتی کا منظر اور سب کو سلام ہوتا ہے۔

د۔ سواری پڑھنا۔ صرف ایک شخص پورا ایک بند پڑھتا ہے اس کے ساتھی بند ختم ہونے پر صرف ماتم کرتے ہیں۔

ماتم کے ساتھ نوحہ خوانی کی رسم بہادر شاہ ظفر آخری بادشاہ دہلی کے زمانہ میں شروع ہوئی" لیکن باقاعدگی اور فن کی حیثیت سے انیسویں صدی کی آخر میں ترقی شروع ہوئی۔ میتن دہلوی۔ عابد حسین لکھنوی۔ نے ماتم۔ روایت اور نوحہ گوئی شروع کی۔ نفیس۔ مونس۔ اوج جیسے اساتذہ فن نے اسے اپنایا" (دعا گاہ ص۲۰) "موجودہ طرز نوحہ خوانی کا آغاز مولانا سید عابد صاحب جھبن نے کیا علمائے لکھنؤ نے روایت و مکالمہ کو پسند نہ فرمایا انھوں نے بعض شاعروں کو شاعرانہ

تخیلاتی مضامین کا انتساب آل محمدؑ کی طرف سے منع فرمایا چنانچہ مرزا محمد ہادی عزیز و آغا شاعر قزلباش اور ان کے معاصرین نے نیا طریقہ اختیار کیا۔ "زدضاکار"[۲۱] ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ ایجی ٹیشن کے بعد شعراء نے تبلیغی نوحے شروع کیئے جو اس وقت تک رائج ہیں اور عام طور سے پسند کیئے جاتے ہیں۔

اصطلاحات نوحہ خوانی

۱۔ بیاض۔ نوحے کی کتاب کو کہتے ہیں جس میں منتخب نوحے شعرا کے درج ہوں۔ یا کسی ایک شاعر کے مطبوعہ نوحے ہوں۔

۲۔ صاحب بیاض۔ وہ شخص جو بیاض لے کر پڑھے اور اس کے پڑھنے کے بعد اس کے ساتھی اس شعر کو دوبارہ پڑھیں۔

۳۔ ماتم۔ امام حسینؑ کے غم میں سینہ زنی کرنا۔

۴۔ ماتمی۔ وہ لوگ جو نوحہ پڑھتے ہوں اور ماتم کرتے ہوں۔

۵۔ ماتمی دستہ۔ نوحہ پڑھنے اور ماتم کرنے والوں کی جماعت

۶۔ نوحہ خوان۔ ماتم کرنے والا اور نوحہ پڑھنے والا۔

۷۔ کفنی۔ ایک طرح کا کرتہ جس کا سینہ چاک ہوتا ہے اور نوحہ پڑھنے والے اس کو پہن لیتے ہیں۔

۸۔ سینہ زنی۔ غم امام حسینؑ میں ماتم کرنا۔

۹۔ زنجیری ماتم:۔ بہت سی زنجیریں ایک لکڑی کے دستہ میں لگائی جاتی ہیں اور ہر زنجیر میں ایک دھار دار پھل لگا ہوتا ہے۔ اس سے بعض لوگ ماتم کرتے ہیں۔

۱۰۔ قمع کا ماتم۔ وہ ماتم جو تلوار سے کیا جائے۔ جوش عقیدت میں لوگ اپنے سروں پر تلواریں مارتے ہیں اور ہائے حسینؑ ہائے حسینؑ کی صدا بلند کرتے

رہتے ہیں۔

۱۱۔ آگ کا ماتم۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں جب ایرانی برما سے بھاگ کر ہندوستان آئے تو کافی ایرانی لکھنؤ میں آکر مقیم ہوئے اور انھوں نے پہلی بار ۱۳۶۲ھ میں آصفی امام باڑہ میں آگ پر ماتم کیا جس کو دیکھنے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے اور آگ پر ماتم کا منظر دیکھکر لوگ بہت متاثر ہوئے اس کے بعد سے اس ماتم کا رواج ہو گیا اور اب ہندوستان کے ہر حصے میں ہوتا ہے۔

۱۲۔ ماتم چھنچھنی۔ ماتمی لوگ بجائے سینہ زنی کرنے کے دونوں ہاتھوں میں ایک خاص وضع کی بنی ہوئی گول لکڑی کو ایک دوسرے پر اس عنوان سے لگاتے ہیں کہ اس سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس پر اگر غور کیا جائے تو حسینؑ حسینؑ کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

۱۳۔ انجمن۔ ایک ایسی جماعت جو چند لوگوں کو شامل کر کے کسی خاص مقصد کے لیے بنائی جائے۔ موجودہ زمانہ میں انجمن کا لفظ اصطلاحاً نوحہ پڑھنے والی جماعت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور انھیں کو ماتمی دستہ بھی کہتے ہیں۔

۱۴۔ شب بیداری۔ اصل معنی تو رات کے جاگنے کے ہیں مگر عزاداری کی اصطلاح میں جہاں شب بھر نوحہ خوانی۔ ماتم۔ اور مجلس ہوتی رہیں۔ اس کے لیے مستعمل ہے۔

رواسم عزا

۱۔ تربت۔ واقعہ کربلا کے بعد ایک عرصہ تک قبر مطہر امام حسینؑ پر کوئی عمارت نہ تھی مگر لوگ زیارت کے لیے آتے رہتے تھے اور یہاں کی مٹی اپنے ساتھ لے جاتے اور قبر کی نقل بنا کر اپنے گھروں میں رکھتے تھے جب تعزیہ و ضریح بنے

تو اس میں بھی تربت بنائی گئی تاکہ قبر کی علامت رہے۔ اس وقت بھی ضریحیں جو مستقلاً امام باڑوں میں رکھی رہتی ہیں ان میں یکم محرم کو کاغذ کی تربت چھوٹی سی بنا کر رکھدی جاتی ہے اور عاشور کو دفن کردی جاتی ہے۔

۲۔ تابوت۔ قبر کی نقل ہے خوبصورت بنانے کے لیے اس پر چھتری وغیرہ لگائی جاتی ہے۔ تابوت مختلف حضرات سے منسوب ہوتے ہیں۔

۳۔ تعزیہ۔ اس کے معنی تو تسلّی دینے کے ہیں اب یہ عزاداری کا خاص علامتی نشان ہے اور محرم میں ہر عزاخانہ میں ضرور رکھا جائے گا۔ جب قبر حسینؑ پر روضہ تعمیر ہوگیا اس وقت سے موجودہ طریقہ گنبد دار تعزیہ بنانے کا رائج ہوا۔ عام طور سے یہ مشہور ہے کہ تعزیہ ہندوستان میں تیمور لایا اور اسی نے رواج دیا مگر بعض مورخین لکھتے ہیں کہ سب سے پہلا تعزیہ ہندوستان میں ہمایوں بادشاہ کے لیے بیرم خاں کربلائے معلی سے زمرد کا بنوا کر لائے جو بالکل روضہ کی شکل کا تھا جس کی زیارت صرف شاہی متعلقین ہی کر سکتے تھے۔ عام رواج تعزیہ کا لکھنؤ سے شروع ہوا نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے میں سب سے پہلے ایک سبزی فروش نے بانس اور کاغذ کا تعزیہ بنایا جس کو وہ شہر میں گشت کراتا تھا اور بعد کو یہ تعزیہ امام باڑہ آغا میر باقر میں رکھا جاتا جس کی زیارت کے لیے لوگ آیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح تعزیہ داری کی ترقی ہوئی بانس و کاغذ کے علاوہ اور بھی مختلف چیزوں سے تعزیے بنائے جاتے ہیں۔

۴۔ ضریح۔ لغوی معنی قبر کے کٹہرے کے ہیں یہ بھی تعزیہ کی ایک قسم ہے۔ روضۂ امام حسینؑ تعمیر ہونے کے بعد قبر مطہر پر جنگلہ لگایا گیا لہذا اس کی نقل شروع ہوئی اور مختلف ڈیزائن کی ضریحیں بننے لگیں۔ بہت سے عزاخانوں میں چاندی و موم وغیرہ کی ضریحیں رکھی جاتی ہیں۔

۵۔ مہندی۔ ایک ضعیف روایت ہے کہ جناب قاسم کی شادی کربلا کے میدان میں ہوئی عرب میں قاعدہ تھا کہ جس اونٹ پر عروس شوہر کے گھر آتی تھی اس پر ایک عماری سج کر رکھی جاتی جس پر دولہا دولہن سفر کرتے جو محمل کی شکل کی ہوتی تھی اسی کی یادگار منانے کو مہندی کہا جاتا ہے اگرچہ اب علماء کے حکم کے بموجب سابق طریقہ باقی نہیں ہے۔ اور بجائے مہندی کے تابوت نکلتا ہے مگر عام طور سے لوگ مہندی کا جلوس کہتے ہیں۔

۶۔ ذوالجناح۔ امام حسینؑ کے گھوڑے کا نام ہے یہ گھوڑا رسول اللہؐ نے آپ کو عطا فرمایا تھا جس کو عوام دُلدُل کہتے ہیں اسی کی یاد میں دلدل بنایا جاتا ہے گھوڑے پر تمام ضروری سامان عمدہ قسم کا لگایا جاتا ہے اور گھوڑے کو زیور سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ پہلے چادر ڈالی جاتی ہے پھر زین اور زین پر عمامہ۔ ایک جانب تلوار دوسری جانب ڈھال لگائی جاتی ہے چادر پر جا بجا تیر لگائے جاتے ہیں اور سرخ رنگ چھڑک دیا جاتا ہے۔ جس سے خون کی علامت ظاہر ہوتی ہے۔

۷۔ علم۔ فوج حسینی کا نشان جو عزاخانوں اور امام باڑوں میں لگایا جاتا ہے اور تعزیوں کے جلوس میں اس کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے جس طرح تعزیہ امام حسینؑ کی طرف منسوب ہے اسی طرح علم حضرت عباسؑ کی طرف منسوب ہے سامان عزا کے سلسلہ میں معز الدولہ دیلمی سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے عزاخانوں میں علم دکھوائے اور اس کی تقلید اب ہر جگہ ہوتی ہے۔

الف۔ علم کئی طرح کے ہوتے ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ علم۔ جو بانس کی پھریرے لگائے جاتے ہیں اور ان کے سائز مختلف ہوتے ہیں

۲۔ وہ علم جو عزاخانوں میں اونٹ پر یا دیواروں پر لگائے جاتے ہیں۔

۳۔ نشان۔ پنجہ کے بجائے ایک بڑا علم لگایا جاتا ہے اور اس میں صرف پھریرا

ہوتا ہے۔

۴۔ بیرق۔ پنجہ کے بجائے اس میں ایک گول گنبد دار چیز لگائی جاتی ہے اور پھریرا و گلوبند ٹکتا ہے۔ اس کا رواج ہندوستان میں بہت کم جگہوں پر ہے۔ البتہ عراق میں عام طور سے جلوس میں زیادہ تر یہی ہوتی ہیں۔

ب۔ علم وغیرہ میں حسب ذیل سامان لگایا جاتا ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ کل چیزیں ہر ایک میں لگائی جائیں صاحب عزا جن چیزوں کو مناسب خیال کرتا ہے ان سے آراستہ کرتا ہے۔

۱۔ پنجہ۔ یہ سونے۔ چاندی۔ تانبے وغیرہ کے مختلف ڈیزائن کے ہوتے ہیں

۲۔ مشک۔ یہ چمڑے یا کپڑے کی ہوتی ہے جو پنجہ میں باندھ دی جاتی ہے

۳۔ تیر۔ مشک پر دو تیر لگائے جاتے ہیں۔

۴۔ پھریرا۔ باریک سادے یا بھولدار کپڑے کا ہوتا ہے اور علم کی چھڑ پر چڑھایا جاتا ہے۔

۵۔ ٹپکہ۔ یہ عموماً عمدہ قسم کے کپڑے کا بنتا ہے اور بہت سے لوگ کارچوبی کام کا لگاتے ہیں جو پنجہ میں باندھا جاتا ہے۔

۶۔ گلوبند۔ پنجہ میں ٹپکہ باندھنے کے بعد اوپر لپیٹ دیا جاتا ہے۔

۸۔ بستر امام زین العابدینؑ۔ واقعہ کربلا کے وقت آپ علیل تھے لہذا بعض مقامات پر بستر بھی اسی کی یاد میں رکھا جاتا ہے۔

۹۔ جھولا۔ حضرت علی اصغرؑ چونکہ چھ ماہ کے تھے اور جھولے میں رکھے جاتے تھے اس وجہ سے عزاخانوں میں جھولا رکھا جاتا ہے اور جلوس میں بھی ہوتا ہے۔

۱۰۔ ممبر۔ لکڑی کا ایک خوبصورت زینہ جس پر بیٹھ کر ذاکرین بیان فرماتے ہیں جو مختلف ڈیزائن کے ہوتے ہیں جناب رسولخدا نے اس کو ایجاد کیا اور

پہلے زینہ پر بیٹھکر وعظ فرماتے تھے جس کو عرشہ کہتے ہیں اب عموماً ذاکرین عرشہ کے بعد کے زینہ پر بیٹھتے ہیں۔

۱۱۔ شبیہ۔ وہ چیز جو بالکل اصل کے مطابق ہو آج کل ان تبرکات کو کہتے ہیں جو جلوس یا مجلس میں واقعہ کربلا کے سلسلہ میں نکالے جائیں۔

۱۲۔ عماری یا محمل۔ اونٹ کا ہودج جو مختلف طرح کے ہوتے ہیں انکو اونٹ پر کسا جاتا ہے چونکہ عرب میں اونٹ ہی پر سفر ہوتا تھا اور امام حسینؑ کے قافلہ میں اونٹوں پر بی بیاں مدینے سے کربلا گئی تھیں اور بعد رہائی اہل حرم اونٹوں ہی پر عماریوں میں بیٹھکر مدینہ واپس ہوئی تھیں اسی بنا پر عماری کو بطور یادگار جلوس عزا میں شامل کیا جاتا ہے۔

۱۳۔ تبرک۔ وہ چیز جو بعد مجلس حاضرین کی خدمت میں پیش کی جائے۔ اس میں عموماً شیرینی، نمکین، کھانا، شربت، چائے وغیرہ میں سے کوئی ایک چیز یا اس سے زائد جیسی خوشی ہو تقسیم کی جاتی ہے۔

۱۴۔ لنگر۔ وہ کھانا جو مجلس میں تشریف لانے والے حضرات کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

۱۵۔ سبیل۔ امام حسینؑ اور رفقاء چونکہ کربلا کے میدان میں بھوکے پیاسے شہید ہوئے۔ لہذا بہت سے لوگ ٹھنڈے پانی، شربت، چائے، وغیرہ کی سبیلیں ایام عزا اور خاص کر محرم و چہلم میں رکھتے ہیں اور لوگوں کو پلاتے ہیں۔

۱۶۔ ملیدہ۔ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے توڑ کر اس میں شکر اور گھی ملایا جاتا ہے اور محرم میں نذر دی جاتی ہے۔

۱۷۔ حاضری۔ شیرمال اور حلوے پر عموماً حضرت عباسؑ کی نذر ۸ محرم کو ہوتی ہے۔ اور بہت سے لوگ مختلف اشیاء پر نذر دلواتے ہیں اس کھانے پر نذر کی خصوصیت

تمام شہدا میں حضرت عباسؑ سے منتعلق ہے۔

۱۸۔ حلوہ۔ محرم میں شہدائے کربلا کی نذر کے لیے بنایا جاتا ہے۔

۱۹۔ کھچڑا۔ اس میں گندم۔ جو اور دالیں ہوتی ہیں اس کو پکاکر نذر شہدائے کربلا ہوتی ہے اور لوگوں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔

۲۰۔ ست نجا۔ سات اجناس کا مجموعہ۔ چونکہ بعد شہادت حسینؑ فوج یزید نے خیمہ گاہ میں آگ لگادی تھی جس کی وجہ سے کل غلہ جل گیا تھا اور جب وہ جمع ہوا تو سب ایک ہی میں مل گیا تھا جس کو بعد میں اہلبیتؑ نے بھوک کی شدت میں استعمال کیا اسی کی پیروی آج بھی کی جاتی ہے۔ اور لوگ کھاتے ہیں۔

۲۱۔ فاقہ شکنی۔ عاشور کے دن صبح سے لے کر تا عصر لوگ فاقہ سے رہتے ہیں اور بعد عصر مجلس ہوتی ہے اس کے بعد شربت و کھانے پر نذر شہدائے کربلا دی جاتی ہے۔ اس وقت سب لوگ فاقہ توڑتے ہیں۔ اس کھانے میں عموماً جو کی روٹی ایک قسم کا ساگ مسور کی دال ہوتی ہے کوئی لذیذ کھانا نہیں ہوتا ہے اور ست نجا بھی ہوتا ہے بعصر کو ضرور فاقہ شکنی کی جاتی ہے تاکہ روزہ کا اطلاق نہ ہو کیونکہ عشرہ کو روزہ رکھنا درست نہیں۔

۲۲۔ نیاز کی چیز۔ جس پر زمانہ محرم میں شہیدوں کی نذر ہوتی ہے اور وہ لوگوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ محرم کے علاوہ بھی دوران سال میں مختلف موقعوں پر حضرات ائمہ علیہم السلام کی نذر ہوتی ہے۔

۲۳۔ ناڑہ۔ سرخ اور سبز رنگ سے رنگے ہوئے تاگوں کی لچھی جو بہت سے لوگ زمانہ محرم میں گلے میں پہنتے ہیں۔ حضرت جبرئیل عید کے دن انھیں دو رنگوں کے کپڑے لائے تھے۔ امام حسنؑ نے سبز پسند فرمایا تھا اور امام حسینؑ نے سرخ رنگ اسی مناسبت سے یہ دونوں رنگ مقرر کیے گئے اور یہ ناڑہ اس رسی کی نقل

بھی قرار دیا جاتا ہے جس میں اسیران کے گلے اور شانے باندھے گئے تھے عشرہ کے
دن تعزیہ کے ساتھ یہ ناڑہ دفن کردیا جاتا ہے۔

۲۴۔ قصابہ۔ ایک کپڑا جو بچوں کے ماتھے پر باندھ دیا جاتا ہے اور عشرہ کے
دن کھولا جاتا ہے۔

۲۵۔ بیڑی و طوق۔ چونکہ امام زین العابدینؑ کو اشقیا بعد شہادت امام حسینؑ
بیڑی و ہتکڑی و طوق پہنا کر شام لے گئے تھے۔ اسی جذبے کے تحت بعض مستورات
اپنے بچوں کو ایک معینہ مدت تک چاندی کی بیڑی وغیرہ پہناتی ہیں اور بعد ختم مدت
ان بیڑیوں کو فروخت کردیا جاتا ہے اور حاصل شدہ رقم سے شربت وغیرہ پر
نذر کرائی جاتی ہے۔ بیڑی و طوق پہنانے کو قیدی بنانا بھی کہتے ہیں۔ یہ لوہے کی
بھی ہوتی ہیں۔

۲۶۔ سبزی۔ وہ کرتہ جو ایام محرم میں سبز رنگ کر پہنا جاتا ہے اس کی
مدت مقرر ہوتی ہے

۲۷۔ سقاء۔ مستورات لڑکوں کی سلامتی کے لیے ایک محدود زمانے تک کے لیے سقاء
بنانے کی نذر کرتی ہیں اور ہر محرم کو یہ رسم ادا کی جاتی ہے لڑکے کو وہ لباس پہنایا جاتا
ہے جو عام طور سے سقاء پہنتے ہیں اور مشک میں شربت بھرا جاتا ہے جو تقسیم ہوتا ہے۔

۲۸۔ فقیر۔ بچوں کی طول عمری کے لیے ان کو فقیر بنایا جاتا ہے اور وہ لوگوں سے امام
کے نام پہ بھیک مانگتے ہیں۔

۲۹۔ منت کا چھلا۔ مستورات ایک چاندی کا چھلا بچوں کے گلے میں پہناتی ہیں جو
۱۰ محرم کو اتار لیا جاتا ہے یہ تاگے میں ڈالکر پہنایا جاتا ہے۔

۳۰۔ سہرا۔ سہرا یا پھولوں کا سہرا ایام ۶-۱۰ میں تعزیہ و ضریح تعزیہ اور
علم پر چڑھاتے ہیں یا جب کوئی منت پوری ہوتی ہے اس وقت نذر کرتے ہیں و

سہرا چڑھاتے ہیں۔

۳۱۔ پھولوں کی چادر۔ پھولوں کو تاگے میں گوندھ کر ایک لڑ تیار کی جاتی ہے اور اس کے بعد کئی لڑیں جوڑائی میں ایک تاگے میں جوڑ دی جاتی ہیں جس کو چادر کہتے ہیں یہ تابوت و ذوالجناح پر ڈالی جاتی ہے۔

۳۲۔ پیک۔ قاصد۔ نامہ بر۔ نذر پوری ہونے پر ایک مقررہ مدت تک جس کے لیے نذر کی گئی ہو وہ ایک مخصوص لباس پہنتا ہے اور دوڑتا ہوا چلتا ہے اور شب عاشور و تا دفن تعزیہ وہ سوتا نہیں ہے۔

۳۳۔ غار چھانہ۔ غار اس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں تعزیہ دفن کیا جاتا ہے اس کو بعض جگہ چھاتے ہیں یعنی منت پوری ہونے پر شیرمال یا روٹی یا شیرینی کو غار پر بچھا دیتے ہیں اور جس کو منت ماننا ہوتا ہے وہ اس کو اٹھا لیتا ہے اور جب اس کی منت پوری ہوتی ہے تو وہ اسی چیز کو لاکر نذر دیگر غار پہ بچھا دیتا ہے۔

۳۴۔ ممبر بھرنا۔ منت پوری ہونے پر شیرینی یا کسی دوسری چیز سے ممبر چھپایا جاتا ہے یعنی اس پر وہ چیز بچھا دی جاتی ہے

عمارات مقدسہ

۱۔ امام باڑہ۔ وہ خاص عمارت جو تعزیہ داری کے واسطے بنائی گئی ہو اسی کو حسینیہ بھی کہتے ہیں ایام محرم میں خاص اہتمام کے ساتھ اس کو آراستہ کیا جاتا ہے اس میں تعزیہ۔ علم۔ وغیرہ رکھے جاتے ہیں اور ایام محرم و دوران سال میں مجلسیں ہوتی رہتی ہیں۔

۲۔ عزاخانہ۔ وہ مکان جس میں رسوم عزا انجام دی جائیں اور سامان عزا لگایا جائے یعنی تعزیئے وعلم وغیرہ رکھے جائیں اور محرم میں مجلسیں ہوں۔

۳۔ چوک۔ اس چبوترہ کو کہتے ہیں جس پر شب عاشور تعزیہ بغرض زیارت رکھا جاتا ہے۔

۴۔ درگاہ۔ اس مخصوص عمارت کو کہتے ہیں جس کا مشہور تعلق حضرت عباسؑ سے ہے۔

۵۔ کربلا۔ عراق کے ایک شہر کا نام جہاں شہادتِ امام حسینؑ واقع ہوئی مگر ہندوستان میں عموماً اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں تعزیئے دفن ہوتے ہیں یا کوئی مخصوص روضہ امام حسینؑ کے روضہ کی شکل میں بنایا گیا ہو۔

۶۔ روضہ۔ وہ مخصوص عمارت جو کسی نبی یا امام یا مقرب بارگاہ الٰہی بندوں کی قبر کے اوپر ان کی یادگار قائم کرنے کے لیے بنائی جائے۔ غیر عرب ممالک میں ان کی نقلوں کو بھی بغرض حصول برکت بنا کر روضہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

عزا کے خاص ایام کی تشریح

۱۔ نوچندی۔ ہر قمری ماہ کے پہلے پنجشنبہ کو نوچندی کہتے ہیں اس کو اہمیت اس لیے دی گئی ہے کہ امام حسینؑ دوسری محرم پنجشنبہ کو وارد کربلا ہوئے تھے اسی کی یاد کو باقی رکھنے کے لیے نوچندی کو خاص طور سے مجلسیں اور ماتم برپا کیا جاتا ہے اور علم وغیرہ مخصوص مقامات پر جاتے ہیں۔

۲۔ شبِ جمعہ۔ اس کو اس لئے قائم کیا گیا کہ شب عاشور شب جمعہ تھی جس رات کو عبادت کے لیے امام حسینؑ نے مہلت حاصل کی تھی حضرت اور آپ کے جان نثار تمام رات عبادتِ خدا میں مشغول رہے اسی سبب سے شب جمعہ میں زیارت امام حسینؑ کا پڑھنا مستحب ہے مجلس بھی کی جاتی ہے۔ اس شب کے بے حد فضائل ہیں۔

۳۔ ایام عزا۔ یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک کے زمانے کو غم کے ایام بھی کہتے

ہیں اس زمانہ میں خوشی کا کوئی کام نہیں کیا جاتا ہے۔

۴۔ چاند رات۔ ہر ماہ کے قمری ماہ کی شب اول کو کہتے ہیں مگر یہ اصطلاح محرم کے چاند کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کیونکہ محرم کا چاند دیکھکر عزاخانوں میں مجلس وغیرہ شروع ہو جاتی ہیں اور محرم کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

۵۔ دوسری محرم۔ اسی تاریخ کو امام حسینؑ معہ اہل وعیال کے کربلا پہونچے بہت سے مقامات پر لوگ دوسری کو تعزیئے لاکر رکھتے ہیں۔

۶۔ سات محرم۔ حسینی قافلے پر پانی بند کیا گیا اور فرات پر پہرا لگا دیا

۷۔ آٹھ محرم۔ حضرت عباسؑ سے مخصوص قرار پائی ہے اور اس تاریخ میں حضرت عباس کی نذر ہوتی ہے جس کو حاضری کہتے ہیں۔

۸۔ نو محرم۔ لشکر مخالف سے پیغام جنگ آیا جس پر ایک شب کی مہلت امام نے طلب کی۔

۹۔ شب عاشور۔ محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کی درمیانی رات۔ اس کو شب شہادت بھی کہتے ہیں۔ اس شب کو امام مظلوم اور ان کے ناصران نے عبادت خدا میں صرف کیا۔

۱۰۔ یوم عاشور۔ ماہ محرم کی دسویں تاریخ امام حسینؑ کی شہادت کا دن۔ اسی دن کو عشرہ بھی کہتے ہیں۔

۱۱۔ شام غریباں۔ بعد شہادت امام حسینؑ اشقیاء نے خیموں کو لوٹا آگ لگائی سیدانیوں کے سروں سے چادر چھینی جس قدر مظالم اور اذیتیں دے سکتے تھے وہ سب کیں اور جب سب مال و اسباب لوٹ کر اپنے خیموں کی طرف چلے گئے اس وقت جناب زینبؑ نے بچوں کو تلاش کر کے ایک جگہ جلے ہوئے خیموں کے پاس جمع کیا اور خود نیزہ لے کر طلایہ پھرتی رہیں۔ کیونکہ مردوں میں

علاوہ بیمار امام کے کوئی نہ تھا اسی درمیان زوجہ حرؑ کچھ کھانا و پانی بیکسوں کے لئے پردہ شب میں لے کر آئی اسی وجہ سے یہ شام مشہور ہوئی اسی شب میں نیز بعد کی دو راتوں میں تعزیہ دار مقام دفن تعزیہ پر جا کر وہاں روشنی اور مجلس و ماتم وغیرہ کرتے ہیں۔

۱۲۔ سیوم شہدائے کربلا۔ رسم کے بموجب مرنے والے کا سیوم دفن کے تیسرے دن ہونا چاہیئے لیکن کربلا کے مرنے والوں کا سیوم جس دن ہونا چاہیئے تھا اس تاریخ کو لاش ہائے شہدائے کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر بیگور و کفن پڑے ہوئے تھے سیوم کرنے والے تو قید میں تھے مگر اسی دن قبیلۂ بنی اسد کے لوگوں نے آکر لاش ہائے شہدا دفن کئے اور امام زین العابدینؑ نے باعجاز آکر نماز پڑھی۔

۱۳۔ چہلم شہدائے کربلا۔ ۱۰ محرم سے چالیس دن کے بعد ۲۰ صفر کو امام مظلوم و دیگر شہدائے کربلا کا چہلم ہوتا ہے۔ اس دن بعض جگہوں پر بڑے بڑے جلوس نکلتے ہیں۔ مجلسیں ہوتی ہیں۔ انجمنیں ماتم کرتی ہوئی خاص مقامات پر جاتی ہیں۔ شہدائے کربلا کا پہلا چہلم اہل حرم کو قید خانہ میں ہوا البتہ دوسرا چہلم بعد رہائی قید شام کربلا میں ہوا۔ اس وقت جو لوگ محرم کے رسومات کو انجام دیتے ہیں وہ چہلم بھی کرتے ہیں جہاں تعزیئے محرم میں دفن نہیں ہوتے وہ چہلم کے دن عموماً دفن کرتے ہیں۔

۱۴۔ ۲۸ صفر۔ یوم رحلت جناب رسولؐ خدا اور شہادت امام حسنؑ ہے اس دن عام طور سے مجلسیں ہوتی ہیں اور اکثر مقامات پر تابوت نکالے جاتے ہیں۔

۱۵۔ ۸ ربیع الاول۔ یہ ایام ۶۰ کا آخری دن ہے اور اسی دن کاظمین لکھنؤ

میں بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے اور لکھنؤ کا مشہور چپ تعزیہ دفن ہونے کے بعد سیکڑوں انجمنیں شہر و بیرونجات کی آتی ہیں اور اسی شام کو سوگ بڑھایا جاتا ہے۔

۱۶۔ ۲۰ جمادی الثانی۔ یہ تاریخ وفات جناب فاطمہ زہرا بنت حضرت رسولؐ خدا صلعم ہے اس تاریخ کو مجلسیں ہوتی ہیں اور شب میں خاص خاص جگہوں پر تابوت بھی نکلتا ہے۔

۱۷۔ شبیں۔ ۱۹، ۲۱، ۲۳ رمضان المبارک کی ان شبوں میں اعمال شب قدر ہوتے ہیں اور چونکہ شب ۱۹ رمضان کو حضرت علیؑ کے ابن ملجم نے خنجر مارا جس کی وجہ سے آپ کی شہادت ۲۱ رمضان کو ہوئی شہادت کی وجہ سے ۱۹ لغایۃ ۲۱ رمضان کا زمانہ شبوں کے نام سے موسوم ہے ان ایام میں کوئی خوشی کا کام نہیں کیا جاتا ہے۔

۱۸۔ یوم غم۔ ۸ شوال ۱۳۴۴ھ کو ابن سعود حاکم حجاز نے جنت البقیع کا مشہور قبرستان جو مدینہ منورہ میں ہے اس کے اندر جناب فاطمہؑ۔ امام حسنؑ۔ امام زین العابدینؑ۔ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے روضوں کو منہدم کرادیا اور نشان قبر تک مٹوادیا جس کی وجہ سے شیعہ قوم نے بیحد احتجاج کیا اور اسی یاد کو تازہ کرنے کے لیے ہر سال ۸ شوال کو یوم غم منایا جاتا ہے اس احتجاج کا صرف اس قدر اثر ہوا کہ قبر کے نشان پتھر کے موٹے موٹے ٹکڑے رکھکر بنا دیئے گئے ہیں۔

۱۹۔ ۹ ذی الحجہ۔ حضرت مسلم کی شہادت کوفہ میں ابن زیاد کے حکم سے ہوئی اور یہیں سے محرم کی عزا کی ابتدا ہوتی ہے کیونکہ آپ بحیثیت سفیر امام حسینؑ کوفہ تشریف لے گئے تھے۔

نذر دوران سال

وہ مخصوص یادگار تاریخیں جن کا تعلق معصومین علیہم السّلام سے ہے عقیدت مندانہ حیثیت سے ان کے ماننے والے ان تاریخوں میں اہتمام کے ساتھ شربت یا شیرینی یا کھانے پر نذر کرتے ہیں جس میں دُرود کے بعد قرآن کے سوروں کی تلاوت کی جاتی ہے اور اس کا ثواب اسی مخصوص بزرگ ہستی کو ایصال کیا جاتا ہے جس سے وہ تاریخ منسوب ہوتی ہے اس کے علاوہ ہر نوچندی کو پنجتن پاکؑ و حضرت عباسؑ کی نذر دلوائی جاتی ہے مخصوص تاریخہائے نذر حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ہر معصوم کی ولادت و شہادت کی تاریخ میں نذر ہوتی ہے۔

۲۔ زیادہ مشہور و معروف تاریخیں حسب ذیل ہیں۔

الف۔ ۱۷ ربیع الاول یوم ولادت جناب رسولخداؐ

ب۔ ۲۰ جمادی الثانی جناب معصومہ فاطمہ زہرا کی یوم پیدائش۔

ج۔ ۲۲ ر " دسترخوان امام حسنؑ یوم اظہار اعجاز حضرت ہے لوگ منتیں مانتے ہیں کامیابی پر دسترخوان کرتے ہیں

د۔ ۱۳ رجب المرجب یوم ولادت حضرت علیؑ

ہ۔ ۲۲ رجب۔ یہ بھی ایک مخصوص اور مقبول نذر بہ اتفاق مسلمین ہے حاجت برادی کے لیے نہایت کامیاب ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے کسی کو اس کی حاجت پوری ہونے کے لیے اس دن نذر کی ہدایت فرمائی تھی اور بہ اعجاز امام اپنی مراد کو پہونچا اس وقت سے حاجتمندوں نے اس پر عمل کر کے امام کے فیض سے فائدہ حاصل کیا۔

و۔ ۲۷ رجب یوم بعثت رسول اللہ ہے اس دن بھی نذر ہوتی ہے اور اسی تاریخ کی شب میں معراج ہوئی۔

ز۔ ۳ شعبان۔ یوم ولادت باسعادت جناب امام حسین علیہ السلام۔

ح۔ ۱۵ شعبان۔ یوم ولادت امام آخرالزمانؑ

ط۔ ۱۵ رمضان یوم ولادت امام حسنؑ۔

ی۔ ۱۸ ذی الحجہ یوم غدیر ہے۔

ک۔ ۲۱ مارچ کو نوروز منایا جاتا ہے اس دن حضرت علیؑ کی نذر ہوتی ہے۔

۳۔ مندرجہ بالا تاریخوں کے علاوہ بھی بہت سے لوگ مختلف اوقات میں نذر وغیرہ دلوایا کرتے ہیں مثلاً عید۔ بقرعید۔ شبرات۔ سالگرہ۔ ختم کلام پاک اور مرحومین کے فاتحہ کے ساتھ نذر ائمہ اطہار بھی ہوتی ہے۔

چند مخصوص الفاظ متعلق عزا

۱۔ تعزیہ

الف۔ تعزیہ اٹھانا۔ تعزیہ کو کسی معینہ مقام سے اٹھا کر لے جانا۔

ب۔ تعزیہ رکھنا۔ امام باڑہ۔ عزا خانہ یا کسی مخصوص جگہ پر لا کر رکھنا۔

ج۔ تعزیہ ٹھنڈا کرنا۔ زمین میں دفن کرنا یا دریا یا تالاب میں ڈالنا۔

د۔ تعزیہ سرانا۔ تعزیہ کو دریا یا تالاب وغیرہ میں ڈالنا۔

۲۔ علم ٹھنڈا کرنا۔ جب تعزیہ مقام دفن پر پہنچ جاتا ہے اس کے بعد علم جو تعزیہ کے ساتھ ہوتے ہیں وہ اتار دیئے جاتے ہیں اسی کو علم ٹھنڈا کرنا کہتے ہیں علم بڑھانا بھی کہتے ہیں۔

۳۔ غار پر پانی و گلاب چھڑکنا۔ مسلمانوں میں میت کو دفن کرنے کے بعد قبر

پر پانی چھڑکنا سنت ہے اس لیے تعزیہ پر پانی و گلاب وغیرہ ڈالا جاتا ہے۔

۴۔ مجلس

الف۔ صفِ ماتم۔ وہ فرش جس پر ماتم کرنے والے مجلس کیلئے بیٹھیں۔

ب۔ بزمِ عزا۔ ماتم پرسے کے لیے لوگ جہاں جمع ہوں یہ لفظ مجلس کے لیے بولا جاتا ہے۔

ج۔ سامعین۔ مجلس کو سُننے والے۔

د۔ صلوات۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیے اللہ سے طلبِ رحمت کرنا اور اسی کو دُرود بھیجنا بھی کہتے ہیں۔

ہ۔ مصائب۔ کسی کی مصیبت جب بیان ہوتی ہے تو لوگ متاثر ہوکر رونے لگتے ہیں۔ اس کے مختلف نام ہیں۔

۱۔ بکا۔ رونا۔

۲۔ بین۔ مرے ہوئے کی خوبیاں بیان کرکے رونا۔

۳۔ پٹس پڑنا۔ مجلس میں باآوازِ بلند رونا۔

۴۔ رقت ہونا۔ مجلس میں خوب رونا۔

۵۔ گریہ۔ رونا۔

و۔ دورہ کی مجلس۔ دورانِ محرم جو چھوٹی چھوٹی مجلسیں عزاخانوں وغیرہ میں اس طریقہ سے ہوتی ہیں کہ ایک جگہ سے اٹھکر مومنین دوسری جگہ شرکت کے لیے جاتے ہیں یہ مجلسیں عموماً بہت تھوڑے وقت میں ختم ہوجاتی ہیں جن میں ذاکر بھی زیادہ تر مصائب ہی پڑھتے ہیں۔

ز۔ مجالسِ انجمن۔ مراد تبلیغی مجالس۔ تبلیغی مجالس اب عام طور سے ان بستیوں میں ہونے لگی ہیں جہاں پر شیعوں کی آبادی ایک جگہ یا آس

پاس ہوں اس کی ابتدا ۱۹۲۵ء میں فیض آباد سے ہوئی اور اس کے محرک سید محمد مہدی صاحب تسکین وکیل تھے جو موضع اہرولی سادات، ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے۔ موصوف نے ایک انجمن خدام المجالس کے نام سے قائم کی جس میں قرب و جوار کے اضلاع کے لوگ بڑے انہماک سے شریک ہوتے اور اب تو سیکڑوں انجمنیں قائم ہوگئیں ہیں اور عمدہ عمدہ چوٹی کے ذاکرین و واعظین مدعو ہوتے ہیں اور اپنے وعظ سے مسائل شرعی و خصائل ائمہ اطہار بیان کرکے لوگوں کو روشناس کراتے ہیں جس کی وجہ سے کافی فائدہ قوم کو پہونچتا ہے۔

ح۔ انیسیئے۔ دبیریئے۔ مرزا دبیر اور میر انیس یہ دونوں حضرات لکھنؤ کے مشہور مرثیہ گو گذرے ہیں اور ان دونوں حضرات کی شاعری میں نوک جھونک ہوا کرتی تھی۔ اہل شہر لکھنؤ نے اس کو خوب ہوا دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میر انیس کے طرفدار مرزا دبیر کی مجلس میں شریک نہیں ہوتے تھے اور مرزا صاحب کے ماننے والے میر انیس کی مجلس میں شرکت کرنا ایک طرح کا اخلاقی جرم خیال کرتے تھے اور اسی طرح سے میر صاحب کے ہمدرد انیسیے اور مرزا صاحب کے ماننے والے دبیریئے کہلاتے ہیں اگرچہ جب یہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے تھے تو ایک دوسرے کا بے حد احترام و تعظیم کرتے۔ جب میر صاحب کا انتقال ہوا تو مرزا صاحب نے ایک تاریخ کہی اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مرزا صاحب پر کیا اثر میر انیس مرحوم کی موت کا ہوا۔ مصرع حسب ذیل ہے۔

طور سینا بے کلیم اللہ و ممبر بے انیس

۵۔ دیگر امور عزا

الف. ماتمی باجہ۔ وہ باجہ جو ماتم کرنے والوں کے لیے خاص طور سے جلوس عزا کے ساتھ ہوتا ہے اور عزا خانوں کے سامنے اوقات مخصوصہ میں بجتا ہے۔

ب. روشنی شب عاشور۔ مراسم عزا کو زینت دینے کے لیے دلکش بنانے کے لیے عوام کی توجہ ملتفت کرنے کے لیے اور ہمہ گیری حاصل کرنے کے لیے عزا داروں نے امام باڑوں وغیرہ میں اس کو رائج کیا جو عوام کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اور حسب دلخواہ ترقی عزا کا باعث ہوا۔

ج. جلوس عزا۔ واقعات کربلا کو عوام تک پہونچانے کے لیے اولاً انعقاد مجالس کیا گیا جو اس لیے ناکافی ثابت ہوا کہ اکثر طبقہ کے لوگ اس میں شرکت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے ان کو بھی اس غم سے روشناس کرانے کے لیے جلوس عزا نکالا گیا تاکہ بلا تخصیص عام طور سے ہر شخص ان مفید کارناموں سے مطلع کیا جا سکے۔ اسی وجہ سے جلوس تعزیہ۔ ضریح۔ علم وغیرہ نکالنے کا رواج قائم ہوا جس کے ذریعہ سے نمایاں ترقی عزا ہوئی۔

مقدس مقاماتِ زیارت

جن ممالک کا ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے ان مقامات مقدسہ کے متعلق مجھے جغرافیائی حالات یا وہاں کی موسمی کیفیت تفصیل سے بیان کرنا مقصود نہیں ہے صرف چند موٹی موٹی باتیں اس ملک کے متعلق بتا دینا ہیں اور جو شہر قابل زیارت ہیں ان کا حال مختصر سے مختصر لکھ کر اس کے بعد وہاں کی زیارت گاہیں لکھنا ہے۔

۱۔ حجاز۔ سعودی عرب۔ یہ حکومت صوبہ حجاز و صوبہ نجد مل کر سعودی عرب کے نام سے آج کل مشہور ہے۔ قبل میں اس کے مختلف نام تھے مگر اب اس قدیم عرب سلطنت کے بہت سے ٹکڑے ہو گئے ہیں اور اس کے علیحدہ علیحدہ نام ہیں۔ سعودی عرب کا رقبہ ۶۱۰۰۰ مربع میل ہے اور کل آبادی ساٹھ لاکھ ہے۔ اس کا دارالسلطنت ریاض ہے۔ یہاں کا سکہ ریال ہے۔ مشہور شہر جس میں زیارت گاہیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

الف۔ مکہ معظمہ۔ صوبۂ حجاز کا دارالسلطنت ہے۔ مسلمانوں کی مقدس زیارت گاہ ہے۔ آنحضرتؐ یہیں پیدا ہوئے حضرت اسماعیلؑ نے اس کو آباد کیا پہاڑوں کے وسط میں واقع ہے اس کو یزید بن معاویہ کے عہد میں خوب لوٹا لیا اور برباد کیا گیا۔

۱۔ خانہ کعبہ۔ بموجب حکم خداوند عالم جناب ابراہیمؑ۔ جناب اسماعیل نے یہ مقدس و محترم مکان بنانا شروع کیا جب دیواریں بلند ہو گئیں تو جناب ابراہیم نے ایک بڑے پتھر پر کھڑے ہو کر دیواروں کو بلند کیا جب تعمیر ختم ہوئی تو حکم خدا کے بموجب لوگوں کو طواف کرنے کی ہدایت کی۔ خانہ کعبہ مسجد الحرام کے وسط میں واقع ہے۔ مسجد کے اندر مختلف مقامات قابل زیارت ہیں بروقت ادائیگی فریضۂ حج اس کی زیارت سے حجاج مشرف ہوتے ہیں مثلاً چاہ زمزم۔ کوہ صفا و کوہ مروا۔ حجر اسود۔ مقام مولد حضرت علیؑ۔ حطیم۔ مقام ابراہیم۔ میزاب رحمت وغیرہ۔

۲۔ دیگر مشہور مقامات واقع مکہ و نیز بیرون مکہ معظمہ۔

کوہ ابو قبیس۔ مسجد بلال۔ مقام عرفات۔ جبل رحمت۔ قصر الحرام۔ مسجد نمرہ۔ مسجد خیف۔ مسجد کوثر۔ جمرہ اولیٰ۔ جمرہ وسطیٰ۔ جمرہ عقبیٰ۔ غار حرا۔ غار ثور

مولد آنحضرتؐ۔ بیت جناب خدیجہؑ۔ مقام ابو طالب۔ قبرستان مکہ جو جنت المعلیٰ کے نام سے مشہور ہے جس میں حسب ذیل حضرات کے قبور ہیں۔ جو مسمار کر دیئے گئے۔

جناب ہاشم۔ جناب عبد المطلب۔ جناب ابو طالب۔ جناب آمنہؑ جناب خدیجہ اس کے علاوہ بہت سے بنی ہاشم کے قبور ہیں۔

ب۔ مدینہ منورہ۔ پہلے اس کا نام یثرب تھا آنحضرت کی تشریف آوری کے بعد اس کا نام مدینہ ہوا اور بعد وفات رسول اللہ بہ عہد خلفائے اسلام مدینہ صدر مقام اور دار السلطنت قرار پایا بنی امیہ نے اس کو تاراج کیا اور ہر طرح سے اس کی بے حرمتی کی

مشہور مقامات قابل زیارت اندرون و بیرون شہر مدینہ طیبہ

۱۔ مسجد قبا۔ مدینہ منورہ کے بالکل قریب ہے۔ یہ پہلی مسجد ہے جو آنحضرت نے قبل مسجد نبوی کے تعمیر فرمائی۔

۲۔ مسجد نبوی۔ یہ مسجد رسولخدا نے مدینہ منورہ میں تعمیر فرمائی اس کے بعد مختلف زمانہ میں سلاطین وقت اس کی توسیع فرماتے رہے۔ اس وقت یہ بہت بڑی عالی شان عمارت ہے۔ اسی کے اندر روضہ آنحضرتؐ۔ خانہ جناب سیدہؑ۔ چبوترہ اصحاب صفہ اور بہت سی تاریخی چیزیں واقع ہیں۔

۳۔ جنت البقیع۔ یہ مدینہ کا قبرستان ہے اس میں جناب فاطمہؑ۔ جناب امام حسنؑ۔ جناب امام زین العابدینؑ۔ جناب امام محمد باقرؑ۔ جناب امام جعفر صادقؑ۔ جناب عبد اللہ بن جعفر طیار۔ ازواج و فرزندان آنحضرتؐ۔ مادر جناب عباسؑ ابن علیؑ۔ اصحاب رسول۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مشہور و معروف حضرات کے قبور ہیں جو سب منہدم کر دی گئی ہیں۔ صرف چند خاص خاص حضرات کی قبور پر پتھر کے ٹکڑے رکھوا کر ان کا نشان بنا دیا گیا ہے۔

۴. چند دیگر مشہور مقامات۔ مسجد ذو قبلتین۔ مسجد رجعت شمس۔ مسجد ماریہ قبطیہ۔ جبل احد۔ قبر جناب حمزہ۔ قبور شہدائے احد۔ مسجد غدیر (یہیں پر آنحضرت نے حضرت علیؑ کو بلند کر کے فرمایا تھا کہ لوگو! جن کا میں مولا ہوں اُن کے یہ علیؑ بھی مولا ہیں۔)

۲۔ عراق۔ ایران اور عرب کے درمیان یہ سلطنت واقع ہے اس کا قبل میں میسوپوٹامیہ نام تھا جس کا مطلب دو دریاؤں کا میدان ہے دریائے دجلہ و فرات آرمینا پہاڑ سے نکل کر خلیج فارس کے قریب مل جاتے ہیں جن کو شط العرب کہتے ہیں اس کا رقبہ ۱۷۱۵۹۹ مربع میل ہے اور ۶۵۹۰۰۰۰ آبادی ہے۔ بغداد دارالسلطنت ہے کافی حصہ ریگستانی ہے باشندے بہت جنگجو ہیں۔ جان دینے اور جان لینے میں ان کو ذرا بھی باک نہیں۔ آئے دن اس طرح کے واقعات موجودہ دور میں بھی ہوتے رہتے ہیں۔

الف۔ بصرہ۔ مشہور بندرگاہ ہے جنگ جمل یہیں ہوئی جب حضرت علیؑ جنگ کے سلسلہ میں تشریف لائے تھے تو جس مقام پر قیام فرمایا تھا وہاں ایک عمارت بنی ہوئی ہے جس کا نام مقام علیؑ ہے جس کی زیارت کے لیے لوگ آتے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے تاریخی مقامات قابل دید ہیں۔

ب۔ نجف اشرف۔ کربلائے معلی سے چالیس میل پر واقع ہے حضرت علیؑ کا روضہ ہے۔ علماء و مجتہدین کا مرکز ہے۔ ہزاروں طلاب بغرض تحصیل علم یہاں مقیم رہتے ہیں جس کی وجہ سے کافی چہل پہل رہتی ہے۔ نجف اور قرب و جوار کے حسب ذیل مقامات قابل زیارت ہیں۔

۱۔ روضہ مبارک۔ جس میں حضرت علیؑ کی قبر ہے حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ کی قبریں بھی کہی جاتی ہیں اور ایک روایت کے بموجب سر مبارک امام

حسینؑ بھی یہیں دفن ہوا ہے۔

۲۔ وادی السّلام۔ یہ ایک بہت بڑا قبرستان ہے جس میں ہزاروں قبریں بنی ہوئی ہیں۔ حضرت ہودؑ و حضرت صالحؑ بھی اسی میں دفن ہیں مقام حضرت حجت۔ مقام حضرت جعفر صادقؑ بھی بنے ہوئے ہیں۔

۳۔ مشہور مقامات۔ مسجد حنانہ۔ مسجد جناب زید۔ مسجد صعصعہ۔ روضہ کمیل مسجد سہلا (اس میں بہت سے مقامات قابل زیارت ہیں) مسجد کوفہ۔ روضہ جناب یونس روضہ جناب خدیجہ بنت حضرت علیؑ۔ دارالامارہ۔ بیت الشرف

۴۔ مسجد کوفہ میں حسب ذیل مقامات قابل زیارت ہیں۔

مقام حضرت ابراہیم۔ مقام رسول خدا۔ مقام آدمؑ۔ مقام طوفان نوحؑ۔ مقام جبرئیلؑ۔ مقام زین العابدینؑ۔ دکۃ القضایا۔ بیت الطشت مقام امام جعفر صادقؑ۔ محراب امیرالمومنینؑ۔ مقام ضربت۔ قیدخانہ مختارؒ روضۂ حضرت مسلمؑ۔ روضہ جناب ہانی۔ مقبرہ میثم تمار۔

ج۔ کربلا۔ پہلے یہ غاضریہ، نینوا کے نام سے پکارا جاتا تھا مگر بعد شہادت امام حسینؑ کربلا کے نام سے مشہور ہوا اور کربلا کے ذرہ ذرہ کو خاک پاک و خاک شفا بنا دیا اور اس کی جو عظمت ہے۔ وہ تحریر سے باہر ہے۔

یہاں کے مشہور مقامات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ روضہ مبارک امام حسینؑ۔ قبر امام حسینؑ۔ قبر حضرت علی اکبرؑ۔ قبور سائر شہدا۔ قبر جناب حبیب ابن مظاہر۔ قبر سید ابراہیم بن امام موسی کاظمؑ قتل گاہ۔ رواق ایوان طلا میں میرے چچا سید حسین مرحوم موتکپوری مدفون ہیں۔

۲۔ روضہ حضرت عباسؑ۔ یہ روضہ امام حسینؑ کے روضہ سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے اس روضہ کے رواق کے ایک حجرے کے اندر میرے عم معظم سید

احمد حسینؒ مرحوم اور برادر معظم چودھری سید ارشاد حسین مرحوم مدفون ہیں اور مقبرۂ ردولی کے نام سے مشہور ہے۔

۳. دیگر مشہور زیارت گاہیں۔

تل زینبیہ۔ خیمہ گاہ۔ مقام زعفر جن۔ مقام قطع دست حضرت عباسؑ مقام علی اکبرؑ۔ مقام شیر فضہؑ۔ مقام جناب امیرؑ۔ باغ امام جعفر صادقؑ مقام امام عصرؑ۔ روضہ حضرت حرؑ۔ روضہ جناب عون۔ روضہ پسران حضرت مسلم (کربلا سے تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔)

د۔ کاظمین شریفین۔ بغداد سے بالکل ملا ہوا ہے دریائے دجلہ بہت قریب ہے۔ اس وجہ سے باغات میوہ کافی ہیں روضہ امام موسیٰ کاظمؑ و امام محمد تقیؑ کی شاندار عمارت اسی شہر کے وسط میں واقع ہے ہر وقت کافی چہل پہل رہتی ہے۔

۱. روضہ مطہر۔ قبر امام موسیٰ کاظمؑ۔ قبر امام محمد تقیؑ ایک ہی ضریح کے اندر واقع ہیں۔

۲. خاص خاص مشہور مقام زیارت

الف۔ مسجد براثا۔ درمیان کاظمین و بغداد واقع ہے۔ جنگ نہروان کی واپسی میں حضرت علیؑ نے یہاں قیام فرمایا تھا۔

ب۔ بغداد عراق کا دار السلطنت ہے بہت خوبصورت شہر ہے یہاں پر نوابین امام عصرؑ کی قبور ہیں۔

ج۔ مدائن۔ کاظمین سے چوبیس میل پر واقع ہے۔ جامع مسجد امام حسنؑ کی بنوائی ہوئی موجود ہے۔ جناب سلمان۔ جناب حذیفہ یمانی۔ جناب عبداللہ بن جابر انصاری۔ جناب سید محمد طاہر بن علی ابن الحسین کی قبور ہیں۔

د۔ سامرہ۔ کاظمین سے ۷۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ دریائے دجلہ بالکل شہر سے ملا ہوا ہے۔ شیعوں کی آبادی بہت کم ہے کچھ طلاب بغرض تحصیل علم مقیم رہتے ہیں۔ عہد بنی عباس میں دار الخلافت تھا اس زمانہ کی چند یادگاریں باقی رکھی گئی ہیں۔

۱۔ روضہ مبارک۔ اس میں امام علی نقیؑ۔ امام حسن عسکریؑ۔ جناب نرجس خاتون والدہ محترمہ امام عصرؑ۔ جناب حکیمہ دختر امام علی نقیؑ کی قبور ایک ہی ضریح کے اندر واقع ہیں۔

۲۔ مقام غیبت۔ یہ مقام بھی بالکل روضہ کی شکل کا بنا ہوا ہے اور اس کے اندر وہ مقام ہے جہاں سے امام مہدی آخر الزماںؑ نے غیبت اختیار فرمائی تھی۔

۳۔ چند خاص مقامات۔ قیدخانہ جس میں امام علی نقیؑ۔ امام حسن عسکریؑ قید کیے گئے اب بھی کھنڈر کی صورت میں موجود ہے خلفائے بنی عباس کے محل کے نشانات بھی باقی ہیں۔

۴۔ روضہ سید محمد صاحب۔ آپ حضرت علی نقیؑ کے فرزند تھے یہ بے حد متبرک مقام ہے ہر وقت کافی مجمع رہتا ہے۔ کاظمین و سامرہ کے وسط میں واقع ہے:

۳۔ شام۔ ٹرکی اور فلسطین کے درمیان واقع ہے۔ بہت ٹھنڈا ملک ہے۔ بنی امیہ کے زمانہ میں کافی مشہور ہوا اس کا رقبہ ۱۳۹۸۷ مربع میل ہے۔ یہاں کی آبادی ۵۵۰۰۰ ہے۔ دمشق دار السلطنت ہے۔

۱۔ دمشق۔ پایہ تختِ حکومت ہے جس کی وجہ سے ہر ملک کے سفیر یہاں رہتے ہیں پہاڑوں کے وسط میں آباد ہے۔ بے حد خوبصورت شہر ہے

حسب ذیل مقامات قابل زیارت ہیں۔

الف۔ روضہ جناب زینبؑ۔ یہ روضہ دمشق سے ۸ میل کے فاصلہ پر ہے اور قریہ زینبیہ کے نام سے مشہور ہے جناب زینبؑ بنت حضرت علیؑ کی قبر ہے۔ عمارت نہایت خوبصورت اور کافی وسیع ہے۔

ب۔ دمشق و قریہ زینبیہ کے درمیان میں روضہ جناب مقداد۔ روضہ ابیٔ۔ اصحاب کہف کی پہاڑی۔ مقام ہاروت و ماروت ملتے ہیں۔

ج۔ دمشق میں روضہ جناب ام کلثوم بنت حضرت علیؑ۔ جناب سکینہ بنت الحسین جناب فاطمہ صغرا بنت الحسینؑ۔ حضرت بلال موذن۔ جناب عبد اللہ بن جعفر طیار۔ روضہ جناب فضہؑ کنیز جناب سیدہؑ۔ روضہ ام المومنین ام سلمیٰ زوجہ آنحضرتؐ۔ روضہ ام حبیبہ زوجہ آنحضرت۔ روضہ عبداللہ بن مکتوم روضہ عبداللہ بن امام زین العابدینؑ، روضہ سرہائے شہدائے کربلا۔ قید خانہ شام روضہ جناب رقیہ بنت الحسین باب الساعات بہ سبب مختلف مقامات پر ہیں

۵۔ مسجد اموی یہ بہت بڑی شاندار مسجد وسط شہر میں واقع ہے۔ یزید بن معاویہ یہیں دربار کرتا تھا۔ اور اسیران کربلا اسی مسجد میں یزید کے سامنے پیش کیے گئے تھے۔ اس کے اندر حسب ذیل مقامات قابل زیارت ہیں

ممبر جس پر امام زین العابدینؑ نے خطبہ پڑھا تھا، مقامِ نشست اسیران کربلا۔ روضہ جناب یحییٰ۔ مصلّے جناب خضرؑ۔ طاق جس میں سر مبارک امام حسینؑ رکھا گیا۔ مصلّے جناب زین العابدینؑ۔ مقام موئے مبارک رسول خدا۔

نوٹ۔ مسجد اموی کے پھاٹک کے باہر یزید کے محل کے کچھ کھنڈرات اب بھی باقی ہیں۔ یہ کُل عمارت پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ قبرستان دمشق میں یزید بن معاویہ کی قبر ایک شیشہ کے کارخانہ کے اندر ہے جس پر ہر وقت آگ روشن

رہتی ہے اور کچھ فاصلہ پر معاویہ بن ابو سفیان کی قبر ایک حجرہ میں ہے جو ہر وقت بند رہتا ہے۔

۴۔ ایران۔ اس کا سابق نام پرشیا تھا۔ دکھن میں خلیج فارس اتر میں کوہ قاف کا علاقہ بحر کیسپین اور آمو ندی ہے پورب میں جاگرس پہاڑ ہیں۔ پچھم میں دجلہ و فرات واقع ہیں۔ بہت زرخیز و ہموار علاقہ ہے کچھ پہاڑی حصہ ہے موسم بہت اچھا ہوتا ہے اس کا رقبہ ۶۲۴۴۰۰ مربع میل ہے اور آبادی ۲۰۱۴۹۰۰۰ ہے۔ تہران دار السلطنت ہے جو نہایت خوبصورت شہر ہے یہاں کے حسب ذیل شہر مقدس زیارت گاہیں ہونے کی وجہ سے کافی شہرت رکھتے ہیں۔

الف۔ قم۔ یہاں پر جناب فاطمہ ہمشیرہ امام علی رضاؑ کی قبر ہے جس پر نہایت خوبصورت روضہ بنا ہوا ہے بڑے بڑے مدارس ہیں جس کی وجہ سے کافی آبادی ہے۔ جناب علی ابن امام جعفر صادقؑ۔ جناب حمزہ ابن امام موسی کاظمؑ۔ موسی برقع ابن امام محمد تقی کی قبور بھی شہر میں ہیں۔

ب۔ شہزادہ عبدالعظیم۔ اس کا اصل نام "رے تھا" جس کی حکومت کی لالچ عمر ابن سعد کو واقعہ کربلا کے سلسلہ میں دی گئی تھی جناب حمزہ ابن موسی کاظمؑ۔ جناب طاہر ابن امام زین العابدینؑ کی زیارتیں یہاں ہیں۔

ج۔ ہمدان۔ یہاں پر چند امام زادوں کی قبور ہیں۔

د۔ دامغان۔ جناب سید جعفر ابن امام زین العابدینؑ۔ جناب سید محمد ابن موسی کاظمؑ کی قبور ہیں عہد بنی عباس کی ایک مسجد بھی ہے۔

ر۔ سبزوار۔ جناب یحییٰ ابن موسی کاظمؑ۔ جناب سلطان ابن امام زین العابدین کی قبور ہیں بہت خوبصورت شہر ہے۔

ز۔ نیشا پور۔ جناب سید فرید الدین و جناب زید عطار و او جناب سید محمد ابن امام زین العابدینؑ کی قبور ہیں۔

ح۔ قدم گاہ۔ امام رضاؑ نے معجزہ سے پانی کا چشمہ جاری فرماکر اس کے پانی سے وضو فرمایا تھا جو اب تک موجود ہے۔

ط۔ مشہد مقدس۔ صوبہ خراسان کا دار السلطنت ہے اس کو پہلے "سناباد وطوس" کہتے تھے جب سے مرقد امام رضاؑ ہوا اس وقت سے اس کا نام مشہد مقدس ہوا یہاں حسب ذیل مقامات قابل زیارت ہیں۔ روضہ مطہر۔ قتل گاہ۔ سنگ محک۔ پیر پالان دوز۔ مسجد گوہر شاد۔ کتب خانہ رضویہ۔

ی۔ بیرون مشہد مقدس۔ خواجہ ربیع جو حضرت علیؑ کے صحابی تھے و خواجہ ابو صلت ہروی جو امام رضا علیہ السلام کے اصحاب میں تھے ان کے قبور بھی قابل زیارت ہیں۔

ہندوستان کی مشہور زیارت گاہیں

۱۔ درگاہ شہید ثالث آگرہ۔ قاضی نور اللہ حسینی شوشتری ۹۵۶ھ میں شوستر میں پیدا ہوئے فضلائے وقت سے علم حاصل کیا اور ۹۹۵ھ میں ایران سے ہندوستان تشریف لائے اور ابو الفتح گیلانی کے مہمان ہوئے جو اکبر بادشاہ کے نورتنوں میں تھے۔ گیلانی موصوف نے قاضی صاحب کا تعارف اکبر بادشاہ سے کرایا بادشاہ آپ کے علم و فضل سے بے حد متاثر ہوئے اور پنجاب و لاہور کا قاضی القضاۃ مقرر فرمایا۔ قبلہ موصوف

نے یہ شرط کرلی تھی کہ میں مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کا پابند نہ ہوں گا بلکہ چاروں میں سے جس کا مسئلہ قابل عمل سمجھوں گا اسی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ باوجود اس عہدہ پر فائز ہونے کے اور زمانہ کی ناسازگاری کے بھی آپ نے دینی خدمات میں کمی نہیں ہونے دی اور تبلیغ مذہب حقہ میں مشہور و معروف کتابیں تصنیف فرمائیں جو آپ کی جلالت علمیہ اور عظمت تحقیقات کو ثابت کرتی ہیں جن کی رد میں کتابیں لکھنے کی کوشش کی گئی لیکن ناکام ثابت ہوئیں ان میں سے ایک کتاب ابطال الباطل ہے جس کی رد میں علامہ موصوف نے کتاب احقاق الحق "حرف آخر" کی طرح تحریر فرمائی جو اپنی عظمت اور پُر از معنی ہونے کے سبب سے داخل درسیات کرلی گئی۔ یہی وہ کتاب ہے کہ جو آپ کی شہادت کا باعث قرار پائی۔ علمائے اسلام نے اسی کتاب کے تحریر کرنے پر آپ کے قتل کے فتوے جاری کیے اور جہانگیر بادشاہ وقت نے ان علماء کے فتوی سے متاثر ہو کر آپ کو سولی پر چڑھانے کا حکم دے دیا۔ جس وقت آپ سولی پر چڑھائے جانے کے لیے جارہے تھے تو آپ نے ایک کنکری اٹھا کر آیہ قرآنی "رب انی مغلوب فانتصر" کہکر آسمان کی طرف پھینکا کنکری جب زمین پر پلٹی تو اس کی دوسری جانب لکھا تھا "ان کنت عبدی فاصبر" شہادت کے بعد آپ ایک غیر معروف مقام پر دفن کر دیئے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ کے قدر دانوں نے اس مقام کو آباد کرنے کی کامیاب کوشش کی جس کے نتیجہ میں مزار مبارک آج زیارت گاہ عقیدت مندان ہے جس کی تشہیر و توسیع میں سرکار ناصر الملت وان کے خاندان نے کافی دلچسپی لی اور اس وقت خدا کے فضل سے بہت

بڑا روضہ بنا ہوا ہے۔ سالانہ مجالس بڑے اہتمام کے ساتھ ہوتی ہیں جس میں ہند و بیرون ہند کے مومنین بکثرت شریک ہوتے ہیں آپ کی شہادت سنہ ۱۰۱۹ھ میں بمقام آگرہ ہوئی۔

۲۔ شہید رابع۔ آپ کا اسم گرامی حکیم مرزا محمد دہلوی تھا۔ تبلیغ مذہب حقہ کے سلسلہ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور دہلی میں دفن ہوئے جہاں پر آپ دفن ہیں وہ مقام درگاہ شہید رابع کے نام سے مشہور ہے اور بہت سے لوگ۔ اس درگاہ کو پنجہ شریف بھی کہتے ہیں۔ ایام عشرہ محرم میں نواب صاحب رامپور کی جانب سے مجلسیں ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ دوران سال میں مومنین مجلسیں برپا کیا کرتے ہیں اور شیعیان دہلی کی خاص زیارت گاہ ہے۔ نزھہ اثنا عشریہ آپ کی تصنیف ہے۔

نوٹ:-

شہید اول۔ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن جمال الدین علی مکی نے سنہ ۷۸۲ھ دمشق ملک شام میں شہادت پائی۔

شہید ثانی۔ زین الدین بن نور الدین بن علی المعروف ابن الحجہ نے سنہ ۹۷۶ھ میں شہادت پائی۔

شہید پنجم۔ حاجی محمد تقی بن محمد برغانی سنہ ۱۲۶۴ھ میں شہادت پائی اور ایران میں دفن ہیں۔

۳۔ درگاہ نجف ہند۔ جوگی پور نجیب آباد ضلع بجنور۔ یہ درگاہ سید راجہ نقوی کی بنائی ہوئی ہے جو اکبر بادشاہ کی فوج میں ایک ممتاز عہدہ پر تھے جب شہزادہ سلیم جو بعد کو جہانگیر بادشاہ کے نام سے مشہور ہوئے انھوں نے اپنے باپ اکبر بادشاہ کے خلاف بغاوت کی اور بادشاہ

و چند خاص مقربان کو دہلی میں نظر بند کر دیا۔ سید صاحب دہلی سے بھاگ کر موضع جوگی پورہ آئے جوگیوں کے چودھری نے پناہ دی اور ہر طرح کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ سید صاحب اس کے ساتھ رہنے لگے جس مقام پر درگاہ ہے یہاں بہت گھنا جنگل تھا سید صاحب روزانہ نماز کے بعد اس جنگل میں چلے جاتے تھے اور ناد علی پڑھا کرتے تھے ایک دن محافظ جو آبادی کے باہر رہتا تھا اس نے دیکھا کہ چند سوار جنگل میں گھوڑوں پر آرہے ہیں۔ اس نے خیال کیا کہ شاید شاہی فوج کے لوگ سید صاحب کی گرفتاری کے لیے آرہے ہیں۔ وہ بستی کی طرف بھاگا کہ اس کی اطلاع کرے مگر فوراً ایک سوار آگے بڑھا اور اس نے اسے روکا اور کہا کہ بستی میں جاکر سید سے کہو کہ جس کو تم پکارتے تھے وہ آگیا جلدی چلو ورنہ ملاقات نہ ہوگی یہ سن کر وہ شخص آبادی کی طرف جانے لگا اتنے میں پھر سوار نے آواز دی کہ ٹھہرو مجھے معلوم ہے کہ سید اکیلا یہاں تک نہ آپائے گا اور مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے گی البتہ تم کہدینا کہ یہاں پر ایک یادگار ہمارے آنے کی قائم کریں یہ کہہ کر سب لوگ غائب ہوگئے وہ شخص بستی میں آیا اور کل واقعہ بیان کیا جس کو سنتے ہی سید صاحب جنگل کی طرف سر و پا برہنہ بھاگے جوگی لوگ بھی ساتھ ہو گئے اگرچہ آپ نے منع فرمایا مگر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہاں پہونچ کر دیکھا کہ گھوڑے کی ٹاپوں کے نشان موجود ہیں اور تازہ کف گھوڑے کا پڑا ہوا ہے جس کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور ایک خام چبوترہ بنادیا اور روزانہ اس کی زیارت کے لیے جاتے تھے کچھ عرصہ کے بعد اکبر بادشاہ قید سے رہا ہوئے سید صاحب کی تلاش ہوئی جب آپ کو اطلاع ہوئی تو آپ دہلی گئے اکبر بادشاہ سے کل واقعہ

بیان کیا اکبر بادشاہ اس کی زیارت کے لیے آئے اور کئی سو بیگہ آراضی
نذر درگاہ کی اور جوگیوں کے چودھری کو بجسن خدمات پچاس بیگہ آراضی
دی جو آراضی نذر درگاہ کی وہ چک اکبری کے نام سے مشہور ہوئی
ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سید صاحب یہیں آکر مقیم ہو گئے
اور چبوترہ پر ایک پختہ حجرہ بنوا دیا جب آپ کا انتقال ہوا تو اسی میدان
میں دفن ہوئے بعد کو عدم توجہی کی وجہ سے حجرہ منہدم ہو گیا آراضی
تلف ہو گئی۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں نواب حامد علی خاں والی ریاست رام پور
نے گنبد اور حجرہ بنوا دیا اور پانچ سو روپیہ سالانہ مقرر فرمائے تاکہ
ہر ماہ نوچندی کے دن مجالس ہوتی رہیں زائرین باہر سے بغرض زیارت
آتے ہیں اور اب تو ایک عالی شان عمارت چندہ سے تیار ہو گئی ہے اور
سالانہ مجالس بھی ہوتی ہیں۔ اسٹیشن سے درگاہ تک پختہ سڑک
بنی ہے سواریوں کی بڑی سہولت ہو گئی ہے۔ زائرین کے قیام کا بھی
معقول انتظام ہے اور ضروریاتِ زندگی آسانی سے فراہم ہو جاتی ہیں۔
۴۔ حسین ٹیکری جاورہ۔ جاورہ ایک مسلم خودمختار ریاست صوبہ
مہاراشٹر میں تھی جس میں مسلمانوں کی بھی آبادی تھی جو تعزیہ داری
بھی کرتے تھے اور عاشور کے دن تعزیوں کو ایک ٹیلہ پر لے جا کر دفن
کرتے تھے سنہ ۱۹۲۱ء میں وہابی علما کی تحریک پر نواب صاحب نے تعزیہ
داری کی ممانعت فرما دی لوگوں نے تعزیے نہیں رکھے عاشور کے دن
چند ہندو لڑکے اپنے جانوروں کو اس ٹیلے پر چرا رہے تھے ان لوگوں
نے دیکھا کہ چند لوگ نقاب ڈالے ہوئے اور تعزیہ لیے ہوئے آئے
اور ایک غار کھود کر اس میں تعزیہ دفن کر دیا اور نظروں سے غائب

ہو گئے مگر ایک طویل قامت بزرگ گھوڑے پر سوار اسی مقام پر موجود رہے۔ ان بزرگ نے لڑکوں کو بلا کر ہدایت کی کہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کی اطلاع نواب کو کر دینا۔ یہ لڑکے واپس آئے اور اپنے گھروں میں اس واقعہ کو بیان کیا اور فوراً نواب صاحب تک اس کی اطلاع ہو گئی نواب موصوف فوراً ٹیلہ پر پہونچے اور دیکھا کہ غار میں گیلی مٹی ہے اور مشک و عنبر کی خوشبو آ رہی ہے نواب صاحب اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور تعزیہ داری کی اجازت دے دی چونکہ عشرہ کا دن ختم ہو رہا تھا اس لیے ۱۲ محرم کو تعزیئے رکھے گئے اور اسی دن دفن کیے گئے اس روز سے نواب صاحب کو خاص عقیدت پیدا ہو گئی اور قرب و جوار کے لوگ مرادیں ماننے کے لیے آنے لگے اور قبولیت پر چڑھاوا وغیرہ چڑھانا شروع کیا اس وقت نواب صاحب نے ایک نگراں مقرر کر دیا رفتہ رفتہ اس کی شہرت زیادہ ہونے لگی تو سیٹھ حبیب (حبیب بینک والے) نے اس مقام پر امام حسینؑ و حضرت عباسؑ کا ایک ایک روضہ بنوا دیا اور گنگا جمنی ضریحیں چڑھائیں۔ زائرین کے قیام کے لیے چھوٹی چھوٹی عمارتیں بنوا دیں جن میں قیام کے لیے ہر طرح کا سامان موجود ہے اور بہت ہی معمولی کرایہ لیا جاتا ہے۔ ایک چھوٹا سا بازار ہے جس میں ہر چیز آسانی سے مل جاتی ہے جاورہ ریلوے اسٹیشن ہے اور درگاہ کا فاصلہ یہاں سے پانچ میل ہے سواری آسانی سے مل جاتی ہے۔ یہاں چہلم بہت شاندار ہوتا ہے البتہ پانی کی بڑی دشواری ہے ہزاروں آدمی زیارت کے لیے آتے رہتے ہیں۔

۵۔ کوہ مولا علیؑ۔ حیدرآباد دکن۔ سلطان ابراہیم قطب شاہ کے

عہد سے ۱۷ رجب کو عرس کوہ مولیٰ علی کا آغاز ہوا جہاں پر ہر پنجشنبہ اور شب جمعہ کو باوجود شہر حیدرآباد سے نو میل دور ہونے کے مجالس عزا منعقد ہوا کرتی ہیں۔ تزک قطب شاہی میں اس پہاڑ کا واقعہ اس طرح مندرج ہے کہ ایک شب کو یاقوت حبشی خواجہ سرائے سلطان ابراہیم قطب شاہ نے جب کہ وہ نواح کوہ مولیٰ کے ایک باغ میں مقیم تھا یہ خواب دیکھا کہ ایک عرب سبز لباس پہنے ہوئے اس سے کہہ رہا ہے کہ تجھے جناب امیرؑ نے یاد کیا ہے۔ یاقوت اس عرب کے ساتھ ایک پہاڑ پر جاکر جناب امیرؑ کے سامنے کھڑا کر دیا گیا صبح کو اسی پہاڑ پر گیا تو جس مقام پر اس نے جناب امیرؑ کو تشریف فرما دیکھا تھا وہاں دست مبارک کا نقش موجود تھا۔ یاقوت نے پتھر کے اس حصہ کو ترشوا کر ایک رواق تعمیر کرا کر اس کے طاق میں اس کو نصب کرا دیا اور سترھویں رجب کو حضرت کی نیاز کرائی اس طرح ہر سال عرس ہونے لگا اس واقعہ کی شہرت ہوئی تو سلطان ابراہیم قطب شاہ نے زیارت کر کے مسجد و عمارات تعمیر کرائیں۔ شاہان آصفی کے دور میں ہندو مسلم امرائے ملک نے بالائے کوہ اور دامن کوہ میں متعدد عمارتیں بنوائیں اور یہاں کی رونق میں اضافہ ہوتا رہا۔" (سرفراز محرم نمبر ۱۹۶۹ء ص ۲۲۲)

دینی مدارس

ہمارے ممتاز و مشہور دینی مدارس عزائے حسینؑ کے سلسلہ میں بہت معین ثابت ہوئے انھیں اداروں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد علماء فضلاء واعظین اور ذاکرین ہندوستان و بیرون ہند جا کر تبلیغ و ترقی

عزائے حسینؑ کا کام انجام دیتے ہیں اور ہر جگہ نام حسینؑ سے لوگوں کو روشناس کراتے ہیں جس کی وجہ سے بانیان مدرسہ کی ارواح کو کس قدر ثواب پہونچتا ہوگا۔ ذیل میں چند خاص مدارس دینی کا ذکر ان کی خدمات دینی کی وجہ سے کیا جا رہا ہے کیونکہ جس موضوع سے اس کتاب کا تعلق ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ان اداروں کے مختصر حالات ناظرین کے مطالعہ کے لیے درج کیے جائیں۔

السلطان المدارس لکھنؤ۔ جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ مجتہد ایک فاضل متقی بزرگ تھے۔ جناب آغا ابو صاحب متولی وقف حسین آباد کو جناب ممدوح سے بے حد عقیدت تھی اسی لیے آپ کی تحریک پر ایک دینی مدرسہ منجانب ٹرسٹ قائم ہوا اور اس کا الحاق حسین آباد ہائی اسکول سے کیا گیا اس انگریزی اسکول کے کل مصارف ٹرسٹ حسین آباد سے متعلق تھے جو منشاء واقف کے خلاف تھا اس پر علماء کرام بڑا اعتراض کر رہے تھے کیونکہ اس سے لا مذہبیت اور دہریت کی طرف رجحان بڑھ رہا تھا اس اعتراض کے تحت حکومت وقت نے اسکول حسین آباد کی عمارت کو ٹرسٹ سے خرید لیا اور اس کی قیمت دے دی اس طرح کل اخراجات حکومت کے ذمہ ہو گئے اور جو مصارف انگریزی تعلیم پر ٹرسٹ کے ہو رہے تھے وہ سب بچ گئے لہذا متولیان نے کل روپیہ جو انگریزی اسکول پر خرچ ہوتا تھا وہ مدرسہ کی طرف منتقل کر دیا جس کی وجہ سے کافی ذرائع ترقی کے حاصل ہو گئے۔ ابتداءً یہ مدرسہ جناب موصوف کے شریعت کدہ پر قائم ہوا اور بعد کو آصفی امام باڑہ میں چلا گیا جناب قبلہ و کعبہ ہی اس کے نگراں اور مدرس اعلیٰ تھے آپ کی کوششوں سے رفتہ رفتہ مدرسہ ترقی کرنے لگا قابل سے قابل اساتذہ کا آپ نے تقرر فرمایا جس کی وجہ سے

تعلیمی معیار بہت بلند ہو گیا کچھ عرصہ کے بعد حسین آباد ٹرسٹ نے ایک عالی شان عمارت بنوا دی اور مدرسہ اس میں منتقل ہو گیا اس مدرسہ میں چودہ سال کی تعلیم ہوتی ہے اور نویں درجہ کے بعد تعلیم کے دو شعبے ہو جاتے ہیں ایک جامعہ اور دوسرا سلطان المدارس جو طلاب جامعہ میں آتے ہیں ان کا آخری درجہ صدر الافاضل ہے اور جو طلباء سلطان المدارس میں جاتے ہیں وہ درجات مولوی. عالم. فاضل وغیرہ کے امتحانات الہ آباد یونیورسٹی سے دیتے ہیں. کیونکہ اس شعبہ کا الحاق یونیورسٹی سے ہے جناب ابو الحسن صاحب قبلہ نے و نیز ان کے جانشینوں نے اس دینی درسگاہ کی ترقی کی طرف ہمیشہ خیال رکھا جس کی وجہ سے بکثرت طلاب اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اچھے سے اچھے علماء و اعظین. ذاکرین. مبلغین نکلے جو دنیا کے ہر حصہ میں علمی روشنی پھیلاتے ہیں اور عزائے حسینؑ کو کافی تقویت پہونچاتے ہیں. جناب ابو الحسن صاحب قبلہ کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے جناب مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ مدرس اعلیٰ اور دوسرے صاحبزادے جناب مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ نائب مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے جناب باقر صاحب قبلہ کے بعد ان کے بڑے بیٹے جناب مولانا سید محمد صاحب قبلہ کا تقرر بحیثیت مدرس اعلیٰ کے ہوا جو اس وقت تک کام بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں.

۲۔ جامعہ ناظمیہ۔ لکھنؤ۔ ۱۳۰۸ھ میں مولانا سید ابو الحسن صاحب قبلہ کی تحریک سے قوم کے ایک دین دار رئیس جناب مرزا محمد عباس علیخاں صاحب کی امداد سے قائم ہوا جس کی نگرانی و سرپرستی سرکار نجم الملت کے سپرد کی گئی آپ نے بہمہ وجوہ اس خدمت کو بخوبی انجام دیا اور

اس کی بقاء کے ذرائع پیدا کیے یہاں سے فارغ التحصیل حضرات کو ممتاز الافاضل کے لقب سے سرفراز کیا جاتا ہے جو ملک کے گوشہ گوشہ میں تشنگان ہدایت کو اپنے مواعظ سے آگاہ کرتے ہیں جس کا اعلیٰ ذریعہ مجالس عزاء سید الشہداء علیہ السلام ہیں۔ ابھی تک اس کی سرپرستی و نگرانی اور آخری درجہ کی تعلیم کے فرائض مفتی اعظم جناب مولانا سید احمد علی صاحب اعلی اللہ مقامہ انجام دیتے تھے جو مدرس اعلیٰ بھی تھے۔

۳۔ مدرسہ ناصریہ۔ جونپور۔ اس مدرسہ کو خان بہادر سید محمد مصطفیٰ صاحب نے نہایت خلوص اور جذبہ ایمانی کے تحت قائم کیا تھا اور جناب مولانا سید محمد شبّر صاحب قبلہ رُدولی کو اس کا مدرس اعلیٰ مقرر فرمایا جنھوں نے انہماک کے ساتھ مدرسہ کو ترقی کی راہ پر لگایا اس مدرسہ میں الہ آباد یونیورسٹی کے ذیل میں انھیں درجات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مولانا شبر صاحب قبلہ کے انتقال کے بعد جناب مولانا سید محسن نواب صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ جو جناب مرحوم کے خویش تھے مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے مگر بعد کو چند وجوہ کی بنا پر مدرسہ کی خدمات سے سبکدوش ہو گئے اس وقت جناب مولوی حسین مہدی صاحب قبلہ مدرس اعلیٰ کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور بانی مدرسہ کے خلوص نیت کی بنا پر اب بھی مدرسہ خوبی کے ساتھ چل رہا ہے۔

۴۔ جوادیہ کالج بنارس۔ یہ مدرسہ ۱۹۲۸ء میں مولوی علی جواد صاحب قبلہ مرحوم نے قائم فرمایا تھا جو دہ سال کی تعلیم ہوتی ہے فارغ التحصیل طلباء کو فخر الافاضل کی سند سے سرفراز کیا جاتا ہے ہندوستان کے علاوہ افریقہ وغیرہ سے بھی طلاب بغرض تعلیم آتے ہیں۔ جن کے رہنے کے لیے نہایت مناسب انتظام ہے غریب لڑکوں کو وظائف دیئے جاتے ہیں۔ اس مدرسہ کی کوئی مستقل

آمدنی نہیں ہے صرف چند اوقاف سے کچھ روپیہ مل جاتا ہے بقیہ اخراجات کے لیے روپیہ پرنسپل صاحب اپنی کوششوں اور اثرات سے فراہم کرکے اس درس گاہ کو چلاتے ہیں۔ ایک مذہبی ماہوار رسالہ "الجواد" ۱۹۴۰ء سے پابندی وقت کے ساتھ نکل رہا ہے۔ اس وقت اس مدرسہ کے پرنسپل جناب مولانا سید ظفر الحسن صاحب قبلہ مجتہد ہیں اور آپ کی ساری توجہ ہمہ وقت مدرسہ کی بقا و ترقی کی طرف رہتی ہے۔

۵۔ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ۔ ہندوستان میں اپنی نوعیت کی عظیم الشان مشہور دینی درس گاہ ہے جس میں مذہبی اداروں کے سند یافتہ طلاب کا داخلہ لیا جاتا ہے اور وعظ و تقریر وغیرہ کی نہایت مناسب تعلیم دی جاتی ہے۔ مدت تعلیم صرف تین سال ہے۔ یہاں کے فارغ التحصیل طلباء شیعہ عقائد کی تبلیغ بحیثیت واعظ۔ مبلغ۔ ذاکر کے دنیا کے ہر حصہ میں انجام دیتے ہیں اور انھیں خدمات کی بنا پر یہ ادارہ تمام عالم میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مہاراجہ سر محمد علی محمد خاں والی ریاست محمود آباد نے ۱۹۱۸ء میں قائم کیا اور سرکار نجم الملت کی سرپرستی میں دیدیا اس کے اخراجات و بقا کے لیے ایک جائداد بھی وقف کردی اور انتظامیہ کمیٹی کے سپرد اس درس گاہ کو کردیا۔ حیات یہ دونوں صاحبان کمیٹی کے ممبر رہے اور اب بھی یہ کمیٹی قائم ہے اور اپنے فرائض انجام دے رہی ہے اس وقت اس کے متولی منتظم جناب مہاراجکمار محمد امیر حیدر خاں آف محمود آباد ہیں۔ اور آپ کو اس دینی مدرسہ سے اسی طرح دلچسپی ہے جس طرح آپ کے پدر بزرگوار جناب مہاراجہ صاحب مرحوم کو تھی۔ اس ادارے سے ایک رسالہ الواعظ اور ایک مسلم ریویو انگریزی میں نکلتا ہے

جو تمام بیرونی ممالک و ہند کے ہر حصہ میں جاتا ہے اور بڑے شوق سے لوگ اس کو پڑھتے ہیں۔ مدرسہ میں ایک بہت بڑا کتب خانہ ہے جس میں ہزاروں کتابیں ہر مذہب کی موجود ہیں۔

۶۔ شیعہ عربی کالج لکھنؤ۔ جب لکھنؤ میں شیعہ کالج قائم ہوا جس میں لڑکوں کو انگریزی تعلیم دی جانے لگی اس وقت بعض علماء نے تجویز پیش کی کہ انگریزی کے ساتھ ساتھ عربی کی تعلیم بھی شیعہ کالج میں ضرور ہونا چاہیئے یہ تحریک عرصہ تک چلتی رہی اور کوئی بات طے نہ ہوسکی بعد کو تمام امور پر غور کر کے ٹرسٹیوں نے یہ طے کیا کہ ایک شیعہ عربی کالج علیحدہ قائم کر دیا جائے جو اسی کالج کا جزو ہو اس پر سب متفق ہو گئے اور اسی صورت سے یہ کالج وجود میں آیا۔ علم کلام۔ ادب اور تفسیر کی تعلیم دی جاتی ہے اور طلاب کو وظیفہ بھی ملتا ہے۔ اس کالج کے پہلے پرنسپل جناب مولانا ظہور الحسن صاحب قبلہ مرحوم ہوئے ان کے بعد جناب مفتی محمد علی صاحب قبلہ مرحوم اور ان کے بعد سرکار نصیر الملت مرحوم اور ان مرحوم کے بعد بہت تھوڑے وقفہ کے لیے سرکار سعید الملت طاب ثراہ نے پرنسپلی کے فرائض انجام دیئے دفعتہً آپ کا انتقال ہو گیا اور اس جگہ پر مولوی سعادت حسین صاحب قبلہ کا تقرر ہوا۔

۷۔ وثیقہ اسکول فیض آباد۔ یہ مدرسہ وقف بہو بیگم صاحبہ (مادر نواب آصف الدولہ) کے سرمایہ سے قائم ہوا ہے اور اس میں عربی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ شیعہ و سنی دونوں طلبا پڑھتے ہیں اور الگ الگ درسی کتابیں ہیں پرنسپل شیعہ ہوتا ہے اور نائب پرنسپل سنی۔ اس اسکول میں الہ آباد یونیورسٹی کے درجات کی تعلیم ہوتی ہے جس کے پاس شدہ طلبا مولوی۔ عالم۔ فاضل۔

وغیرہ کی سندیں حاصل کرتے ہیں عمارت پرانے طرز کی ہے جو بہت وسیع ہے۔ اور ایک مسجد بھی ہے۔ طلاب کے قیام و طعام کا مناسب انتظام ہے نادار طلباء کو لباس وغیرہ بھی دیا جاتا ہے۔ اس اسکول کے مشہور پرنسپل جناب مولانا سید شبیر حسین صاحب قبلہ مرحوم جونپوری ہوئے ہیں جن کی محنتوں سے آج مدرسہ باقی ہے اور آپکے انتقال کے بعد جناب مولوی سعادت حسین صاحب قبلہ پرنسپل مقرر ہوئے مگر جب آپ کو ضرورتاً لکھنؤ میں سرکار نصیر الملت مرحوم نے بلوا لیا اس وقت آپ کی جگہ پر مولوی سید وصی محمد صاحب قبلہ پرنسپل مقرر ہوئے جو اسکول کی بہبودی کی فکر میں مصروف رہتے ہیں۔

لکھنؤ کی تاریخ

مشہور مذہبی عمارتیں و تاریخہائے عزا

تاریخ لکھنؤ۔ لکھنؤ دریائے گومتی کے دونوں کناروں پر آباد ہے مورخین نے اس کا سابق نام لکھناوتی یا لکھنش ناوتی یا لچھمن پور لکھا ہے۔ لچھمن پور ایک بڑی آبادی ہارڈنگ برج کے پاس تھی جس کو سنہ ۱۱۶۵ء میں سید سالار ہمشیرزادہ محمود غزنوی نے فتح کیا تھا اور اس وقت ان کی فوج میں جو شیوخ تھے ان کے خاندان یہاں آباد ہو گئے۔ سید سالار کے جانے کے بعد متعدد راجاؤں نے اس پر حملے کیئے اور فتح کیا۔ بعد کو یہ مغلیہ سلطنت میں شامل ہو گیا۔ ہمایوں بادشاہ۔ اکبر اعظم۔ اورنگ زیب بادشاہ سب ہی یہاں آئے اور کچھ نہ کچھ اپنی یادگاریں قائم کر گئے۔ جب نواب سعادت خاں صوبہ کے وزیر مقرر ہوئے اور فیض آباد میں مقیم ہوئے اس وقت وہ بھی لکھنؤ

آئے اور یہاں کے شیخوں سے جنگ کرکے اپنے قبضہ میں لے لیا اس کے بعد شجاع الدولہ بھی آتے جاتے رہے۔ مگر جب نواب آصف الدولہ تخت نشین ہوئے تو انھوں نے فیض آباد کی سکونت ترک کردی اور مستقلاً لکھنؤ میں رہنے لگے اس کے بعد سے لکھنؤ کی ترقی شروع ہوئی چونکہ شیعہ حکومت تھی اور ہر طرح کی آزادی حاصل تھی لہذا دہلی اور دیگر مقامات سے شیعہ آکر یہاں آباد ہونا شروع ہو گئے جس میں علماء، شعراء اور دیگر فنون کے ماہرین تھے۔ اور اس طرح سے لکھنؤ کو مرکزیت حاصل ہو گئی جو خدا کے فضل سے اب بھی باقی ہے۔

شاہان اودھ کو عزاداری سے بے حد شغف تھا اور اسی کے ساتھ عمارات کا بھی شوق تھا لہذا امام باڑے درگاہیں و دیگر عالی شان عمارتیں ہر زمانہ میں بنتی رہیں اس وقت لکھنؤ فوارون اور سبزہ زاروں کا شہر کہلاتا ہے۔ سو سال سے کچھ زیادہ عرصہ قبل اودھ کی راجدھانی تھا اور اپنی تہذیب۔ تمدن۔ زبان۔ بود و باش۔ فنون۔ آن بان۔ لباس۔ کھانوں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور تھا اور یہ سب، شاہان اودھ کا طفیل تھا۔ شاہان اودھ نے خود بڑی بڑی مذہبی خوبصورت۔ عالیشان۔ دلفریب۔ جاذب نظر عمارتیں بنوائیں جب یہ آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں تو شاہان اودھ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور انھیں حضرات کی خوشنودی میں وزراء۔ متوسلین۔ معززین اور افراد خاندان شاہی نے بہت سی مذہبی عمارتیں شہر میں بنوائیں جن میں سے کچھ تو غدر کی نذر ہو گئیں پھر بھی ابھی کافی باقی ہیں جو شیعوں کے لیے تو باعث تعظیم و برکت ہیں اور یہی عمارتیں سیاحوں کے لیے باعث تفریح

ہیں جن کو دیکھنے کے لیے ہزاروں اشخاص روزانہ آتے ہیں۔ انھیں عمارات وعزاداری اور خاص کر مجلس شام غریباں، چہلم۔ چپ تعزیہ وغیرہ نے لکھنؤ کو کافی شہرت دی۔

مشہور مذہبی عمارات۔ کا مختصراً ذکر ذیل میں صرف اس لیے کیا جارہا ہے تاکہ ہمارے پڑھنے والوں کو لکھنؤ کی عظمت کا حال اچھی طرح سے معلوم ہوجائے پہلے عمارت کا نام اس کے بعد بنانے والے کا اسم۔ پھر پتہ و مقام۔ بعد میں بادشاہ وقت کا نام اور آخر میں سنہ تعمیر لکھا گیا ہے اگر معلوم ہو سکا ہے۔

۱۔ **امام باڑہ آغا میر باقر۔** آغا میر باقر۔ چوک منڈی۔ نواب شجاع الدولہ بہادر۔ ۱۱۸۸ھ یہ دوسرا امام باڑہ لکھنؤ میں تعمیر ہوا پہلا امام باڑہ آغا ابو طالب خاں کا باغ آئینہ بی بی متصل حسین گنج تھا۔

۲۔ **کالا امام باڑہ۔** نواب قاسم علی خاں۔ پیر بخارا۔ نواب آصف الدولہ بہادر۔ ۱۱۹۵ھ

۳۔ **کالا امام باڑہ۔** سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں متصل رومی دروازہ۔ نواب آصف الدولہ بہادر۔

۴۔ **مسجد اور امام باڑہ تحسین علی خاں۔** تحسین علی خان۔ چوک۔ نواب آصف الدولہ بہادر ۱۲۰۵ھ۔

۵۔ **آصفی امام باڑہ۔** نواب آصف الدولہ بہادر۔ مچھی بھون۔ نواب آصف الدولہ بہادر ۱۲۰۵ھ۔

۶۔ **رومی دروازہ۔** نواب آصف الدولہ بہادر۔ مچھی بھون۔ نواب

آصف الدولہ بہادر ۱۲۰۵ھ۔

۷۔ آصفی مسجد۔ نواب آصف الدولہ بہادر۔ مچھی بھون۔ نواب آصف الدولہ بہادر ۱۲۰۵ھ۔

۸۔ درگاہ حضرت عباسؑ۔ مرزا فقیر بیگ۔ رستم نگر۔ نواب آصف الدولہ بہادر ۱۲۱۷ھ۔ یہ درگاہ خام تھی نواب سعادت علی خان نے پختہ کرا دیا۔ نواب سعادت علی خاں کے بعد سے جو بادشاہ تخت نشین ہوتا تھا وہ جلوس کے ساتھ بغرض زیارت درگاہ آتا تھا۔ واجد علی شاہ سے جب تخت لے لیا گیا تو کلکتہ جانے سے قبل درگاہ پر گئے اور تاج و تلوار چڑھا دی۔ جو غدر میں غائب ہو گئی۔ یہ بے حد مقبول درگاہ ہے ہر نوچندی کو ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے۔

۹۔ کربلائی مصری۔ بی مصری مشہور فن کار۔ مصاحب گنج۔ نواب آصف الدولہ بہادر۔

۱۰۔ کربلا تال کٹورہ۔ میاں الماس علیخاں۔ تال کٹورہ۔ سعادت علی خاں ۱۲۳۲ھ یہ پہلی کربلا لکھنؤ میں بنی تھی۔ شبیہ روضہ امام حسینؑ ہے یہ بے حد مقبول کربلا ہے۔ عشرہ محرم و چہلم کے دن ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے اور سیکڑوں انجمنیں نوحہ و ماتم کرتی ہوئی یہاں آتی ہیں جن کو دیکھنے کے لیے بیرون جات سے لاتعداد اشخاص آتے ہیں۔

۱۱۔ کربلا حاجی مشیتا۔ حاجی مشیتا۔ تال کٹورہ۔ سعادت علی خاں یہ دوسری کربلا ہے ابتک ایک امام باڑہ بوسیدہ باقی ہے۔

۱۲۔ کربلا میر خدا بخش۔ میر خدا بخش کا رندے۔ علی بخاں بداد لھام. غازی الدین حیدر ۱۲۳۲ھ (تیسری کربلا)

۱۳۔ کربلا نواب معتمد الدولہ۔ (روضہ امام موسیٰ کاظمؑ) نواب معتمد الدولہ سید محمد خاں عرف آغا میر وزیر اعظم محلہ نرھی۔ شاہ غازی الدین حیدر۔ سنہ ۱۲۳۴ھ۔

۱۴۔ شاہ نجف۔ (نقل روضہ حضرت علیؑ) شاہ غازی الدین حیدر سکندر باغ۔ شاہ غازی الدین حیدر سنہ ۱۲۳۲ھ۔

۱۵۔ قدم رسول۔ شاہ نصیر الدین حیدر۔ سکندر باغ۔ شاہ نصیر الدین حیدر سنہ ۱۸۲۷ء۔

۱۶۔ کربلا نصیر الدین حیدر۔ (شبیہ روضہ امام حسینؑ) شاہ نصیر الدین حیدر۔ ارادت نگر۔ شاہ نصیر الدین حیدر سنہ ۱۲۵۳ھ۔

۱۷۔ کربلا عظیم اللہ خاں (موسومہ روضہ امام رضاؑ) عظیم اللہ خاں۔ متصل کربلائے تال کٹورہ۔ محمد علی شاہ۔

۱۸۔ کربلا ملکہ آفاق۔ (موسومہ عسکریینؑ) ملکہ آفاق زوجہ محمد علی شاہ۔ کربلا نصیر الدین حیدر کے قریب۔ مکارم گنج۔ محمد علی شاہ سنہ ۱۲۷۸ھ

۱۹۔ کربلا ملکہ جہاں (روضہ امام حسینؑ و روضہ حضرت عباسؑ) ملکہ جہاں زوجہ محمد علی شاہ۔ عیش باغ۔ محمد علی شاہ۔ یہ کربلا عاشق علی داروغہ نے بنوائی بعد کو قیمت دے کر ملکہ جہاں نے خرید لیا۔

۲۰۔ امام باڑہ حسین آباد۔ محمد علی شاہ۔ حسین آباد۔ محمد علی شاہ سنہ ۱۲۵۳ھ

۲۱۔ شاہی مسجد۔ محمد علی شاہ۔ حسین آباد۔ محمد علی شاہ سنہ ۱۲۵۸ھ (اس کا تکملہ ملکہ جہاں نے بعد وفات محمد علی شاہ کرایا۔)

۲۲۔ کربلا نواب عظمت الدولہ۔ منصف الدولہ سید محمد باقر میر سلطان العلماء مہدی گنج۔ محمد علی شاہ۔

۲۳۔ امام باڑہ سوداگر۔ میر باقر سوداگر۔ چوک۔ محمد علی شاہ۔

۲۴۔ کاظمین (روضہ امام موسیٰ کاظمؑ و امام محمد تقیؑ) شرف الدولہ محمد رضا خاں ایخارج حضور تحصیل منصور نگر۔ امجد علی شاہ ۱۲۶۹ھ اسی سے متصل مسجد کوفہ بھی ہے۔

۲۵۔ کربلا امین الدولہ۔ (روضہ حضرت عباسؑ) امین الدولہ نواب امداد حسین وزیر اعظم دریا گنج۔ امجد علی شاہ۔ ۱۲۶۶ھ

۲۶۔ امام باڑہ میاں داراب۔ میاں داراب علی خاں خواجہ سرا۔ مولوی گنج۔ امجد علی شاہ۔

۲۷۔ کربلا نواب سعید الدولہ۔ سعید الدولہ۔ نواب ذکی علی خاں نواسہ ملکہ زمانیہ حیدر گنج قدیم۔ امجد علی شاہ۔

۲۸۔ کربلا مصاحب الدولہ۔ (روضہ حضرت عباسؑ) مصاحب الدولہ۔ گھسیٹے خاں مصاحب جانعالم مصری بغیہ۔ مصاحب گنج واجد علیشاہ ۱۸۴۷ھ۔

۲۹۔ کربلا دیانت الدولہ (روضہ امام حسینؑ) دیانت الدولہ محمد حسین خواجہ سرا۔ منصور نگر۔ متصل کاظمین۔ واجد علی شاہ ۱۲۶۸ھ۔

۳۰۔ روضہ فاطمین۔ جواہر خانم۔ متصل درگاہ حضرت عباس علیہ السلام واجد علی شاہ ۱۲۶۹ھ۔

۳۱۔ قصر البکا۔ واجد علی شاہ۔ قیصر باغ۔ واجد علی شاہ۔ ـــــــھ) (موسومہ سفید بارہ دری)

۳۲۔ کربلا منشی فضل حسین (روضہ پسران حضرت مسلمؑ) منشی فضل حسین شاہی اسپتال کے بعد تال کٹورہ روڈ پر بعد غدر ۱۲۹۶ھ۔

۳۳۔ روضہ زینبیہ۔ (روضہ جناب زینبؑ) میر مددعلی عرف اچھے صاحب

عیش مہدی گنج۔ بعد غدر ۱۲۹۷ھ۔

۳۴۔ شبیہ روضہ نجف۔ حسن مرزا۔ رستم نگر۔ بعد غدر ۱۲۹۲ھ۔

۳۵۔ امام باڑہ جنت مآب۔ سید محمد تقی صاحب۔ عقب چوک بعد غدر ۱۲۸۵ھ۔

۳۶۔ امام باڑہ غفرآنمآب۔ مولوی دلدار علی صاحب۔ سبزی منڈی چوک۔ نواب آصف الدولہ۔

۳۷۔ امام باڑہ اکرام اللہ خاں۔ نواب اکرام اللہ خاں۔ نخاس کہنہ۔ نواب آصف الدولہ۔

۳۸۔ امام باڑہ تجمل حسین خاں۔ نواب تجمل حسین خاں۔ کرہ ابوتراب خاں۔ نواب آصف الدولہ۔

ان عمارتوں کے علاوہ چند اور بھی مشہور امام باڑے شہر میں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

امام باڑہ ناظم صاحب۔ امام باڑہ حسن جان صاحب۔ امام باڑہ ڈپٹی محمد عظیم صاحب۔ امام باڑہ چھوٹی رانی راجہ محمود آباد۔ امام باڑہ داروغہ واجد علی۔

مشہور تاریخہائے عزا لکھنؤ

۱۔ شاہی ضریح۔ محمد علی شاہ جب وارث تخت سلطنت اودھ ہوئے تو شاہ موصوف نے ایک امام باڑہ جمینا باغ میں تعمیر کیا جو بعد کو امام باڑہ حسین آباد کے نام سے موسوم ہوا۔ اس میں جب پہلے سال محرم کے دس ماہ عزا شروع ہوئے تو شاہ ممدوح نے یہ مناسب خیال کیا کہ جو ضریح امس

امام باڑہ میں رکھنے کے لیے لائی جائے وہ پہلے بزرگوں کے تعمیر کردہ امام باڑہ آصف الدولہ بہادر میں لاکر رکھی جائے اور وہاں سے جلوس کے ساتھ امام باڑہ حسین آباد میں آئے چنانچہ اس پر عمل ہوا اور اب تک یہی طریقہ جاری ہے۔ پہلے کوئی براہ راست سڑک امام باڑہ آصفی سے حسین آباد کے امام باڑہ تک نہ تھی لہذا یہ جلوس چوک آتا۔ اور گول دروازے کے سامنے سے حسین آباد کے امام باڑہ کو جاتا۔ یہ جلوس یکم محرم کو پانچ بجے شام کو آصفی امام باڑہ سے اٹھتا ہے اور آٹھ بجے شب کو حسین آباد کے امام باڑہ میں پہونچتا ہے جس کے دیکھنے کے لیے ہزاروں اشخاص کا مجمع راستوں پر ہوتا ہے۔ اس شاہی جلوس کی نگرانی و دیکھ بھال کے لیے افسران ضلع و پولیس بیحد منہمک رہتی ہے جس کی وجہ سے شان جلوس و ترتیب میں کسی طرح کی کوئی بدنظمی نہیں ہونے پاتی اس جلوس کے نکلنے سے غیر طبقہ کے لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آج پہلی محرم ہے۔ جلوس میں بڑا اہتمام ہوتا ہے اور حسب ذیل سامان آرائش مختلف طریقوں سے آراستہ کیا جاتا ہے

بینڈ۔ جھنڈی۔ سبیل۔ نوبت خانہ۔ ہاتھی۔ اونٹ۔ ماہی مراتب علم۔ مہندی۔ دُلدل۔ پالنا۔ تابوت۔ ضریح۔ تعزیے۔ نوحہ خوان۔ سوز خوان۔ نقیب۔

متولیان و عملہ حسین آباد سب کے آخر میں ہوتا ہے اور ان کے ساتھ علماء کرام و معززین شہر ہوتے ہیں جن کو خاص طور سے مدعو کیا جاتا ہے۔

۲۔ **علم فاتح فرات**۔ یہ علم شب نہم محرم کو جھاؤں والی مسجد سے قریب

۱۰ بجے شب کے اٹھتا ہے اور علم فاتح فرات کے نام سے مشہور ہے اس پُر اثر جلوس کی بنیاد جناب عمدۃ العلماء مرحوم نے ڈالی اور قوم نے اسے بے حد پسند کیا اور بہت جلد مقبولیت حاصل کرلی۔ اس کا انتظام انجمن رضا کاران حسینی کے سپرد ہوا جس کو کارکنان انجمن نے بڑی خوش سلیقگی کے ساتھ شاندار و پر اثر بنایا۔ روانگی سے قبل مسجد میں مجلس ہوتی ہے۔ اس کے بعد جلوس روانہ ہوتا ہے جس میں ہزاروں اشخاص کا مجمع ہوتا ہے۔ علم مبارک امام باڑہ غفرآن مآب میں آتا ہے جہاں مجلس ہوتی ہے۔ اور جلوس ختم ہو جاتا ہے۔

۳۔ مجلس شام غریباں۔ لکھنؤ کی یہ مشہور مجلس شب یازدھم کو آٹھ بجے شب کو امام باڑہ غفرآن مآب میں ہوتی ہے جو بے حد مقبول ہے اور آل انڈیا ریڈیو سے بھی نشر ہوتی ہے جس کی وجہ سے تمام عالم میں سنی جاتی ہے۔ اس مجلس کا آغاز یوں ہوا کہ یوم عاشورہ ۱۹۲۶ء کو بعد عصر کچھ حضرات امام باڑہ غفرآن مآب میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے ایک بزرگ مولوی ننھن صاحب نے بلا ارادہ یہ تجویز پیش کی کہ آج عاشورہ کا دن ہے اور یہ وقت اسیری اہل حرم کا ہے کیوں نہ کچھ ذکر اسیران اہلبیت ہو جائے سب نے پسند کیا اور مولوی کلن صاحب نے روانگی اسیران اہلبیتؑ کا ذکر کیا۔ سامعین روتے روتے بیتاب ہو گئے دوسرے سال بھی یہی صورت ہوئی اور مولانا کبن صاحب قبلہ و مولوی للن صاحب نے ذاکری فرمائی تیسرے سال اس مجلس کی اہمیت کا احساس ان حضرات نے فرمایا اور قبل سے اس کے انتظامات شروع ہوئے۔ اور "مجلس شام غریباں" نام تجویز ہوا یہ مجلس بے حد مقبول عام ہوئی اور جناب مولانا سید کلب حسین

صاحب قبلہ سے وعدہ لے کر اعلان کیا گیا مومنین کا بے حد مجمع ہوا اس مجلس میں نہ فرش بچھتا ہے نہ روشنی ہوتی ہے اور نہ شمعیں روشن کی جاتی ہیں ہر شخص ننگے سر ننگے پیر آتا ہے۔ اور زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔ اس مجلس میں گریہ بے حد ہوتا ہے اور بعد کو شبیہیں بھی نکلتی ہیں جس کی وجہ سے رقت بہت ہوتی ہے کہ لوگ روتے روتے بیہوش ہو جاتے ہیں۔ مولوی کلب حسین صاحب قبلہ مرحوم کے انتقال کے بعد سے اس مجلس کو جناب مولوی سید کلب عابد صاحب قبلہ پڑھتے ہیں اور مثل سابق کے مشہور ہے۔ سنہ ۶۹ء میں گورنر یو پی بھی شریک ہوئے۔

۴۔ چہلم امام مظلوم۔ لکھنؤ کے چہلم کو شیعوں کی مرکزیت اور ہندوستان کے سب سے بڑے دار العزا ہونے کے لحاظ سے جو اہمیت حاصل ہے اس سے قوم کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اس موقع پر ہندوستان کے گوشہ گوشہ کے اہل ایمان شریک ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ مومنین دور دراز کی مسافت طے کر کے لکھنؤ کا چہلم دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ اس دن لکھنؤ کی تمام انجمنیں ماتم کرتی ہوئی کربلا تال کٹورہ آتی ہیں جہاں ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے یہ کربلا میاں الماس علی خاں نے بنوائی تھی جس میں شبیہ روضہ امام حسینؑ وسط میں بنی ہوئی ہے۔ اور اس کے چاروں طرف عمارت ہے یہ پہلی کربلا لکھنؤ میں تعمیر ہوئی جس میں شبیہ روضہ امام حسینؑ بنائی گئی اور اسی روضہ کی وجہ سے تمام مومنین کے قلوب اس کی طرف مڑ گئے اور آج اس کربلا کو بڑی قدر و منزلت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔

۵۔ چپ تعزیہ۔ لکھنؤ۔ بانی چپ تعزیہ نواب آغا علی خاں صاحب مرحوم ایام غدر ۱۸۵۷ء بہ جرم بغاوت گرفتار ہو گئے مستورات نے عشرہ کے دن تعزیہ دفن نہیں کیا کیونکہ یہ تعزیہ بڑے جلوس کے ساتھ اٹھتا تھا۔

۶ ربیع الاول کو آغا صاحب رہا ہوئے صرف دو دن ایام ۱۰۶ کے باقی تھے جلوس وغیرہ کا انتظام پریشانی کی وجہ سے ممکن نہ تھا لہذا موصوف نے کہا کہ چپ چپاتے اس سال تعزیہ دفن کر دیا جائے آیندہ سال دیکھا جائے گا۔ ۸ ربیع الاول کو تعزیہ اٹھا تو اس خاموش مظاہرے نے ایک عجیب حزن وملال کا سماں پیدا کر دیا آغا صاحب تعزیہ کے آگے آگے اپنی مجبوری عدم اہتمام پر روتے ہوئے چل رہے تھے جس کا اثر شرکاء جلوس پر بہت ہوا اور ایک دوسرے کو دیکھ کر بے اختیار ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگے اس شان سے چپ تعزیہ سڑک پر آیا تو گریہ کی انتہا نہ رہی۔ صرف ایک نقیب آگے آگے آواز لگاتا تھا۔

سواری ہے غریبؑ نینوا کی ⁂ سواری ہے شہیدؑ کربلا کی

اسی طرح یہ تعزیہ کاظمین پہنچا یہ اثر دیکھ کر دوسرے سال سے یہ تعزیہ بلا جلوس وغیرہ کے اٹھنے لگا اور بے حد مقبول ہوا اور لکھنؤ کی یہ تاریخ مشہور ہو گئی جس کی زیارت کے لیے بیرونجات کے ہزاروں آدمی آتے ہیں۔

۶۔ ۸ ربیع الاول۔ یہ ایام عزا کا آخری دن ہے لکھنؤ کا مشہور چپ تعزیہ جب دفن کے لیے روضہ کاظمین محلہ منصور نگر جاتا ہے تو اس کے پیچھے پیچھے لکھنؤ و بیرونجات کی انجمنیں ہوتی ہیں وہ سب کاظمین جاتی ہیں اور دن بھر کاظمین میں انجمنوں کی آمد کا سلسلہ رہتا ہے۔ بہت عمدہ نوحہ خوانی اور ماتم ہوتا ہے اور اس طرح سے ایام ۱۰۶ کا یہ آخری دن ختم ہوتا ہے۔ چپ تعزیہ کی شہرت کی وجہ سے قبل ہی سے یہ تاریخ مشہور تھی مگر انجمنوں کے ایک مرکز پر جمع ہونے کی وجہ سے بیرونجات کے لوگ یہاں کی نوحہ خوانی سے بے حد متاثر ہوتے ہیں کیونکہ ایک ہی مرکز پر انھیں لکھنؤ و بیرونجات کی

انجمنوں کے عمدہ سے عمدہ نوحوں کے سننے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔

۷۔ ۳؍ جمادی الثانی۔ چونکہ یہ تاریخ وفات جناب معصومہؑ ہے لہذا اس تاریخ کو کربلائے دیانت الدولہ میں خواتین کا بڑا اجتماع ہوتا ہے شب بھر مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور صبح کے وقت تابوت نکلتا ہے۔

۸۔ ۶؍ جمادی الثانی۔ روضہ جناب زینبؑ جو روضہ زینبیہ کے نام سے منسوب ہے اور مہدی گنج میں واقع ہے اس تاریخ کو یہاں مستورات کا کافی اجتماع ہوتا ہے اور مجالس ہوتی ہیں۔

۹۔ ۲۸؍ رجب۔ بعض روایات کی بنا پر اس تاریخ کو امام مظلوم نے سفر غربت اختیار فرمایا جس کی وجہ یہ تھی کو ولید بن عتبہ جو یزید کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا حسب الحکم یزید امام ہمامؑ کو طلب کر کے یزید کی بیعت کا سوال کیا یزید کی بیعت امام کے لیے ناممکن تھی۔ یزید کا حکم تھا کہ یا تو امام حسینؑ سے بیعت لی جائے یا ان کا سر قلم کر کے بھیج دیا جائے۔ مدینہ کی حرمت باقی رکھنے کے لیے امام علیہ السلام کو اپنے محبوب وطن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سفر اختیار کرنا پڑا اور یہ روانگی کا منظر نہایت دلخراش تھا۔ اسی یادگار کے سلسلہ میں اس تاریخ کو کربلائے دیانت الدولہ سے ایک جلوس نکلتا ہے جس کو دیکھنے کے لیے ہزاروں آدمی جمع ہوتے ہیں جلوس کو دیکھتے ہی لوگوں پر ایک عجیب جذبہ طاری ہو جاتا ہے۔ اور ایک سماں بندھ جاتا ہے۔

۱۰۔ شب نیمہ شعبان۔ لکھنؤ کی بہت مشہور تاریخ ہے جس میں امام عصرؑ کی ولادت باسعادت کا جشن منایا جاتا ہے۔ شب بھر دریائے گومتی کے کنارے لوہے کے پل کے نیچے بے حد مجمع رہتا ہے اور بڑے جوش و

خروش کے ساتھ قصیدہ خوانی ہوتی ہے اور مختلف قسم کی آتشبازیوں سے بڑا پُرکیف منظر ہوتا ہے جا بجا لوگ جمع ہو کر کونڈے کرتے ہیں جس میں حلوے پر نذر ہوتی ہے۔ حسین آباد ٹرسٹ کی جانب سے ایک بجرا نہایت عمدہ سجا ہوا آتا ہے جس میں نذر کا اہتمام رہتا ہے۔ صبح کی نماز بجماعت ہوتی ہے اور اس کے بعد ظہور امام عصرؑ کی دعا کی جاتی ہے تاکہ دشمنان امام حسینؑ سے حضرت حجت کی قیادت میں ان کے مظالم کا بدلہ لیا جائے اور اس طرح سے یہ تاریخ بھی عزاداری سے متعلق قرار پاتی ہے خاتمہ جشن پر عریضے دریا میں ڈالے جاتے ہیں۔

۱۱۔ تابوت ۲۱ رمضان۔ حسن مرزا مرحوم لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے جنھوں نے خواب کے تحت شب ۱۹ رمضان ۱۲۹۲ھ کو بسلسلہ شہادت مولا مشکل کشا تابوت رکھا اور ۲۱ رمضان بوقت سحر اٹھایا جو بے حد مقبول ہوا اور اس کا سلسلہ بفضلہ قائم ہے جس کی زیارت کے لیے سحر کے بعد ہی سے جن جن راستوں سے یہ تابوت گزرتا ہے ان پر مجمع ہوتا ہے اس کی شہرت بیرونجات میں بھی کافی ہے۔ مجمع کی کوئی انتہا نہیں ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آدمیوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر ہے جن کے سروں پر تابوت جا رہا ہے ہزاروں افراد کی گریہ وزاری۔ مستورات کے دلخراش بین دل میں عجب درد کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ تابوت مرزا صاحب نے اپنے عزیز محمد شاہ کے مکان واقعہ رستم نگر میں رکھا اور بعد کو مرزا صاحب کے ورثاء میں سے ایک بزرگ حاجی افضل حسین نے وہ مکان خرید لیا جہاں پہلی بار تابوت رکھا گیا تھا اور وہاں پر ۱۳۳۲ھ میں شبیہ روضہ نجف اشرف تعمیر کی جس کا سنگ بنیاد سرکار

ناصر الملت اعلی اللہ مقامہ نے رکھا۔

۱۲۔ ۲۱ر شوال۔ امام باڑہ ملکہ جہاں واقع عیش باغ میں جناب علی اکبرؑ کا تابوت نکلتا ہے اور مستورات کا مجمع بہت ہوتا ہے۔ اور حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں اسی سے یہ خاص اہمیت کی حامل ہے۔

۱۳۔ بیت المال۔ محلہ ٹھاکر گنج شہر لکھنؤ میں ایک امام باڑہ بنام جھاؤ لال واقع ہے عرصہ سے اس امام باڑہ کو غیر آباد پاکر جناب مولانا سید آغا حسن صاحب قبلہ مجتہد نے چاہا کہ اس کی بقا کا کوئی معقول انتظام کر دیا جائے اتفاق سے اسی زمانہ میں انہدام جنت البقیع کی وجہ سے مومنین کے قلوب میں ہیجان برپا تھا جناب قبلہ و کعبہ ممدوح نے مومنین کے جذبات برانگیختہ پاکر یوم جنت البقیع کی بنیاد ڈالی اور اس سلسلہ میں ۸ر شوال کو یوم غم قرار دیکر تمام انجمنوں سے خواہش کی کہ وہ اس دن اپنے علم معہ ماتمی دستے کے امام باڑہ مذکورہ میں لائیں اور اجتماعی حیثیت سے مظاہرہ غم کیا جائے۔ قبلہ و کعبہ کی یہ تجویز کامیاب ہوئی اور اس وقت سے اس امام باڑہ میں ہر سال ۸ر شوال کو انجمنیں آتی ہیں اور بڑے زور و شور سے نوحہ و ماتم برپا کیا جاتا ہے۔ جناب مرحوم کے انتقال کے بعد جناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد نے اس امام باڑہ کی تمام ذمہ داریاں سنبھال لیں اور ۸ر شوال کے ساتھ ساتھ صفر کے پہلے اتوار کو انجمنوں کے اجتماع کا اہتمام فرمایا جو اب تک جاری ہے۔

۱۴۔ نوچندی ماہ رجب و ذی الحجہ۔ ان دونوں نوچندیوں میں شہر کی تمام انجمنیں بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے علم نوحہ و ماتم کے ساتھ درگاہ حضرت عباس لے جاتی ہیں اور وہاں عقیدت مندوں کا کافی اجتماع

ہوتا ہے بعض انجمنیں اپنے علم دیگر مقامات پر بھی لے جاتی ہیں۔ اور یہ دونوں نوچندیاں بے حد مشہور ہیں باہر کے لوگ کافی ہوتے ہیں ان دونوں نوچندے جمعہ کو کربلا تال کٹورہ میں مستورات کا اجتماع ہوتا ہے اور سارا دن نوحہ و ماتم میں گذر جاتا ہے۔

چند مخصوص جلوس بیرون لکھنؤ

۱۔ جلوس دوسری محرم۔ حسینیہ ارشادیہ (ارشاد منزل رودولی بارہ بنکی) سے یہ جلوس تیسری محرم کی رات میں ۹ بجے اٹھتا ہے اور چار بجے صبح کو واپسی ہوتی ہے عوام میں "دوسری" کے نام سے مشہور ہے اس جلوس کا آغاز چودھری ارشاد حسین مرحوم کے پرنانا چودھری حسین بخش مرحوم کے زمانہ سے ہوا جب کہ شاہان اودھ کی ساری توجہ ترقی عزا کی جانب مبذول تھی۔ بڑے بڑے شیعہ زمیندار ان کو اس طرف متوجہ کیا گیا چنانچہ چودھری حسین بخش مرحوم نے اس جلوس کو قائم کیا آپ کے انتقال کے بعد چودھری رضا حسین مرحوم آپ کے صاحبزادے مالک ریاست ہوئے اور مثل سابق کے یہ جلوس نکلتا رہا جب آپ کا انتقال ہو گیا تو آپ کے نواسہ چودھری ارشاد حسین مرحوم آپ کے جانشین اور ریاست کے مالک ہوئے مگر کمسنی کی وجہ سے ریاست کورٹ آف وارڈ کی نگرانی میں چلی گئی اور بائیس سال تک کورٹ علاقہ کا نگراں رہا رسومات محرم برائے نام ہوتے تھے یہ جلوس بھی اپنی تاریخ پر دوسری محرم کو نکلتا تھا ۱۹۰۷ء میں اسٹیٹ واگذار ہوئی چودھری

ارشاد حسین مرحوم موتک پور سے ردولی تشریف لائے اور اس جلوس میں ترقی شروع ہو گئی ۱۹۲۲ء میں حسینیہ ارشادیہ تکمیل کو پہونچا اس کے بعد سے اس جلوس کی رونق میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہا جس کی وجہ سے مجمع بھی ہر سال بڑھتا رہا۔ جلوس حسینیہ ارشادیہ سے اٹھکر محلہ بنگلھا جاتا ہے جہاں قبل سے ایک چوک پر ضریح بنانیوالا ضریح کو لاکر رکھتا ہے اور جب جلوس وہاں پہونچتا ہے تو ضریح مبارک اٹھاکر جلوس میں شامل کی جاتی ہے اور یہ جلوس اپنے قدیم راستوں سے ارشاد منزل کو واپس آتا ہے اس جلوس میں ذوالجناح۔ علم مبارک بیرقیں۔ جھنڈیاں۔ ماہی مراتب۔ ہاتھی۔ اونٹ۔ مختلف اقسام کے باجے اور ہر وہ چیز جو جلوس کو جاذب نظر بنا سکتی ہے اس کا اہتمام کیا جاتا ہے اس جلوس کو دیکھنے کے لیے آس پاس کے اضلاع سے ہزاروں اشخاص آتے ہیں اس کے علاوہ مقامی و قرب و جوار کے لاتعداد لوگ شریک ہوتے ہیں اور ردولی کی یہ تاریخ دور دور تک مشہور ہے۔

۲۔ باون ڈنڈوں کا تعزیہ۔ یہ مشہور تعزیہ خیرآباد۔ سیتاپور میں غازی مرحوم کے امام باڑہ میں رکھا جاتا ہے اور عاشورہ کے دن عصر کے وقت اٹھتا ہے اور گیارہ محرم کی سہ پہر تک برابر گشت کرنے کے بعد دفن ہوتا ہے۔ اس کا منتظم ایک فقیر ہے یہ تعزیہ بے حد مقبول ہے جس کے دیکھنے کے لیے کم از کم ایک لاکھ کا مجمع ہوتا ہے۔ اس کی تاریخ یوں بیان کی جاتی ہے۔

یوسف غازی نے ۵۹۶ھ میں خیرآباد کو فتح کیا" خیرآباد میں باون محلے تھے اسی رعایت سے غازی مرحوم نے ایک ایک محلے سے ایک

ڈنڈا لے کر اس تعزیے کی بنا کی تھی تاکہ یہ پورے قصبہ کا تعزیہ ہو جائے اور ہر ایک کا اس پر استحقاق قائم رہے جو اب تک برابر اٹھ رہا ہے اور اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے یہ تعزیہ شبِ عاشور رکھا جاتا ہے اور عصر عاشور اٹھتا ہے جس جس مقام پر وہ ابتدا سے رکھا جاتا ہے یہ ضروری ہے کہ وہاں رکھا جائے باوجود اتنی مدت کے اس طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ یہ تعزیہ محلہ محلہ ہوتا ہوا گیارہویں محرم کو تین یا چار بجے سہ پہر تک دفن ہوتا ہے جو پہلے گیارہویں شب میں دفن ہوتا تھا جس کے سبب سے اس کی شہرت نہیں ہو سکی لیکن جب سے گیارہویں محرم کو اٹھنے لگا کافی مجمع ہوتا ہے یہ تعزیہ جب گشت کرتا ہے اور دوسرے محلوں میں جاتا ہے تو محلے والے خود اس کا انتظام کرتے ہیں اور اٹھاتے ہیں کربلا میں پہنچ کر بہشتیوں کے محلے والے ہمراہ ہوتے ہیں اور وہی اس تعزیئے کو کھڑے لیتے ہیں جہاں تک حالات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے یہ تعزیہ چھٹی صدی ہجری کا ہے جس کو تیمور کے تعزیئے سے کافی اولیت حاصل ہے یوسف غازی کا سنہ ۵۹۶ھ کا زمانہ ہے اور تیمور کا تعزیہ نویں صدی سنہ ۸۰۴ھ کا تعزیہ معلوم ہوتا ہے جو بہت بعد کا ہے کیونکہ اس سے قبل کسی تعزیہ کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔" (سرفراز ۶۹ ۶ ص ۸۵)

۳۔ جلوس ۲۸ صفر قصبہ جرول۔ ضلع بہرائچ۔ جرول میں آخر ماہ صفر میں ایک عشرہ مجالس منعقد ہوتا ہے جس میں علمائے کرام لکھنؤ و مشاہیر ذاکرین بیان کے لیے اور مختلف مقامات کی انجمنیں نوحہ و ماتم کے لیے مدعو کی جاتی ہیں۔ ۲۸ صفر کو عشرہ کی آخری مجلس بڑے اہتمام کے ساتھ ہوتی ہے اور ۲۸ صفر کو مختلف مقامات پر قصبہ میں مجالس ہوتی ہیں

اور تابوت کا جلوس سید محمد طاہر صاحب جرولی کے دولت کدہ سے بڑی شان کے ساتھ نکلتا ہے جس میں ذوالجناح اور بہت سے ماتمی دستے ہوتے ہیں اور یہ جلوس گشت کرتا ہوا کربلا میں جاکر ختم ہوتا ہے طاہر میاں بڑے خلوص و انہماک کے ساتھ تمام امور کو انجام دیتے ہیں۔

۴۔ آٹھویں ربیع الاول۔ محمود آباد، سیتاپور "۸ ربیع الاول کو خاص طور پر لوگ محمود آباد آتے ہیں کافی مجمع ہوتا ہے جلوس میں سب بڑی ساز و سامان ہوتا ہے جو عام طور سے جلوس میں لگایا جاتا ہے اس کے علاوہ انجمنوں کے دستے اور زنجیروں کا ماتم بڑے جوش و خروش سے ہوتا ہے پھر تمام شہدائے کربلا کے تابوت جن پر ان کے اسماء مطہرہ لکھے ہوتے ہیں اور بنی اسد کا قافلہ بھی تبرے اور پھاوڑے لیے نکلتا ہے سب سے آخر میں تابوت سید الشہداء جس پر کافی تیر لگے ہوتے ہیں آتا ہے مجمع کافی ہوتا ہے قریب شام یہ جلوس ختم ہوتا ہے اور توپ کی آخری سلامیاں ہوتی ہیں جب یہ جلوس مسجد عیدگاہ کے قریب پہونچتا ہے تو اس مسجد سے گہوارہ سج کر نکلتا ہے اور جلوس میں شریک کیا جاتا ہے کافی گریہ و بکا اس موقع پر ہوتی ہے کیونکہ وہابیوں نے اس میں کافی مداخلت کی تھی حتی کہ مقدمہ بازی کی بھی نوبت آئی اور بحمد اللہ یہ مقدمہ کامیاب ہوگیا اور عزاداروں کے حق میں فیصلہ ہوگیا گہوارہ بدستور تقریباً چالیس سال سے زائد سے اسی طرح اسی مسجد سے نکلتا ہے چنانچہ کافی پولیس اس کے اہتمام کے لیے آتی ہے"۔ (سرفراز ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۰۴)

محمود آباد کا ذوالجناح۔ "یہ ذوالجناح بجز جلوس عزا کے کسی اور کام

میں نہیں لایا جاتا جب ریاست کے جلوس اٹھتے ہیں تو یہ سجا جاتا ہے اور چاندی کے ساز سے مزین کیا جاتا ہے عجب بات ہے کہ جب یہ حضرت عباسؑ کے روضہ کے سامنے آنے لگتا ہے تو کنوتیاں بدلنے لگتا ہے اور پھر ایک دم سے کربلا کے روضہ کی طرف دوڑتا ہے اور روضہ کے باہری حصہ میں جا کر ضریح کے سامنے سر جھکا دیتا ہے اور ماتھا ٹیک دیتا ہے بہت سے لوگوں نے زور آزمائی کی مگر اس کو روک نہ سکے نیا ذوالجناح بھی آیا مگر وہ بھی اسی طرح سے دوڑ پڑتا ہے اور روضہ امام حسین علیہ السلام کی طرف دوڑتا ہوا جاتا ہے اور ضریح کے سامنے آکر سر جھکا دیتا ہے"۔ (سرفراز ۶۹ ستمبر ۱۰۴)

۵۔ جلوس عماری۔ بڑا گاؤں۔ جونپور۔ اپنی نوعیت اور خصوصیات کی بنا پر پورے ہندوستان میں مشہور ہے یہ جلوس جناب عباس حسینی صدر حسینی مشن کے زیر قیادت ہر سال ۸ ربیع الاول کو موضع بڑا گاؤں ضلع جونپور میں اٹھتا ہے اور تاریخ کے اس المناک واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے جب اہلبیت اطہارؑ کا لٹا ہوا قافلہ قید شام سے چھٹ کر سیاہ عماریوں میں مدینے روانہ ہوا تھا۔ جلوس اٹھنے کا منظر انتہائی غم انگیز ہوتا ہے درگاہ پنجہ شریف کا وسیع میدان جہاں سے یہ جلوس برآمد ہوتا ہے سیاہ پردوں سے گھرا رہتا ہے۔ اس کے چاروں طرف سیاہ جھنڈے لہراتے رہتے ہیں اور پس منظر میں کھجور کے درختان صحرائے عرب کا ماحول پیش کرتے ہیں صبح کے دھندلکے میں یہ پورا منظر ایک عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے۔ ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں زائرین جب جلوس عماری کے استقبال کے لیے سیاہ پردوں کے باہر جمع ہوتے ہیں تو سوگ

میں ڈوبی ہوئی یہ فضا دیکھ کر ان کے دل بھر آتے ہیں اور خود بخود آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ صبح کی اذان کے بعد جناب عباس حسینی اپنی رقت آمیز آواز کے ساتھ ایک پر مغز افتتاحیہ تقریر کرتے ہیں مومنین کے گریہ کی آواز پورے میدان میں گونج اٹھتی ہے تقریر کے اختتام پر کے بعد دیگرے عماریوں کی شبیہ سیاہ پردوں کے پیچھے سے برآمد ہوتی ہے اور جس وقت جناب سکینہ کی شبیہ قبر سے پردہ ہٹتا ہے تو اس وقت کسی میں تاب ضبط باقی نہیں رہ جاتی۔ آہ و بکا کے شور میں نوحہ و ماتم کی آواز بلند ہوتی ہے۔ تقریباً پچیس تیس غیر مقامی انجمنیں اس جلوس میں شرکت کرتی ہیں زیادہ تر حسب حال پر درد نوحے پڑھے جاتے ہیں اس کے علاوہ ہندوستان کے بلند پایہ واعظین، مقررین اور علما کرام جا بجا تقریریں کرتے ہیں جس کی وجہ سے اختتام تک رقت کا سلسلہ برقرار رہتا ہے جن راستوں سے یہ جلوس گذرتا ہے ان راستوں کے دونوں طرف سیاہ جھنڈے لگے رہتے ہیں جس کی وجہ سے پورا گاؤں سوگ میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے تمام دن نوحہ و ماتم کرتا ہوا یہ جلوس پانچ بجے شام کو چہار روضہ میں داخل ہوتا ہے۔ قدم رسول پہنچ کر نوحہ و ماتم کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے اور نقیب اپنی پر درد آواز میں ایک ایک عماری کا تعارف کراتا ہے اس کے بعد تمام تبرکات مستورات کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔ جو پس پردہ اپنے بین و گریہ سے اس کا استقبال کرتی ہیں اختتام جلوس پر ایک مجلس برپا ہوتی ہے۔

اس یادگار جلوس کے بانی عباس حسینی صاحب کے نانا سید اولاد حسین صاحب مرحوم تھے انھوں نے ۱۹۲۴ء میں اس جلوس کی بنیاد ڈالی تھی

اس وقت یہ جلوس گاؤں والوں ہی تک محدود تھا لیکن وہ بڑے اہتمام سے اس جلوس کو اٹھایا کرتے تھے ۱۹۴۰ء میں جب وہ اپنی طویل علالت کی وجہ سے صاحب فراش ہو گئے تو انجمن حسینی مشن کی درخواست پر انھوں نے اس جلوس کو مشن کے سپرد کر دیا اس وقت سے یہ جلوس حسینی مشن کے زیر اہتمام اٹھنے لگا اور گاؤں والوں کی مشترکہ کوششوں سے آہستہ آہستہ اس میں ترقی ہونے لگی۔ انجمن کے پہلے صدر اولاد حسین مرحوم کے ایک عزیز قریب سید علی احسن تھے اس کے بعد سید عمان حسین صاحب اس کے صدر ہوئے جو گاؤں کے مذہبی امور میں اس سے پہلے بھی نمایاں دلچسپی لیا کرتے تھے بہت اچھے شاعر تھے عاصی تخلص رکھتے تھے آج بھی ان کے نوحے مقبول خاص و عام ہیں ان کے عہد میں اس جلوس نے کافی ترقی کر لی تھی اس کے بعد مشن کی قیادت عباس حسینی صاحب کے ہاتھوں میں آئی۔ موصوف ہمیشہ سے عزائے حسینؑ کے سلسلہ میں ایک غیر معمولی جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں اور مذہبی امور میں ہمیشہ اولوالعزمی۔ فراخدلی اور انہماک کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں اپنے اسی جذبہ کے تحت انھوں نے جلوس عماری میں غیر معمولی دلچسپی لے کر اسے اتنے عروج پر پہونچا دیا کہ یہ جلوس ہندوستان کا مایہ ناز اور مقبول ترین جلوس سمجھا جاتا ہے۔

۶۔ اٹھائیس رجب۔ چوتھی شعبان۔ (جلوس روانگی سفر امام حسینؑ از مدینہ) قصبہ زید پور۔ ضلع بارہ بنکی۔ یہ دونوں جلوس زید پور کے بے حد مشہور ہیں ابتدا میں صرف چوتھی شعبان کا جلوس بزم حسینیہ کی نگرانی میں نکلتا تھا اور قصبہ کے کل مومنین اس میں شریک ہوتے تھے کافی عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا بعد کو کسی امر میں اختلاف ہو گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

ایک انجمن بزم حیدریہ قائم ہوئی اور اس نے ایک جدید جلوس ۲۸ رجب کو نکالا جس کی وجہ سے ترقی عزا میں اضافہ ہی ہوا ان دونوں جلوسوں میں بے حد مجمع ہوتا ہے اور حضرات زید پور بیرونجات کے لوگوں کو بڑی جہان نوازی فرماتے ہیں۔ ان جلوسوں میں گھوڑے۔ سوار۔ عماری۔ گہوارہ دلدل۔ نقیب۔ قنات۔ علم۔ ماہی مراتب ہوتا ہے اور ہر انجمن اس کی سعی کرتی ہے کہ اس کا جلوس اچھا نکلے۔

الف۔ ۲۸ رجب۔ یہ جلوس بزم حیدریہ کی نگرانی میں مسجد بجدری سے بعد نماز صبح مجلس کے بعد نکلتا ہے اور سہ پہر میں کربلا پہونچتا ہے وہاں مجلس ہوتی ہے اور جلوس وہیں پر ختم ہوتا ہے۔

ب۔ ۴ شعبان۔ قدیم جلوس ہے بزم حسینہ اس کا انتظام کرتی ہے چھوٹی بازار کی مسجد میں اول وقت نماز صبح ادا کی جاتی ہے اس کے بعد مجلس ہوتی ہے اور جلوس روانہ ہوتا ہے اور شام کے قریب کربلا پہونچ کر مجلس کے بعد جلوس ختم کر دیا جاتا ہے۔

متعلقات المیہ کربلا

اجمالی معلومات

۱۔ ۲۲ رجب سنہ ۶۰ھ یوم پنجشنبہ کو معاویہ ابن ابوسفیان کے فوت ہونے کے بعد یزید بن معاویہ تخت دمشق پر قابض ہوا۔

۲۔ امام حسینؑ مدینہ سے ۴ شعبان سنہ ۶۰ھ کو مکہ کے لیے ستر سواروں کے

ساتھ روانہ ہوئے (شہید اعظم صفحہ ۱۷)

۳۔ الف۔ بقول اعثم کوفی "شعبان کے مہینے کے چند روز باقی تھے کہ امام حسینؑ مکہ میں تشریف لا کر مقیم ہوئے اور رمضان و شوال۔ ذیقعدہ کا مہینہ آپ نے مکہ میں گذارا۔" (شہید اعظم صفحہ ۱۸)

(ب) "حضرت امام حسینؑ چوتھی شعبان کو مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے اور چونکہ حضرت بھی انتشار کے عالم میں تھے ہم حضرت کے مکہ پہونچنے کے لیے بھی بارہ دن تجویز کرتے ہیں اس لحاظ سے حضرت ۱۶ شعبان کو مکہ میں موجود تھے۔" (شہید اعظم صفحہ ۴۹)

۴۔ "حضرت مسلمؑ ۱۲ ذیقعدہ ۶۰ھ کو مکہ سے کربلا کے لیے روانہ ہوئے۔" (شہید اعظم صفحہ ۲۵)

۵۔ ابن خلدون کے موافق "مسلم ابن عقیل بہ تعمیل ارشاد پہلی ذی الحجہ ۶۰ھ کو کوفہ میں داخل ہوئے۔" (شہید اعظم صفحہ ۲۶)

۶۔ حضرت مسلم کی شہادت ۹ ذی الحجہ ۶۰ھ کو کوفہ میں ہوئی (شہید اعظم ۴۲)

۷۔ الف۔ صاحب سرالشہادتین کے موافق۔ "جس دن جناب مسلم شہید ہوئے اس دن امام حسینؑ مکہ سے کوفہ کی طرف چلے" (شہید اعظم ۴۱)

ب۔ اعثم کوفی کے موافق۔ "ترویہ کے وقت ۹ ذی الحجہ کو منگل کے دن مکہ سے نکلے" (شہید اعظم صفحہ ۴۳)

۸۔ امام حسینؑ ۲ محرم ۶۱ھ بروز پنجشنبہ زمین کربلا پر پہونچے۔

۹۔ ۳ محرم ۶۱ھ کو عمر سعد مع چار ہزار فوج کے کربلا میں وارد ہوا۔ اور حر کا لشکر بھی اسی میں شامل ہو گیا۔

۱۰۔ ۷ محرم سے امام حسینؑ کے لشکر و ہمراہیان پر پانی بند کیا گیا۔

۱۱۔ ۹ محرم کی صبح کو عمر سعد کے لشکر کی صف کشی ہوئی عمر سعد نے پہلا تیر امام حسینؑ کے لشکر کی طرف چلایا اور لوگوں کو اپنی اس حرکت پر گواہ کیا۔

۱۲۔ امام حسینؑ نے ۹ محرم کو ایک شب کی مہلت عبادت خدا کے لیے حضرت عباسؑ کے ذریعہ سے عمر سعد سے حاصل کی۔

۱۳۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ کو امام حسینؑ اور ان کے تمام رفقاء کربلا میں شہید ہوئے۔

۱۴۔ ۱۰ محرم کو بعد شہادت امام حسینؑ فوج یزید نے خیموں میں آگ لگائی اور ان کو لوٹا۔

۱۵۔ ۱۰ محرم کو عمر سعد نے ابن زیاد کو شہادت امام حسینؑ کی اطلاع دی اور اسیران اہلبیت کے لیے ہدایت چاہی اور سر امام حسینؑ کو خولی کے ذریعہ ابن زیاد کے پاس کوفہ روانہ کیا۔

۱۶۔ ۱۱ محرم کو عمر سعد نے کربلا میں مقیم رہکر اپنی طرف کے کشتگان نجس کو دفن کیا اور شہدا کے اجسام پاک سے سر اتار کر ان کو یوں ہی پڑے رہنے دیا۔

۱۷۔ ۱۱ محرم کی شام کو ابن زیاد کا حکم عمر سعد کو ملا اور اس نے اسیران اہلبیتؑ کو کوفہ طلب کیا۔

۱۸۔ ۱۱ محرم کو جب ابن زیاد کو شہادت امام حسینؑ کی اطلاع ملی اس نے فوراً یزید بن معاویہ کو دمشق مطلع کیا اور اسیران کے لیے احکامات چاہے۔

۱۹۔ ۱۲ محرم کو عمر سعد اپنی فوج کے ساتھ اسیران اہلبیتؑ کو لے کر کوفہ کے لیے روانہ ہوا۔

۲۰۔ ۱۳ محرم کو عمر سعد مع کل قافلہ کے کوفہ میں داخل ہوا۔ اسیروں کی تشہیر ہوئی دربار ابن زیاد میں لائے گئے وہاں جائزہ لیا گیا اس کے بعد زندان میں مقید کر دیئے گئے۔

۲۱۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۷ صفر سنہ ۶۱ھ کو یزید بن معاویہ کا حکم ابن زیاد کو ملا کہ اسیران اہلبیتؑ کو دمشق بھیج دو۔

۲۲۔ ۱۸ صفر سنہ ۶۱ھ کو اسیروں کو کوفہ سے دمشق کے لیے روانہ کیا گیا۔

۲۳۔ ۲۰ صفر سنہ ۶۱ھ بروز چہلم اسیرانِ کربلا کوفہ سے دمشق جاتے ہوئے کربلا سے گذرے۔

۲۴۔ زندان شام سے جب اسیرانِ اہلبیتؑ رہا ہونے کے بعد مدینے کے لیے روانہ ہوئے تو ۲۰ صفر سنہ ۶۲ھ کو لٹا ہوا قافلہ کربلا دوبارہ پہونچا۔ اور یہاں پر جابر بن عبداللہ انصاری سے قبر حسینؑ پر ملاقات ہوئی جو بغرض زیارت تشریف لائے تھے۔

۲۵۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسیران اہلبیتؑ کا قافلہ ۸ ربیع الاول سنہ ۶۲ھ کو مدینہ منورہ پہونچا۔

۲۶۔ "علامہ مجلسی کے موافق اہل کوفہ کا پہلا قاصد دسویں رمضان کو حسینؑ کے پاس آیا" (شہید اعظم ۴۱)

۲۷۔ جس دن حضرت مسلمؑ شہید ہوئے اسی دن جناب ہانی کی گردن سربازار ماردی گئی (شہید اعظم صفحہ ۴۱)

۲۸۔ منزل زبالہ پر حضرت مسلمؑ کی شہادت کی اطلاع امام حسینؑ کو ہوئی (شہید اعظم صفحہ ۹۶)

۲۹۔ منزل شراف پر حر کا لشکر امام حسینؑ کو ملا۔ (شہید اعظم صفحہ ۱۰۴)

۳۰۔ عمر سعد کو رے کی حکومت کا پروانہ دینے کا لالچ دیا گیا اس کے بعد قتل امام حسینؑ کے لیے کہا گیا اس نے عذر کیا اس وقت رے کی حکومت نکالنے کی دھمکی دی گئی۔

اس لالچ میں آکر عمر سعد نے اتنی بڑی بدنامی اپنے سرلی جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے بدنام ہو گیا۔

۳۱۔ لشکر امام حسینؑ میں ۳۲ سوار۔ ۴۰ پیادے تھے۔

ناصران حسینؑ معہ احوال ضروری

تعداد شہداء کربلا کے بارے میں مورخین کے درمیان بہت کافی اختلافات ہیں۔ ادارہ باب مقاتل کافی تحقیقات کے بعد بھی اس مشکل مسئلہ کا واحد حل نہ پیدا کر سکے۔ اس لیے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ صفر مدینہ کے رفقت جو حضرات مخصوصین امام کے ساتھ تھے یا جو اثناء راہ میں یا کربلا میں آکر شریک ہوئے اور آخر وقت تک حق رفاقت ادا کیا ان کے اسماء اسی ترتیب سے علیحدہ سرخی قائم کر کے درج کیے جائیں۔ یہ کل اسماء رسالہ نور کراچی مئی ۶۶ء سے لکھے گئے ہیں۔

● بنی ہاشم جو مدینے سے ساتھ چلے۔

۱۔ عبداللہ بن مسلم
۲۔ جعفر بن عقیل
۳۔ محمد بن مسلمؑ
۴۔ عبدالرحمٰن بن عقیل
۵۔ عبداللہ بن عقیل
۶۔ موسیٰ بن عقیل
۷۔ قاسم بن الحسنؑ
۸۔ عبداللہ الاکبر بن الحسنؑ
۹۔ احمد بن حسنؑ
۱۰۔ عبداللہ بن علیؑ
۱۱۔ جعفر بن علیؑ
۱۲۔ عون بن علیؑ
۱۳۔ عثمان بن علیؑ
۱۴۔ عباسؑ بن علیؑ

۱۵. علی اکبر بن حسینؑ

۱۶. علی اصغر بن حسینؑ

۱۷. عون بن عبداللہ

۱۸. محمد بن عبداللہ

• غیر ہاشمی

۱۹. اسلم (ترکی غلام)

۲۰. جون (غلام ابوذرؓ)

۲۱. حارث بن نبہان

۲۲. سعد (غلام امیرالمومنینؑ)

۲۳. سلیمان بن رزین

۲۴. ثبیت بن عبداللہ

۲۵. عبداللہ یقطر

۲۶. قارب پسر کنیز جناب رباب

۲۷ محمد بن سعید بن عقیل

۲۸. منجح بن سہم

۲۹. نصر ابن ابی نیزر

• مدینہ اور مکہ کے درمیان شامل ہونے والے

۳۰. عبادین مہاجر

۳۱. عقبہ بن صلت

۳۲. مجمع بن زیاد

• مکہ سے شامل ہونیوالے

۳۳. ادہم بن امیہ

۳۴. حجاج بن یزید

۳۵. حجاج بن مسروق

۳۶. زاہر بن عمر

۳۷. سالم

۳۸. سعید بن عبداللہ

۳۹. عابس

۴۰. داعی

• مکہ اور کربلا کے درمیان شامل ہونے والے

۴۱. جنادہ بن حارث

۴۲. جندب بن حجر

۴۳. حباب ابن عامر

۴۴. حجاج بن مسروق

۴۵. رافع بن عبداللہ

۴۶. زہیر قین

۴۷. سعد بن عبداللہ

۴۸. سلمان بن مضارب

۴۹. عمر بن عبداللہ

۵۰. عابد بن مجمع

۵۱. عبداللہ بن عمیر
۵۲. عمر بن خالد
۵۳. عون بن عبداللہ بن جعفر
۵۴. مجمع بن عبداللہ
۵۵. نافع بن ہلال
۵۶. نعیم بن عجلان
۵۷. واضح
۵۸ یزید ابن زماد
۵۹. عمرو بن جنادہ

• کربلا میں آنے والے

۶۰. امیہ بن سعد
۶۱. انس بن حرث
۶۲. بشیر بن عمر
۶۳. بکر بن حئی
۶۴. جابر بن حجاج
۶۵. جون بن مالک
۶۶. حارث بن امراء القیس
۶۷. حبشہ بن قیس
۶۸. حبیب ابن مظاہر
۶۹. حجاج بن زید
۷۰. حر بن یزید
۷۱ علاس بن عمر
۷۲ حنظلہ بن سعد
۷۳ زہیر بن سلیم
۷۴ سالم بن عمرو
۷۵ سعد بن حرث
۷۶ سوار بن عابس
۷۷ سیف بن حرث
۷۸ شبیت بن عبداللہ
۷۹ ضرغامہ بن مالک
۸۰ عبداللہ بن بشیر
۸۱ عبداللہ بن عروہ
۸۲ عبدالرحمن بن مسعود
۸۳ عمر بن جبیعہ
۸۴ عمر بن عبداللہ
۸۵ عمرو بن قرظہ
۸۶ عمار بن سلامہ
۸۷ قاسم بن حبیب
۸۸ قاسط بن زہیر
۸۹ گروس ابن زہیر
۹۰ کنانہ ابن عتیق
۹۱ مالک ابن عبداللہ

۹۲ مسلم بن عوسجہ
۹۳ مسعود بن حجاج
۹۴ مقط ابن زہیر
۹۵ موقع بن ثمامہ
۹۶ نعمان بن عمر
۹۷ ابو ثمامہ صیدادی
۹۸ عبدالرحمن بن ربہ
۹۹ وہب بن عبداللہ کلبی
۱۰۰ وہب بن وہب

۱۰۱ سعید بن عبداللہ
۱۰۲ بریر ہمدانی
۱۰۳ عبداللہ بن مسروق
۱۰۴ بشیر بن حضرمی
۱۰۵ ہلال بن نافع
۱۰۶ سمع
۱۰۷ عبداللہ بن قرطبہ
۱۰۸ شوذب
۱۰۹ جنادہ بن کعب

• جو لشکر پسر سعد سے آکر شامل ہوئے۔

۱۱۰ جوین ابن مالک
۱۱۱ حارث ابن امرء القیس
۱۱۲ ابو الحتوف
۱۱۳ بکر بن حیٔ
۱۱۴ حر بن یزید ریاحی
۱۱۵ معدن بن حریث
۱۱۶ عبدالرحمن بن مسعود
۱۱۷ عمر بن جنیعہ
۱۱۸ قاسم ابن حبیب
۱۱۹ نعمان بن عمرو

• جو بی بیاں کربلا میں تھیں

۱ جناب زینب دختر علیؑ
۲ جناب ام کلثوم دختر علیؑ
۳ ام لیلیٰ زوجہ امام حسینؑ
۴ رباب زوجہ امام حسینؑ
۵ فضہ (کنیز جناب فاطمہؑ)
۶ زوجہ جناب مسلم
۷ زوجہ جناب عباسؑ
۸ زوجہ جناب امام حسنؑ مادر جناب قاسم
۹ رباب رملہ زوجہ امام حسنؑ
۱۰ زوجہ عثمان بن علیؑ

۱۱ زوجہ عون بن علیؑ
۱۲ زوجہ جعفر بن عقیل
۱۳ زوجہ موسیٰ بن عقیل
۱۴ فاطمہ کبریٰ دختر امام حسینؑ
۱۵ زوجہ سعد غلام امیرالمومنین
۱۶ زوجہ عبدالرحمٰن بن عقیل
۱۷ زوجہ بریر ہمدانی
۱۸ مسلم بن عوسجہ
۱۹ زوجہ جنادہ بن کعب
۲۰ زوجہ عبداللہ بن عمیر کلبی
۲۱ مادر وہب
۲۲ زوجہ وہب
۲۳ مادر عمرو بن جنادہ
۲۴ مادر قارب بن عبداللہ
۲۵ کنیز جناب اُم لیلیٰ
۲۶ کنیز جناب رباب
۲۷ کنیز جناب عباسؑ

● کمسن بچے جو کربلا میں تھے۔

۱ علی اصغر ابن امام حسینؑ
۲ امام محمد باقرؑ ابن جناب زین العابدینؑ
۳ سکینہ بنت الحسینؑ
۴ رقیہ
۵ عبداللہ بن حسنؑ
۶ عمیر بن جنادہ
۷ رقیہ بنتِ مسلم
۸ عاتکہ بنتِ مسلم
۹ محمد بن ابی سعید
۱۰ دختران جناب عباسؑ
۱۱ پسران جناب عباسؑ
۱۲ فرزند جعفر بن علیؑ
۱۳ دختر عثمان بنِ علیؑ
۱۴ کنیزوں کے دو بچے
۱۵ دختر عبدالرحمن بن عقیل
۱۶ فرزند جنادہ بن کعب

● لشکر حسینی کا فوجی نظام یوم عاشورہ

۱ سپہ سالار حسین بن علیؑ
۲ علمدار حضرت عباس بن علیؑ
۳ میمنہ پر زہیر بن قین
۴ میسرہ پر حبیب ابن مظاہر

۵۔ تعداد فوج بہتر (۷۲)

• لشکر یزید کا فوجی نظام یوم عاشورہ

۱ سپہ سالار عمر سعد	۲ علمدار دُرید غلام عمر سعد
۳ میمنہ پر عمر بن حجاج	۴ میسرہ پر شمر ذی الجوشن
۵ افسر رسالہ خولی	۶ افسر پیادگان شیث ابن ربعی

۷۔ تعداد فوج تیس ہزار (۳۰۰۰۰) کم سے کم

• تعداد مقتولین فوج یزید

"صاحب ناسخ التواریخ کی تحقیق کے موافق جو لوگ لشکر یزید کے کربلا میں حسینی لشکر کے ہاتھوں قتل ہوئے" (بموجب حیات دبیر صفحہ ۶۰۴) ان شہیدان راہ خدا کے اسماء کے سامنے جو تعداد تحریر کی گئی ہے وہ مقتولین کی ہے۔

۱	علی ابن حر غازی	۷۰	۱۱	غلام ترکی	۵۰
۲	حر بن یزید ریاحی (آخری حملہ)		۱۲	یزید بن زیاد	۵
۳	بریر ہمدانی	۱۲	۱۳	سیف بن ابی الحارث	۵
۴	وہب کلبی (حملہ دوم)	۱۰۲	۱۴	زیاد ابن مظاہر	۹
۵	زوجہ وہب کلبی	۳	۱۵	ابراہیم ابن الحسین	۸۴
۶	مسلم بن عوسجہ	۵۰	۱۶	علی ابن مظاہر	۷۰
۷	پسر مسلم بن عوسجہ	۳	۱۷	المصلےٰ ابن العلی	۶۴
۸	ہلال بن نافع	۹۳	۱۸	طرماح ابن عدی	۷۰
۹	زہیر قین	۱۲۰	۱۹	محمد بن مطاع	۳۰
۱۰	حجاج بن مسروق	۱۵۰	۲۰	جابر بن عروہ	۸۰

۲۱	مالک ابن عروہ	۶۰	۲۹	عون بن عبداللہ	۱۲
۲۲	انس بن معقل	۱۰	۳۰	قاسمؑ بن حسنؑ	۷۰
۲۳	عبداللہ بن مسلم	۹	۳۱	عبداللہ اکبر بن حسنؑ	۱۴
۲۴	جعفر بن عقیل	۱۵	۳۲	احمد بن حسنؑ	۱۹۰
۲۵	عبدالرحمٰن بن عقیل	۱۷	۳۳	عبداللہ اصغر ابن علیؑ	۲۱
۲۶	موسیٰ بن عقیل	۷۰	۳۴	عباس بن علیؑ (صرف دریا پر جاتے وقت)	۸۰
۲۷	احمد بن محمد بن عقیل	۸۰	۳۵	علی اکبر ابن الحسینؑ	۲۰۰
۲۸	محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار	۱۰	۳۶	امام حسینؑ	۱۹۵۰

تعداد مقتولین فوج یزید ۴۱۶۳

• کوفہ میں شہادت پانے والے۔

۱ عبداللہ یقطر — ۵ مسلم ابن عقیل

۲ ہانی بن عروہ — ۶ محمد بن مسلم

۳ عبد الاعلی — ۷ ابراہیم بن مسلم

۴ عمار بن صلحت — ۸ قیس ابن سیر

• اصحاب رسولؐ جو کربلا میں شہید ہوئے۔

۱. جناب انس بن حارث کاہلی — ۲. جناب حبیب ابن مظاہر الاسدی

۳. جناب مسلم بن عوسجہ ابن سعد

• قبل واقعہ کربلا جو صحابی ابن زیاد کے حکم سے قتل ہوئے۔

۱ جناب ہانی بن عروہ — ۲ جناب عبداللہ بن یقطر

• واقعہ کربلا میں جو غلام شہید ہوئے۔

۱. جناب نصر غلام حضرت علیؑ — ۲. جناب سعد غلام حضرت علیؑ

۳۔ جناب سبیح غلام حضرت امام حسنؑ ۴۔ جناب اسلم غلام حضرت امام حسینؑ

۴۔ جناب قارب غلام حضرت امام حسینؑ ۶۔ جناب حارث غلام جناب حمزہؑ

۷۔ جناب جون غلام حضرت ابوذر غفاری ۸۔ جناب رافع غلام حضرت مسلم ازدی

۸۔ جناب سعد غلام حضرت صیداوی ۹۔ جناب سالم غلام جناب بنی مدینہ

۱۱۔ جناب سالم غلام جناب عامر عبدی ۱۲۔ جناب شوذب غلام جناب شاکر

۱۳۔ جناب شبیب غلام جناب جابر ۱۴۔ جناب واضح غلام جناب حرث بن سلمان

- بصرہ میں امام حسینؑ کے غلام شہید ہوئے۔

۱۔ جناب سلیمان۔

- بعد شہادت امام حسینؑ کربلا میں شہید ہوئے۔

۱۔ جناب سوید بن ابی المطاع ۲۔ جناب سعد بن حرث

۳۔ جناب ابو الفتوح بن حرث ۴۔ جناب محمد بن ابی سعد بن عقیل

- بعد شہادت حسینؑ معرکہ کربلا کے زخموں کی اذیت سے راہی جنت ہوئے

۱۔ جناب سوار بن منعم نہمی (چھ ماہ بعد انتقال کیا) (۲) جناب موقع بن ثمامہ صیداوی (چھ ماہ بعد انتقال کیا)

- کربلا میں نابالغ شہید ہوئے۔

۱۔ جناب عبداللہ (علی اصغر) ۲۔ جناب عبد اللہ بن حسنؑ

۳۔ جناب قاسم بن حسنؑ ۴۔ جناب محمد بن ابی سعید بن عقیل

۵۔ جناب عمر ابن جنادہ انصاری۔

- مستورات جو کربلا میں شہید ہوئیں۔

۱۔ زوجہ وہب۔

مستورات جنھوں نے کربلا میں جنگ کی :۔

۱. جناب عبداللہ کلبی کی والدہ۔ ۲. جناب عمر ابن جنادہ کی ماں

نوٹ :۔ ان مستورات کو امامؑ نے جنگ سے روک دیا لہٰذا میدان سے واپس آگئیں۔

● اسماء اسیران اہلبیتؑ۔

میں نے چاہا تھا کہ اسیران کربلا کے مصدق اسماء درج کروں اس کے لیے کافی سعی کی مگر مجھے کسی کتاب میں اسماء دستیاب نہ ہو سکے جب میں اپنی کوششوں میں ناکام ہو گیا تو میں نے اکابر علماء سے دریافت کیا لیکن میرا مطلب حاصل نہ ہو سکا اس سلسلہ میں عزیزی ڈاکٹر سید عابد حیدر زیدی سلمہ مجبوری سے بھی ذکر آیا عزیزی سلمہ کو مجالس پڑھنے کا بے حد شوق ہے اور اس سلسلہ میں وہ کافی کتب بینی بھی کرتے رہتے ہیں اور تاریخ سے بھی کافی دلچسپی ہے لہٰذا انھوں نے کافی کوشش کی اور بعد کو جناب علامہ کاظم پوری صاحب سے ذریعہ خط دریافت کیا علامہ ممدوح نے جو جواب مرحمت فرمایا اس کی عبارت حسب ذیل ہے:

۱. "اسیران کربلا کی کوئی مکمل و جامع فہرست مقاتل میں نہیں دی گئی ہے۔

۲. کربلا سے اسیر ہو کر کوفہ جانے والی خواتین بیس تھیں (نفس مہموم صفحہ ۲۰۴ عباس قمی)

۳. انصار کی عورتوں کو کوفہ میں رہا کر دیا گیا۔

۴. کوفہ سے شام صرف وہ عورتیں گئیں جو مدینہ سے چلی تھیں اس

یں امام کی ازواج ۔ بہنیں ۔ بیٹیاں اور چند کنیزیں تھیں"۔ (خط ۲ جولائی ۱۹۶۹ء ۶ از علی گڑھ)

جواب مندرجہ بالا سے اس امر کی مزید تصدیق ہو گئی کہ اسیران کربلا جب دربار ابن زیاد کوفہ میں پیش ہوئے تو اس نے اسیروں کا جائزہ لیا اس وقت اس کے لشکریوں نے اپنے قبائل کے اسیروں کی سفارشیں کیں اور ابن زیاد نے ان کو رہا کر دیا۔

اب اگر غور کیا جائے تو حسب ذیل ذوات کا اسیری میں ہونا ظاہر ہوتا ہے جو قریب بہ یقین ہے اس لیے کہ جو حضرات کربلا میں ہمراہ تھے ان کے شہید ہو جانے کے بعد اور دربار ابن زیاد سے کچھ اسیروں کی رہائی کے بعد صرف ذریت رسولؐ ہی حلقۂ اسیری میں رہ جاتی ہے اور اس میں جناب فضہ اور پانچ کنیزان خاص کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ امام زین العابدینؑ ۲۔ جناب زینب بنت علیؑ

۳۔ جناب ام کلثوم بنت حضرت علیؑ ۴۔ جناب ام فروہ زوجہ امام حسنؑ مادر جناب قاسمؑ

۵۔ جناب رملہ زوجہ امام حسنؑ ۶۔ جناب ام لیلیٰ زوجہ امام حسینؑ مادر جناب علی اکبرؑ

۷۔ جناب ام رباب زوجہ امام حسینؑ مادر جناب علی اصغرؑ ۸۔ جناب فاطمہ زوجہ حضرت عباسؑ

۹۔ زوجہ جناب عثمان بن علیؑ ۱۰۔ زوجہ جناب عون بن حضرت علیؑ

۱۱۔ زوجہ جعفر بن عقیل ۱۲۔ زوجہ موسیٰ بن عقیل

۱۳۔ زوجہ عبدالرحمٰن بن عقیل ۱۴۔ جناب رقیہ بنت حضرت علیؑ زوجہ جناب مسلمؑ

۱۵۔ جناب فاطمہ کبریٰ دختر امام حسینؑ ۱۶۔ جناب فضہ کنیز جناب فاطمہؑ

۱۷۔ پانچ کنیزان خاص

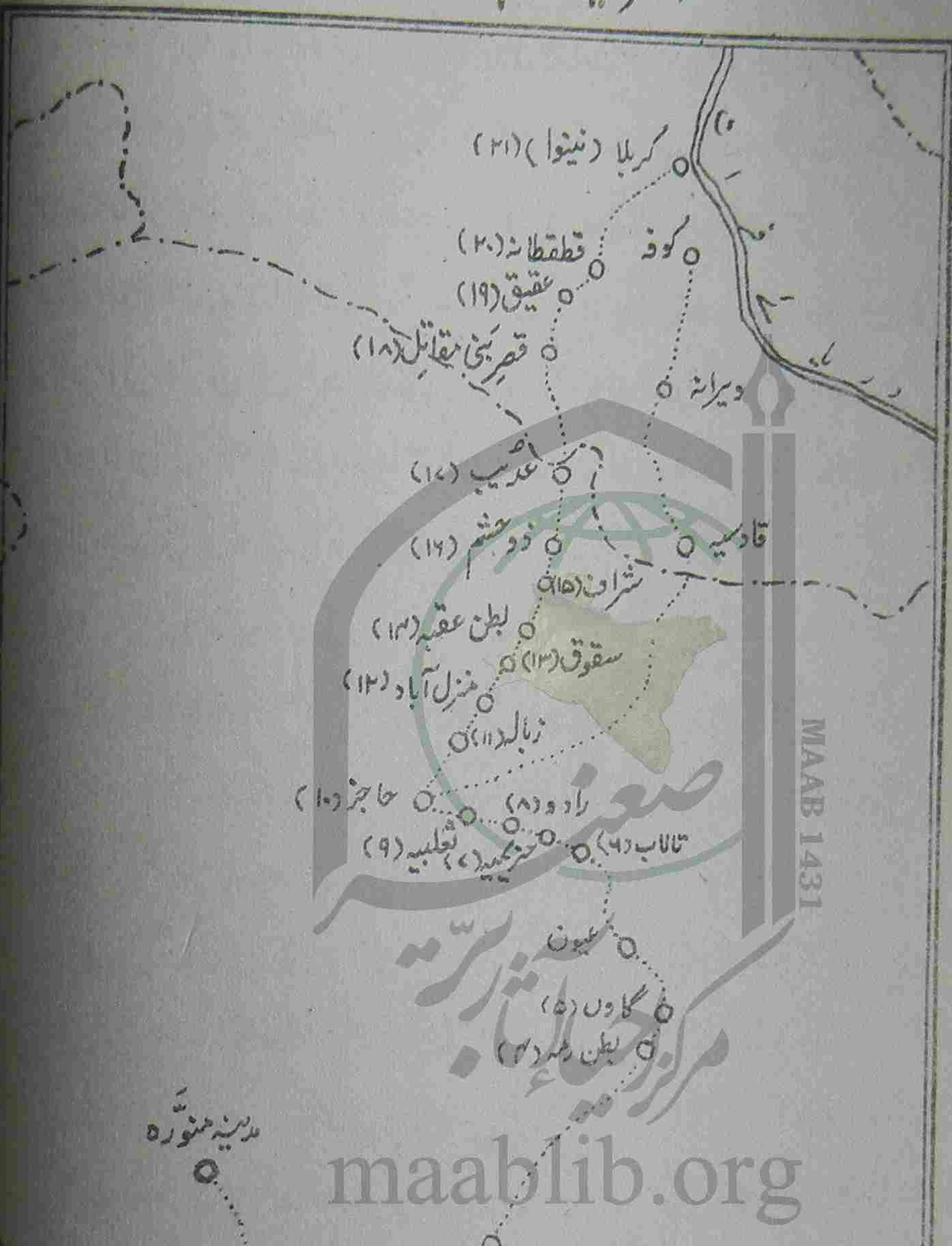
٭

کمسن بچے:-

۱. امام محمد باقرؑ بن امام زین العابدینؑ
۲. جناب سکینہ دختر امام حسینؑ
۳. جناب رقیہ دختر امام حسینؑ
۴. جناب رقیہ بنت جناب مسلمؑ
۵. جناب عاتکہ بنت جناب مسلمؑ
۶. پسران حضرت عباسؑ
۷. دختران حضرت عباسؑ
۸. فرزندان جعفر بن حضرت علیؑ
۹. دختران عثمان بن حضرت علیؑ
۱۰. دختران عبدالرحمٰن بن حضرت عقیل

راستے کی تکالیف اور پیاس کی شدت کی وجہ سے چند بچے جاں بحق تسلیم ہو گئے جن کی تشریح ناممکن ہے۔

نقشہ سفر سید الشہداء از مدینہ تا کربلا



یادداشت متعلق سفر سید الشہدا از مدینہ تا کربلا

۱۔ امام حسینؑ مدینہ سے مکہ کے لیے ۲۸ رجب سنہ ۶۰ھ یوم سہ شنبہ بوقت شب روانہ ہوئے۔

۲۔ امام حسینؑ سے جناب عون و محمد ابنائے عبداللہ بن جعفر (پسران جناب زینبؑ) بعد روانگی مدینہ راہ میں آکر ملے۔

۳۔ امام حسینؑ ایک روایت کے بموجب ۳ شعبان سنہ ۶۰ھ کو مکہ پہونچے۔

۴۔ امام حسینؑ پہلی شب شعب ابوطالب (مکہ) میں مقیم ہوئے اور ایک روایت ہے کہ ابن عباسؓ کے یہاں قیام فرمایا۔

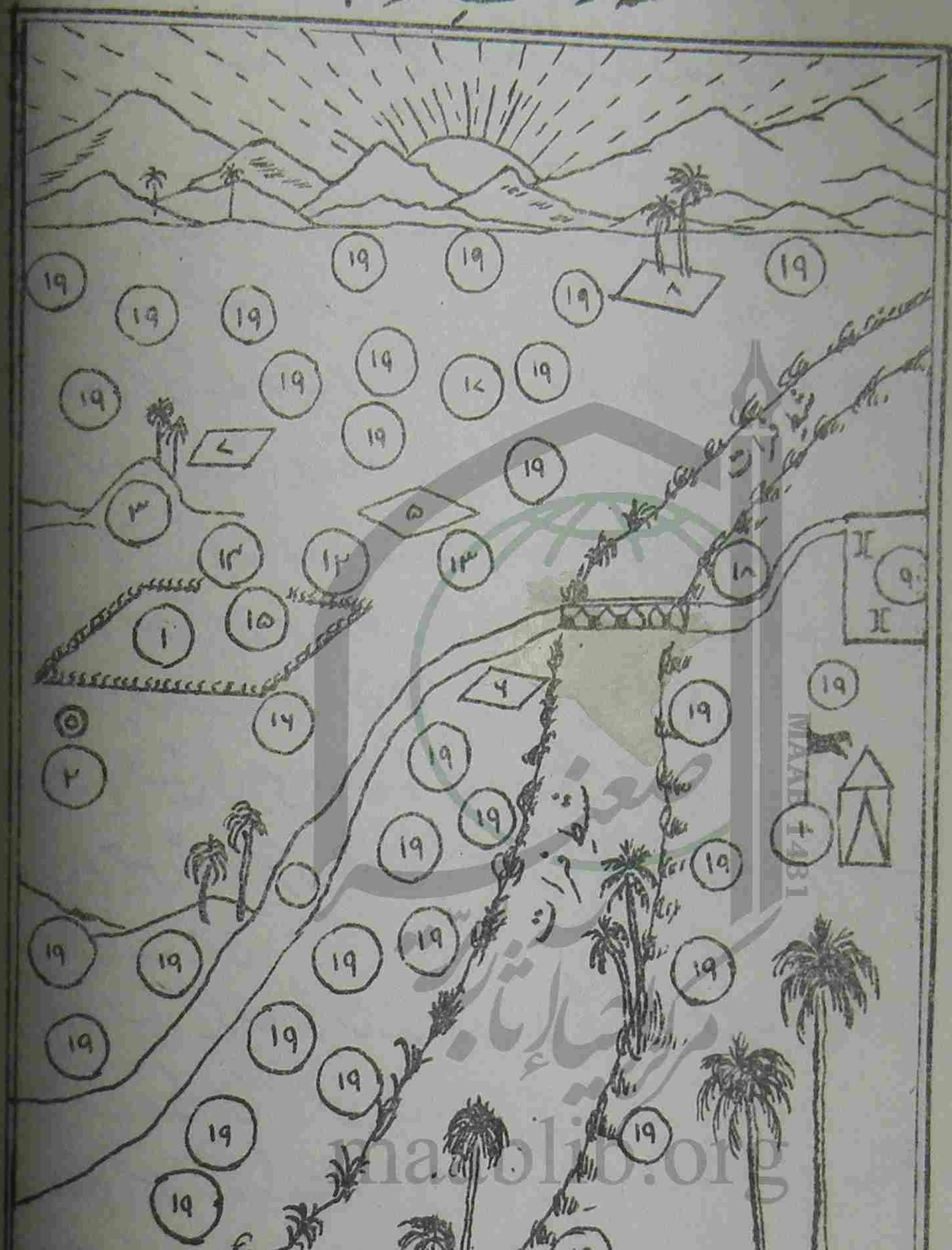
۵۔ امام حسینؑ کی پہلی منزل مکہ سے روانگی پر تنعیم ہے۔

۶۔ امام حسینؑ سے منزل صفاح پر مشہور شاعر محب اہلبیت فرزدق سے ملاقات ہوئی۔

۷۔ امام حسینؑ کے سفر کی منازل درمیان مکہ و کربلا بموجب تحریر مولف "سیدہ کی بیٹی" تیس ہیں۔

۸۔ امام حسینؑ نے مکہ سے کربلا کا سفر پچیس ۲۵ دن میں تمام کیا اور یہ فاصلہ ۹۴۶ میل کا ہے۔

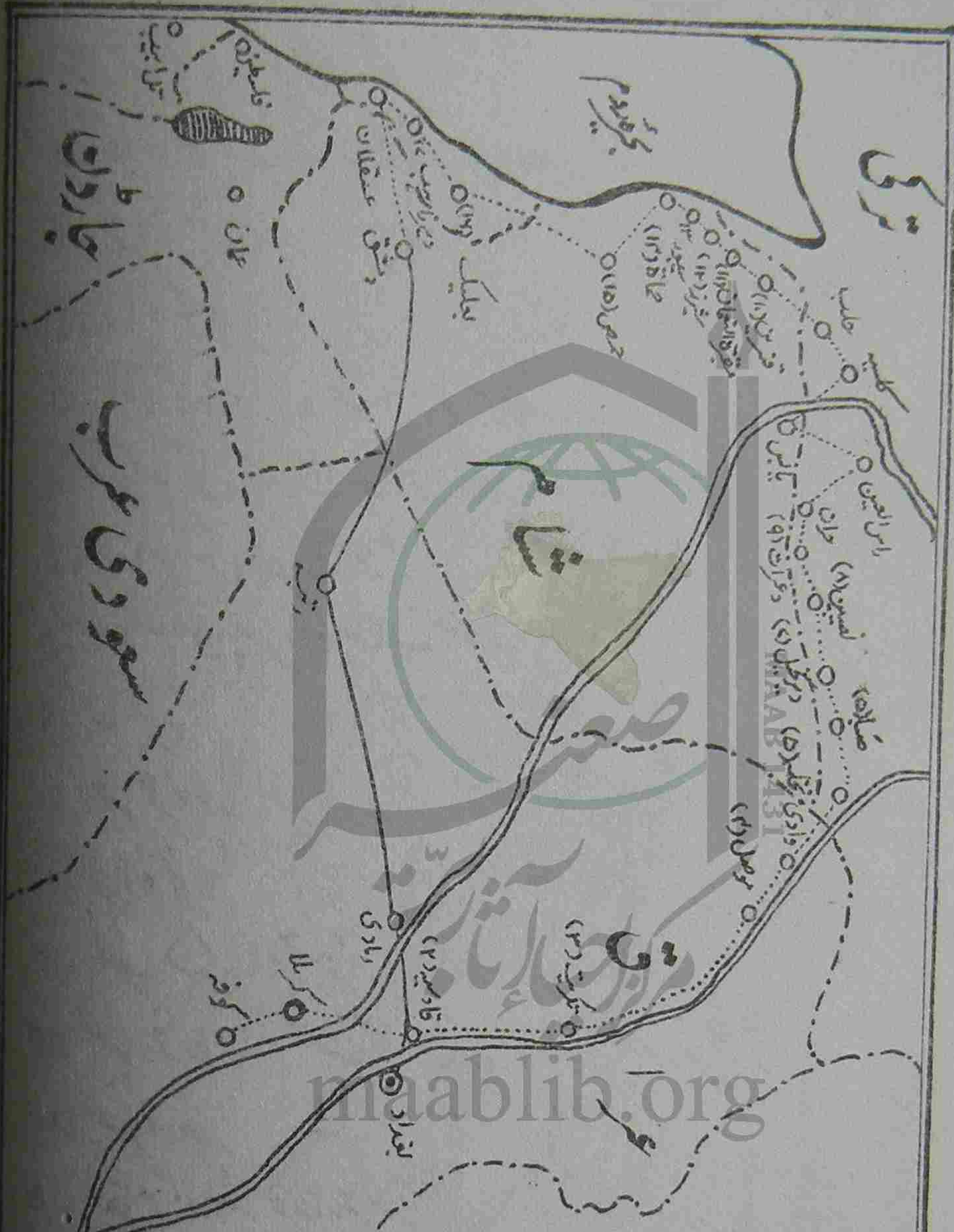
نقشہ دشت کربلا



یادداشت متعلق نقشہ دشتِ کربلا

۱۔ خیمہ گاہ امام حسینؑ
۲۔ چاہ جو حضرت عباسؑ نے کھودا تھا۔
۳۔ تِلِ زینبیہ۔
۴۔ راہ کوفہ۔
۵۔ قتل گاہ و روضہ امام حسینؑ
۶۔ مقام قتل حضرت عباسؑ و روضہ
۷۔ مقام قتل حضرت حرؓ۔
۸۔ مقام قتل پسران جناب مسلمؑ
۹۔ غاضریہ
۱۰۔ خیمہ عمر سعد
۱۱۔ چراہ گاہ
۱۲۔ قلب لشکر امام حسینؑ
۱۳۔ میمنہ فوج امام حسینؑ
۱۴۔ میسرہ ؍؍
۱۵۔ مقام معائنہ فوج یزید
۱۶۔ آتش برائے حفاظت خیمہ گاہ شب عاشور
۱۷۔ مقام شہادت حضرت علی اکبرؑ
۱۸۔ پُل دریائے فرات براہِ کوفہ
۱۹۔ فوج یزید

نقشه سفر اسیران کربلا از کربلا تا کوفه و از کوفه تا دمشق



تفصیل مسافت قافلہ حسینی از مدینہ تا کربلا براہ مکہ قبل عاشور

اور

از کربلا تا دمشق بحالت اسیری

۱. مدینہ سے مکہ		۲۰۳ میل
۲. مکہ سے کربلا		۹۴۶ میل
۳. کربلا سے کوفہ		۴۰ میل
۴. الف:	کوفہ سے براہ عسقلان دمشق جس کا زیادہ تر حصہ دریائے دجلہ کے کنارے ہے اسی سے اسیران کو دمشق لے جایا گیا جو طولانی ہے	۱۲۳۶ میل
ب.	کوفہ سے دمشق براہ دریائے فرات جو شاہراہِ عام تھی اس کو چھوڑ دیا گیا۔	۸۴۴ میل
ج.	کوفہ سے دمشق براہ صحرا جو ناقابل سفر ہے۔	۶۴۴ میل

العزا

(تفصیلات مراسم عزا)

۱۳۸۹ھ

حصّہ دوم

مؤلفہ

علی محمد زیدی

وضاحت

حصہ دوم میں پہلے اُن حضرات کے سوانح حیات درج کئے گئے ہیں جن کا تذکرہ مجالس میں عموماً ہوتا رہتا ہے اُس کے بعد ان ہستیوں کا ذکر ہے جنھوں نے ترقیٔ عزا میں دلچسپی لی۔

مؤلف

العزا

حصہ دوم

سوانح حیات انبیاء و مرسلین

۱۔ جناب آدمؑ۔ کل انبیاء و مرسلین کے بزرگ اور ہر انسان کے جدِ اعلیٰ حضرت آدم ہی ہیں جب خدا نے آپ کو پیدا کرنا چاہا تو ایک فرشتہ عزرائیل کو حکم دیا کہ زمین سے ایک مٹھی مٹی لائے۔ عزرائیل سخت و نرم اور سیاہ و سفید و سرخ وغیرہ غرض ہر قسم کی زمین سے ایک ایک مٹھی مٹی لیگئے اس سے خدا نے حضرت آدمؑ کا پتلا بنا کر اس میں روح پھونک دی اس طرح مختلف قسم کی مٹیوں کے مجموعہ سے آپ پیدا ہوئے جب خدا نے آپ کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں فرشتوں نے کہا کہ کیا تو زمین پر ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے حالانکہ ہم لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ہم تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ جواب ملا جو ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے ہو آپ کی شادی جناب حوا سے ہوئی اور دونوں میاں بیوی آرام سے بہشت میں رہنے لگے۔ خدا نے ایک درخت کے بارے میں دونوں کو حکم دیا تھا کہ اس کے پاس کبھی نہ

جانا مگر شیطان نے ان حضرات کو آمادہ کیا کہ اس درخت کا پھل کھالیں ان حضرات سے ترک اولیٰ سرزد ہو گیا اس پر خدا کی طرف سے حضرت آدم کو وحی ہوئی کہ تم نے وہ کام کیا ہے جس کا کرنا ہے تمہارے لیے مناسب نہیں تھا اب تم دونوں بہشت سے اتر کر زمین پہ چلے جاؤ چنانچہ دونوں بزرگ زمین پر آ گئے۔ حضرت آدمؑ نے ۹۳۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا بروقت انتقال آپ کی اولاد پوتے پر دتوں کی تعداد چالیس ہزار تک پہونچ گئی تھی آپ نے اپنا وصی حضرت شیثؑ کو مقرر کیا۔

۲۔ جناب ادریسؑ۔ آپ بردیاد کے بیٹے تھے حضرت آدم کی ساتویں پشت میں پیغمبر ہوئے۔ آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔ جب قوم نے اطاعت نہیں کی تو سات سال کے قحط کا عذاب خداوند عالم نے نازل کیا۔ جب توبہ کی تو پانی برسا۔

۳۔ جناب نوحؑ۔ آپ لامخ کے صاحبزادے تھے حضرت آدمؑ کی دسویں پشت میں تھے ۴۸۰ سال کے ہوئے تو خدا نے ان کو پیغمبرؑ بنایا جس کے بعد ۱۲۰ سال تک لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے رہے۔ پھر خدا نے نافرمانوں پر عذاب نازل کیا اس سے آپ کو اور دوسرے مطیع بندوں کو بچانے کیلئے کشتی بنانے کا حکم دیا جب کشتی کافی عرصہ کے بعد تیار ہو گئی تو نہایت شدید طوفان آیا چالیس شب و روز سخت بارش ہوئی تمام انسان و حیوان سوائے ان کے جن کو حضرت نوحؑ نے کشتی پر بٹھا لیا ڈوب گئے۔ آپ نے ۹سو پچاس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کی قبر کوفہ میں اور بعض روایت کے مطابق شہر کرک ملک شام میں ہے۔

۴۔ جناب ہودؑ۔ آپ سام کے بیٹے تھے ملک یمن اور حضرموت میں علاقہ احقاف کی طرف ایک قوم آباد تھی خدا نے ان لوگوں کی ہدایت کے لیے

آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ لوگوں نے آپ کی باتیں نہ مانیں تو آپ کو بہت اذیت ہوئی خدا نے ان لوگوں کے لیے سات رات اور آٹھ دن تک ایسی سخت آندھی بھیجی کہ سوائے حضرت اور آپ کے ایماندار ساتھیوں کے جو وہاں سے علیحدہ ہو کر ایک خطیرہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے سب ہلاک ہو گئے جناب ہودؑ نے وہیں انتقال کیا اور حضرموت یا مکہ معظمہ کے مقام حجر میں دفن کیے گئے

۵۔ جناب صالحؑ۔ آپ ثمود بن ارم بن سام کے بیٹے تھے۔ قوم ثمود پر جو شام اور یمن کے درمیانی حصے حجاز و حجر میں آباد تھی پیغمبر بنا کر بھیجے گئے آپ کی قوم نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو خدا نے آپ کی تصدیق کے لیئے پہاڑ سے ایک اونٹنی اس کے بچے کے ساتھ نکالی آپ کا انتقال مکہ معظمہ میں ہوا اور حجر میں دفن کیئے گئے۔

۵۔ جناب ابراہیمؑ آپ کے والد کا نام تارخ تھا آپ کے چچا کا نام آزر تھا جو بت پرست تھا۔ کوفہ کے اطراف میں ایک قریہ کوثا ہے وہیں آپ کی ولادت ہوئی بادشاہ وقت نمرود سے۔ نجومیوں نے کہا تھا کہ آپ کی سلطنت میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو آپ کے بتوں کو توڑ کر آپ کے مذہب کو مٹانے کی کوشش کرے گا اس پر نمرود نے ہر حاملہ عورت کو اپنے یہاں قید کر لیا مگر حضرت ابراہیمؑ کی ماں کا حاملہ ہونا چھپا رہ گیا۔ جب آپ کی ماں کو درد زہ شروع ہوا تو وہ رات کو بستی کے باہر ایک غار میں نکل گئیں وہاں آپ پیدا ہوئے جس کے بعد آپ کی ماں آپ کو غار میں بحفاظت چھپا کر چلی آئیں وہاں حضرت ابراہیم بہت تیزی سے بڑھنے لگے جب پندرہ ماہ کے ہو گئے تو اچھی طرح بولنے لگے اور اپنی ماں سے کہا کہ اب مجھے یہاں سے نکالیے تا کہ میں دیکھوں کہ باہر کیا ہے۔ ماں نے رات کے وقت آپ کو باہر نکالا تو آپ نے فرمایا کہ

جس ذات نے مجھکو پیدا کیا مجھے رزق دیا ہے مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے
یقیناً وہی میرا رب ہے اور معبود ہے اس کے سوا میرا کوئی خدا نہیں ہے
ستارہ چاند سورج یہ سب غروب ہو جانے والی چیزیں ہیں ہرگز خدا نہیں
ہو سکتیں۔ خدا تو وہی ہے جس نے ان سب کو اور آسمانوں و زمین کو
پیدا کیا۔ آپ نے اپنے چچا آزر سے کہا کہ آپ اس چیز کی عبادت کیوں کرتے
ہیں جو نہ دیکھتی ہے نہ سنتی ہے نہ آپ کو فائدہ پہونچاتی ہے۔ اس نے جواب
دیا تم میرے بتوں سے نفرت کرتے ہو اگر تم اس سے باز نہ آئے تو میں تمھیں
ضرور سنگسار کروں گا ایک دن کسی جشن میں گھر کے لوگ گئے ہوئے تھے
آپ کو موقع ملا اور آپ نے سب بتوں کو توڑ ڈالا اس کی خبر بادشاہ نمرود
کو ہوئی اس نے آپ کو گرفتار کرا کے بلوایا اور پوچھا کہ تم نے بتوں کو توڑا
ہے آپ نے فرمایا جو سب سے بڑا بت ہے اس سے دریافت کرو اگر یہ بول سکتا
ہے تو جواب دے گا اس پر وہ سب لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے تب حضرت
ابراہیم نے ان لوگوں کو سمجھایا مگر کوئی اثر نہ ہوا اور نمرود نے حکم دیا کہ یہ
آگ میں ڈال دیئے جائیں حکم کی تعمیل ہوئی اور آپ آگ میں ڈال دیئے گئے
مگر کوئی اذیت آپ کو نہ پہونچی اس کے بعد لوگ چھپ کر حضرت ابراہیمؑ
پر ایمان لائے نمرود نے آپ کو اور آپ کے پیروؤں کو جلا وطن کر دیا یہ
حضرات حرّان جا کر کچھ دن تک رہے وہاں سے مصر چلے گئے وہاں کا بادشاہ
طولیس تھا اس نے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ کی خوبصورتی کا ذکر
سنا تو اس نے دربار میں طلب کیا اور کہا کہ یہ تمھاری کون ہے آپ نے
تقیہ کر کے کہا کہ میری بہن ہے۔ اسی وقت اس نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا
جو فوراً خشک ہو گیا بادشاہ ڈر گیا اور فوراً توبہ کر لی تو ہاتھ اچھا ہو گیا اس

کے بعد بادشاہ نے جناب سارہ کو ایک لڑکی حاجرہ بطور تحفہ پیش کی اور ان حضرات کو رخصت کیا وہاں سے یہ حضرات شام میں تشریف لائے اور رملہ اور ایلیہ کے درمیان قیام فرمایا اس وقت تک جناب سارہ کے کوئی اولاد نہ تھی اس وجہ سے جناب سارہ نے حاجرہ کو زوجیت جناب ابراہیمؑ میں دے دیا جن کے بطن سے جناب اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے اس وقت جناب ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ سال کی تھی اس کے بعد خدا نے جناب سارہ کو بھی ایک بیٹا دیا جس کا نام اسحاقؑ رکھا یہ حضرت اسمٰعیلؑ سے چار سال چھوٹے تھے اب جناب سارہ و جناب حاجرہ میں صفائی نہ رہی جناب ابراہیمؑ نے دونوں کو ایک جگہ رکھنا مناسب نہ خیال کیا۔ جناب سارہ اور جناب اسحٰقؑ کو شام میں چھوڑ کر جناب حاجرہ اور جناب اسمٰعیلؑ کو لے کر مکہ میں آئے یہاں ان کو چھوڑ کر خود شام واپس گئے۔ مکہ میں خدا کی قدرت سے آبادی ہونے لگی مختلف اطراف کے لوگ آکر بسنے لگے۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے وہیں قبیلۂ جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کرلی اور آپ کی اولاد بڑھنے لگی کچھ دنوں کے بعد جناب حاجرہ کا انتقال ہو گیا اس وقت جناب ابراہیمؑ پھر مکہ تشریف لائے اور آپ نے اور جناب اسمٰعیلؑ نے مل کر خانہ کعبہ بحکم خداوندعالم تعمیر کیا اس وقت آپ کی عمر سو سال کی تھی قبل تعمیر کعبہ خواب میں خدا نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے جناب اسمٰعیلؑ کو ذبح کرو آپ نے تعمیل کی اور زمین پر لٹا کر چھری پھیرنا ہی چاہتے تھے کہ خدا نے فرمایا اے ابراہیمؑ بے شک تم نے خواب کی تصدیق کردی نیک بندوں کو ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں یہی بلائے مبین ہے اور ہم نے ذبح عظیم کو اس کا فدیہ قرار دیا اس کے بعد خدا نے فرمایا اے ابراہیمؑ میں نے تم کو لوگوں کا امام بنا دیا حضرت ابراہیمؑ

نے پوچھا اے خدا کیا میری اولاد میں سے بھی لوگوں کو امام بنائے گا فرمایا ہاں بناؤں گا مگر ظالمین کو میرا عہدہ نہ پہونچے گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ۸۰ سال کی عمر میں اپنے ہاتھ سے اپنا ختنہ کیا۔ ایک سو پچھتر سال کی عمر میں انتقال کیا اور قدس جلیل میں دفن کیے گئے آپ کا لقب خلیل اللہ تھا اور خدا کے یہاں آپ کا درجہ یہ تھا کہ خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کو حضرت ابراہیمؑ کی شریعت پر قائم رہنے کا حکم دیا کلی کرنا ناک میں پانی ڈالنا مسواک کرنا ناخن تراشی وغیرہ آپ نے ایجاد کی۔

۷۔ جناب لوطؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے حقیقی بھتیجے تھے آپ نے اپنے چچا حضرت ابراہیم پر ایمان لاکر مصر کی طرف ہجرت کی اور پھر حضرت کے ساتھ شام واپس آئے۔ خدا نے آپ کو پیغمبر بنا کر سدوم والوں کی طرف بھیجا جو کفر و فحش کے خوگر ہوگئے تھے ان کی قوم لڑکوں سے لواطہ کرنے کی عادی ہوگئی تھی آپ ان کو بہت سمجھاتے اور خلاف فطرت امر سے منع کرتے رہے مگر لوگوں نے آپ کی بات نہیں مانی تو خدا نے فرشتوں کو بھیجا جنھوں نے سدوم اور ان کی پانچ بستیوں کو الٹ دیا۔

۸۔ جناب اسمٰعیلؑ۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے تھے اور بطن جناب حاجرہ سے تھے جب جناب سارہ اور آپ کی والدہ سے تعلقات خراب ہونے لگے تو حضرت ابراہیمؑ نے جناب حاجرہ اور جناب اسمٰعیلؑ کو شام سے مکہ معظمہ پہونچا دیا اور حضرت ابراہیمؑ شام واپس تشریف لے گئے آپ کے جانے کے بعد جناب حاجرہ اس چٹیل میدان میں حیران و پریشان پھرتی تھیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ صرف تھوڑا کھانا پانی ساتھ لائے تھے وہ ختم ہوگیا اور جناب اسمٰعیلؑ پانی کی مصیبت سے تڑپنے لگے تو جناب حاجرہ

سے برداشت نہیں ہو سکا۔ آپ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑتی پھریں سات مرتبہ کوہ صفا و کوہ مروہ کی چوٹیوں تک آئیں اور گئیں اتنے میں جناب اسمٰعیلؑ کے رونے کی آواز سنی دوڑ کر گئیں تو دیکھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ زمین پر اپنے پاؤں مار رہے ہیں اور اس کے نیچے سے پانی کا ایک چشمہ جوش مار رہا ہے پھر جناب ہاجرہ کی خوشی کیونکر بیان ہو ان کا لال بچ گیا۔ پانی سے اس کو سیراب کیا اور خود بھی سیراب ہوئیں اس کے پانچویں روز بنو جرہم ثانیہ کا ایک گروہ ادھر سے گزرا وہ لوگ قریب گئے تو پانی کا چشمہ دیکھکر وہیں اتر پڑے اور سکونت اختیار کر لی۔

جناب اسمٰعیلؑ نے انھیں لوگوں میں پرورش پائی اور اسی قبیلہ میں شادی کر لی ابھی آپ کی عمر پندرہ سال کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ جناب ہاجرہ کا انتقال ہو گیا اور مقام حجر میں دفن ہوئیں اس کے بعد جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ بنانے کا حکم دیا تو آپ مکہ میں تشریف لائے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ خانہ کعبہ کو اس طرح بنانے لگے کہ حضرت اسمٰعیلؑ پتھر و گارا اٹھا کر دیتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ دیوار اٹھاتے جب کعبہ بن چکا تو آپ نے حجر اسود منگا کر مقام رکن پر رکھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے ۱۳۷ سال کی عمر میں انتقال کیا اور حجر میں دفن ہوئے آپ نے اپنے فرزند قیدار کو اپنا وصی مقرر کیا۔

۹۔ جناب اسحاقؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادے ہیں جو بطن جناب سارہ سے اس وقت پیدا ہوئے جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر نوے سال کی تھی۔ آپ شام میں ہی رہے اور درجہ نبوت پر فائز ہوئے آپ کی اولاد ملک شام میں اور اس کے اطراف میں تھی آپ کا انتقال ۱۸۰ سال کی عمر میں

ہوا اور حضرت ابراہیم کے پاس ہی دفن ہوئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کے درمیان مناسب خوشگوار تعلقات تھے اور دونوں بھائی باوجود دور مقامات پر رہنے کے دل سے بالکل ملے ہوئے تھے۔

۱۰۔ جناب یعقوبؑ۔ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے تھے آپ کو خدا نے نبوت کے درجہ پر فائز کیا۔ آپ کو اسرائیل بھی کہتے ہیں۔ یہودی آپ کی اولاد میں سے ہیں اس وجہ سے ان کو بھی بنی اسرائیل کہنے لگے۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے جن کی وجہ سے آپ کی اولاد کی کافی ترقی ہوئی آپ اپنے سعید فرزند حضرت یوسف سے بے حد محبت کرتے تھے اسی وجہ سے آپ کے دوسرے فرزندوں نے حضرت یوسف کو بربنائے بغض و حسد بیچ ڈالا۔ جناب یعقوب حضرت یوسف کے فراق میں اس درجہ روئے کہ نابینا ہو گئے جب حضرت یعقوب ۹۱ سال کے ہو گئے تب آپ پر حضرت یوسفؑ کے فراق کی مصیبت نازل ہوئی اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ ۲۱ سال دونوں باپ بیٹے جدا رہے اس کے بعد حضرت یعقوبؑ مصر گئے وہاں حضرت یوسفؑ کو پایا۔ ۱۴۷ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

۱۱۔ جناب یوسفؑ۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے جن میں سب سے چھوٹے حضرت یوسف تھے آپ حسن و جمال میں بھی مشہور آفاق ہیں حضرت یعقوبؑ آپ کو بہت چاہتے تھے اس وجہ سے دوسرے بھائیوں نے آپ سے حسد کیا اور کسی بہانے سے باہر لے جاکر ایک کوئیں میں ڈال دیا کہ جب یہ نہیں رہیں گے تو باپ ان سے محبت بھی نہیں کریں گے اتفاق سے ایک قافلہ ادھر سے گذرا ان کو معلوم ہو گیا کہ کوئی کوئیں میں گرا ہے تو انھوں نے حضرت یوسفؑ کو نکالا۔ مگر بھائیوں کو خبر ہو گئی آکر دعویٰ کیا کہ ہمارا غلام ہے۔ جو

بھاگ گیا تھا اس پر اس قافلہ والوں نے بیس یا چالیس درہم میں خرید لیا اور اپنے ساتھ مصر لے گئے وہاں جا کر آپ کو فرعون بادشاہ مصر کے وزیر عزیز مصر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس نے آپ کو اپنے گھر میں رکھا چونکہ آپ بہت حسین و جمیل تھے عزیز مصر کی زوجہ راعیل (زلیخا) آپ پر بری طرح عاشق ہو گئیں اور بدکاری کے لیے اپنے پاس بلایا مگر آپ نے انکار کر دیا اس غصہ میں اس نے آپ پر ہی الٹی تہمت لگا کر اور اپنے شوہر سے شکایت کر کے آپ کو قید کرا دیا اور آپ سات سال تک قید میں رہے وہاں کے دو قیدیوں نے خواب دیکھا اور حضرت یوسف سے اس کی تعبیر پوچھی آپ نے جو بتایا وہی ہوا اس کے بعد بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا اور اس کو پتہ چلا کہ قید خانہ میں ایک قیدی صحیح تعبیر بتاتا ہے اس نے بھی آپ کو بلا کر اپنے خواب کی تعبیر دریافت کی آپ کی تعبیر سے وہ خوش ہو گیا اور اپنے دربار میں جگہ دے دی پھر جب عزیز مصر مر گیا تو حضرت یوسفؑ اس کی جگہ خزانے کے مہتمم ہو گئے اور گویا پورے مصر پر آپ کی حکومت ہونے لگی جب آپ کے بھائیوں نے آپ کو قافلہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا تو گھر واپس جا کر حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ یوسف کو بھیڑیا لے گیا ہم لوگ کچھ نہ بنا سکے حضرت یعقوب گریہ کیا کرتے پھر جب حضرت یوسف مصر کے عزیز ہو گئے تو تمام اطراف میں سخت قحط پڑا حضرت یعقوب کے باقی گیارہ بیٹے اپنے وطن کنعان سے مصر آئے کہ کچھ غلہ لے جائیں حضرت یوسفؑ نے ان لوگوں کو پہچان لیا بہت غلہ دلوایا اور نہایت محبت سے پیش آئے پھر حضرت یعقوبؑ اور اپنے گھر والوں کو بھی مصر بلوا لیا اس وقت آپ کے اس خواب کی تعبیر ظاہر ہوئی جو آپ نے بچپن میں دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج آپ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوب مصر میں آنے کے سترہ برس بعد انتقال کر گئے اور حضرت

یوسفؑ نے ایک سو دس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت یعقوبؑ نے انتقال کے وقت حضرت یوسف کو اپنا وصی و ولی عہد مقرر کیا تھا۔ حضرت یوسف نے بھی اپنا وصی خود ہی اپنے بھائی یہودا کو مقرر کیا۔

۱۲۔ جناب ایوبؑ۔ آپ موص بن رازخ بن عیص ابن اسحاق بن ابراہیم کے بیٹے تھے دمشق علاقہ شام میں رہتے تھے آپ کی بیوی رحیمہ بڑی مالدار تھیں۔ خدا نے آپ کو آفات میں مبتلا کیا جس سے آپ کی کل دولت زائل ہوگئی یہاں تک کہ بالکل فقیر ہوگئے مگر خدا کی عبادت اور شکر اسی طرح بجالاتے رہے۔ خدا نے کل اولاد تلف کر دی جسم مبارک کو مصیبتوں میں مبتلا کیا اور طرح طرح کی تکالیف پہونچیں آپ کی بیوی برابر آپ کی خدمت کرتی رہیں اور ہر حال میں شکر خدا کرتی رہیں کچھ زمانے کے بعد خدا نے آپ کو تمام آفات سے نجات دی بدن بالکل صحیح و سالم ہوگیا اولاد اور دولت پہلے سے زیادہ ہوگئی ۹۳ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

۱۳۔ جناب شعیبؑ۔ حضرت ذوالکفل کے بعد خدا نے حضرت شعیبؑ کو پیغمبر بنایا۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند مدین کے بیٹے میکائیل کے صاحبزادے تھے۔ شہر مدین و ایکہ پر مبعوث ہوئے آپ بہت دنوں تک اپنی امت کو بت پرستی اور ناپ تول میں کمی سے روکتے رہے مگر کسی نے نہ مانا تو سات دن تک شب و روز گرم آندھی چلتی رہی آسمان سے آگ برسی اور زمین کو زلزلہ ہوا جس سے کل امت ہلاک ہوگئی۔

۱۴۔ جناب موسیٰؑ۔ آپ کے والد کا نام عمران تھا آپ کی پیدائش کے قبل مصر میں جو فرعون (بادشاہ) تھا اس کو نجومیوں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو اسرائیل کو تمھاری حکومت

سے آزاد کر کے تمھاری سلطنت کو تہ و بالا کر دے گا۔ فرعون نے اس کی روک تھام اس طرح سے کی کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا اس کو ہلاک کر دیتا لیکن خدا کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو آپ کی ماں نے ان کو ایک صندوق میں بند کر کے وہ صندوق دریائے نیل میں بہا دیا۔ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس جا پہونچا۔ اتفاق سے آسیہ زوجۂ فرعون کی نظر اس پر پڑ گئی صندوق کو منگا کر کھولا تو ایک خوبصورت بچہ نظر پڑا۔ اس نے آپ کی حفاظت اور پرورش شروع کی اور فرعون کو سمجھا کر راضی کر لیا کہ اس کو قتل نہ کرو کیا عجب ہم لوگ اپنا بیٹا بنا لیں۔ اس کے بعد اس نے بچہ کو دودھ پلانے کے لیے بہت سی دائیاں بلوائیں مگر آپ نے کسی کا دودھ نہیں پیا تب آپ کی بہن نے جو فرعون کے محل میں پہونچ گئی تھیں زوجۂ فرعون سے کہا کہ میں ایک عورت کا پتہ بتاتی ہوں کیا عجب اس کا دودھ بچہ پینے لگے اس طرح حضرت موسیٰ کی ماں فرعون کے محل میں ملازم ہو کر اپنے بچہ کو دودھ پلانے لگیں۔ جب آپ کچھ بڑے ہوئے تو ایک دن کسی طرف جا رہے تھے دیکھا کہ ایک قبطی اور ایک اسرائیلی لڑ رہے ہیں۔ آپ نے سزا دینے کے لیے قبطی کو ایک گھونسا مارا۔ اتفاق کی بات وہ قبطی فوراً مر گیا آپ نے فرعون کے خوف سے مصر چھوڑ دیا اور مدین کی طرف چلے گئے وہاں حضرت شعیب سے ملاقات ہو گئی حضرت شعیب نے آپ کو اپنی دنبیاں اور بکریاں چرانے کے لیے رکھ لیا اور اس طرح آپ بیس سال وہاں رہے حضرت شعیبؑ نے اپنی لڑکی صفورہ کی شادی آپ سے کر دی۔ پھر آپ اپنی بیوی کے ساتھ مصر واپس آئے۔ چونکہ کوہ طور پر آپ سے خدا نے کلام

کیا تھا اس وجہ سے آپ کا لقب کلیم اللہ ہوا کل یہودی اور قبطی آپ ہی کی امت ہیں۔ آپ پر کتاب توراۃ نازل ہوئی تھی جو کہ یہودیوں کی مذہبی کتاب ہے اور آجتک یہودی اس کو خدا کی کتاب سمجھتے اور حضرت موسیٰ کو ہی اپنا پیغمبر مانتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ و حضرت رسولخدا صلعم کی نبوت کے منکر ہیں۔ جب مدین سے آپ مصر میں واپس آئے تو فرعون کے پاس گئے اور اس سے خدا پر ایمان لانے کو کہا۔ حضرت موسیٰ کی زبان میں لکنت تھی اس وجہ سے آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون بھی آپ کے ساتھ ہدایت میں شریک تھے۔ آپ کی باتیں سن کر اس نے دربار کے جادوگروں سے سحر کرنے کو کہا۔ ان سب نے اپنی لاٹھیاں پھینکیں جو سب زندہ سانپ کی صورت میں وہاں پھرنے لگے مگر حضرت موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ بڑا اژدھا بن کر ان سانپوں کو نگل گیا اور جب حضرت موسیٰ نے اس کو اٹھایا تو آپ کے ہاتھ میں وہ پھر عصا ہو گیا۔ آپ کا مشہور معجزہ ہے جو قرآن مجید میں بھی مذکور ہے یہ بھی آپکا معجزہ ہے کہ جب آپ جیب میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکالتے تو وہ آفتاب سے زیادہ چمکتا تھا جو ید بیضا کے نام سے مشہور ہے۔ فرعون کے ساحروں نے آپ کا معجزہ دیکھا تو آپ پر ایمان لائے مگر فرعون نے ان سب کو قتل کرا دیا اور خود تو مخالفت پر آمادہ ہی رہا۔ پھر بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا کہ موسیٰ کے ساتھ چلے جائیں غرض حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے شام کی طرف روانہ ہوئے تو فرعون نادم ہوا کہ کیوں ان لوگوں کو اپنے حلقہ سے جانے دیا اور فوراً اپنا لشکر لے کر ان کے تعاقب میں چلا۔ بحیرۂ قلزم کے پاس حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کو پا لیا۔ حضرت موسیٰ کے آگے دریا پیچھے فرعون کا لشکر تھا آپ نے دریا پر اپنا عصا مارا جس سے پانی دونوں طرف پھٹ گیا اور

بیچ میں بچ جانے کے لائق راستہ ہو گیا حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر اس میں سے نکل گئے۔ فرعون نے دیکھا کہ موسیٰؑ کے لیے دریا میں راہ بن گئی تو وہ بھی اپنے لشکر سمیت دریا میں داخل ہو گیا اتنے میں پانی اپنی جگہ آ گیا اور فرعون اپنے پورے لشکر سمیت اس میں ڈوب گیا اس وقت حضرت موسیٰؑ کی عمر اسی سال کی تھی۔ مصر سے نکل کر آپ نے بنی اسرائیل کو خدا کے حکم سے اریحا (شام) لے جانا چاہا مگر لوگوں نے اس سے انکار کیا تو اس کی سزا میں وادی تیہ میں حیران و پریشان پھرتے رہے حضرت ہارون آپ سے گیارہ مہینے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کی عمر انتقال کے وقت ایک سو بیس سال کی تھی۔ جب تک حضرت ہارونؑ زندہ رہے حضرت موسیٰؑ آپ ہی کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے کہیں جاتے تھے اور جب حضرت ہارون کا انتقال ہو گیا تو جناب یوشع بن نون کو اپنے انتقال سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔

۱۵۔ جناب ہارونؑ۔ آپ حضرت موسیٰ کے بھائی تھے حضرت موسیٰ جب کہیں جاتے تھے تو آپ ہی کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے جاتے تھے۔ آپ نے حضرت موسیٰ سے گیارہ ماہ قبل انتقال کیا۔

۱۶۔ جناب ذوالکفلؑ۔ حضرت ایوبؑ کے صاحبزادے تھے خدا نے حضرت ایوب کے بعد آپ کو نبی مقرر فرمایا۔ ملک شام ہی میں رہے رہا ہیں پچھتر سال کی عمر میں وفات پائی۔

۱۷۔ جناب داؤدؑ۔ حضرت یعقوب کی نسل سے تھے ۱۰۸۵ سال پہلے حضرت عیسیٰ سے پیدا ہوئے۔ آپ کو خدا نے دین و دنیا دونوں کی سرداری دی یعنی پیغمبر بھی اور بادشاہ بھی۔ آپ لوہے کو ہاتھ میں لیتے تو وہ موم

ہوجاتا آپ مزدوری کرکے اپنے مصارف پورے کرتے تھے۔ آپ پر کتاب زبور نازل ہوئی تھی۔ آپ بے حد خوش لحن تھے۔ مشہور ہے کہ جب آپ زبور کی تلاوت فرماتے تھے تو جانور تک وجد میں آجاتے تھے۔ تیس سال کی عمر میں کافروں کے بادشاہ جالوت سے جنگ کی اور اس میں فتحیاب ہوکر اس کو قتل کیا۔ اس کے بعد خود بادشاہ ہوئے پھر چالیس سال تک پیغمبری اور بادشاہت کرتے رہے۔ آپ نے پورا ملک شام پھر آدمینہ فتح کرلیا۔ حضرت عیسیٰ سے ۱۰۱۴ سال قبل ستر سال کی عمر میں انتقال کیا۔

۱۸۔ جناب سلیمانؑ۔ حضرت داؤدؑ پیغمبر کے فرزند تھے اور خود بھی پیغمبر تھے مشرق سے مغرب تک کل جن وانس وحوش وطیور و پانی و ہوا اور باقی مخلوقات آپ کے تابع رہی۔ آپ نے چالیس سال تک نبوت و بادشاہت کی اپنی حکومت کے چوتھے سال بیت المقدس کی تعمیر شروع کی جو آپ کی آخر عمر تک جاری رہی۔ اس کو ۴۵۴ سال کے بعد بخت نصر بادشاہ بابل نے منہدم کردیا پھر بنایا گیا اور برباد ہوا۔ حضرت سلیمان کے لیے جنات ہر چیز بنا دیتے تھے جو آپ چاہتے تھے۔ آپ نے ہدہد کو شہر سبا کی ملکہ بلقیس کے پاس بطور قاصد بھیجا تھا تو اس نے کچھ تحفہ آپ کے پاس بھیجا مگر آپ نے اس کو واپس کردیا اور آپ کی خواہش پر آپ کے وزیر آصف بن برخیا نے چشم زدن میں بلقیس کا تخت حضرت سلیمان کے پاس پہونچا دیا۔ بلقیس اب اطاعت کرکے مذہب میں داخل ہوگئیں۔ آپ کا انتقال ۵۹ سال کی عمر میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ۹۷۵ سال قبل ہوا۔

۱۹۔ جناب الیاسؑ:۔ جناب حزقیل کے بعد خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا آپ علاقہ بعلبک پر مبعوث ہوئے۔ مگر قوم بنی اسرائیل بت پرستی میں مشغول

رہی اور آپ کی ہدایت کسی طرح قبول نہ کی تو آپ ان سے عاجز آ کر پہاڑ پر چلے گئے اور خدا سے ان لوگوں کے حق میں بددعا کی جس سے تین سال پانی نہیں برسا اور سخت قحط پڑا اس وقت کے بادشاہ نے آپ کو گرفتار کرنا چاہا مگر آپ نے بددعا کی تو آگ نے سب قوم کو ہلاک کر دیا اور حضرت الیاسؑ کو خدا نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔

۲۰۔ جناب الیسعؑ: حضرت الیاسؑ کے بعد آپ کے چچا زاد بھائی حضرت الیسعؑ پیغمبر ہوئے۔ آپ پانی پر چلتے اندھوں اور کوڑھیوں کا کامیاب علاج کرتے تھے آٹھ سال اپنی امت کی ہدایت کرتے رہے۔

۲۱۔ جناب یونسؑ: حضرت موسیٰ کی شریعت کے پابند تھے سرزمین موصل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ آپ ایک کشتی پر سوار جا رہے تھے کہ دریائے دجلہ میں گر گئے۔ ایک بڑی مچھلی آپ کو نگل گئی۔ چالیس روز آپ اس کے پیٹ میں رہے۔ پھر خدا کے حکم سے اس کے پیٹ سے باہر آئے ۱۲۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

۲۱۔ جناب زکریا: آپ حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کی نسل سے تھے بڑھاپے میں آپ کی دعا پر خدا نے آپ کو حضرت یحییٰ ایسا فرزند عطا فرمایا۔ آپ کی اہلیہ حضرت مریم کی خالہ تھیں اور اسی وجہ سے آپ نے حضرت مریم کی پرورش اپنی اولاد کی طرح کی۔ چونکہ حضرت زکریا کے علاوہ کوئی دوسرا مرد حضرت مریمؑ کے پاس نہیں جاتا تھا۔ اور حضرت مریم کو خدا کے حکم سے حضرت عیسیٰ کا حمل رہ گیا اس وجہ سے جاہلوں نے کہا کہ معاذ اللہ حضرت زکریا سے ان کا ناجائز تعلق ہو گیا ہے اور حضرت زکریا کو قتل کرنا چاہا۔ آپ ان کے خوف سے بھاگے۔ سامنے ایک درخت تھا

وہ خدا کی قدرت سے شگافتہ ہوگیا اور آپ اس کے اندر چلے گئے مگر آپ کے دامن کا کونہ باہر نکلا رہا۔ اس سے آپ کے مخالفین سمجھ گئے کہ آپ اسی میں چھپے ہیں اور اس درخت کو حضرت زکریاؑ سمیت آرے سے چیر ڈالا جس سے آپ شہید ہوگئے اس وقت آپ کی عمر سو سال تھی اور حضرت عیسیٰ پیدا ہو چکے تھے۔

۲۳۔ جناب یحییٰؑ۔ حضرت مریم کے خالازاد بھائی تھے حضرت عیسیٰؑ سے چھ مہینہ قبل پیدا ہوئے تھے اور سات سال کی عمر میں خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا۔ آپ لوگوں کو عبادت خدا کی طرف بلاتے۔ موٹے بالوں کا کپڑا پہنتے زہد و عبادت میں مشہور ہوگئے تھے آپ نے اسرائیل کے بادشاہ ہیرودس کو جو اپنی بھتیجی سے شادی کرنا چاہتا تھا منع فرمایا۔ اس نے آپ کو قتل کروا دیا۔

۲۴۔ جناب عیسیٰؑ۔ جناب مریم کے صاحبزادے تھے جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے اسی وجہ سے آپ کو روح اللہؑ کہتے ہیں۔ ولادت کے وقت حضرت مریم بیت المقدس سے نکل کر چھ کوس پر ایک گاؤں بیت لحم یا ناصرہ میں پہونچیں۔ جہاں ایک کھجور سے پشت لگا کر بیٹھ گئیں اور درد زہ کی بے چینی میں ایک کھجور کا سوکھا ہوا تنا تھا جس کو نخلہ مریم کہتے ہیں۔ یہیں حضرت پیدا ہوئے۔ جب حضرت مریمؑ اس بچہ کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے کہا اے مریمؑ یہ تو نے بہت ہی نالائق حرکت کی ہے اور آپ کو سنگسار کرنا چاہا تو حضرت عیسیٰؑ گہوارہ سے بول اٹھے کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی اور مبارک بنایا ہے اس پر لوگوں نے حضرت مریم کو چھوڑ دیا حضرت عیسیٰؑ نے ۳۰ سال کی عمر میں لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف بلانا شروع کیا اور بڑے بڑے معجزات دکھانے لگے

مردہ کو جلاتے اندھے اور ہر قسم کے بیمار اچھے کرتے کھانے پینے اور غیب کی خبر دیتے مٹی کا پتلا بنا کر اڑاتے پتھر اور ڈھیلوں کو جواہر آبدار کر دکھاتے اور پانی پر چلتے تھے۔ آپ پر کتاب انجیل نازل ہوئی یہودی آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو پکڑ کر سولی دینی چاہی مگر جب لوگ پکڑنے آئے تو حضرت عیسیٰ کو خدا نے چھت کے ایک سوراخ سے آسمان پر اٹھا لیا اور یہودا کی صورت حضرت عیسیٰ سے مشابہ ہو گئی۔ یہودیوں نے انھیں یہودا کو حضرت عیسیٰ کے خیال میں سولی دے دی اس وجہ سے عیسائی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہو گئے۔

۳۵۔ جناب رسول خدا صلعم۔ ملاحظہ ہو سوانح حیات چہاردہ معصومینؑ علیہم السلام

نوٹ۔ سوانح حیات انبیاء و مرسلین "تاریخ ائمہ" مصنفہ جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ مرحوم مدیر رسالہ "اصلاح" کھجوا ضلع سارن مطبوعہ اصلاح کھجوا ۱۳۵۶ھ سے لکھے گئے ہیں زیادہ تر حصہ لفظ بہ لفظ نقل کر دیا گیا ہے اور بعض جگہ انتخاب کر کے عبارت لکھی گئی ہے اور کچھ مقامات ایسے بھی ہیں جہاں پر کتاب مذکور کی مدد سے عبارت تحریر کی گئی ہے۔ اور یہی صورت حالات خاندان بنی ہاشم اور تذکرہ النساء کی ہے۔

مخصوص الفاظ متعلق انبیاء

۱۔ انبیاء۔ رسول پیغمبر۔ جمع نبی۔

۲۔ پیغمبر۔ قاصد۔ سفیر۔ خدا کا حکم لانے والا۔

۳۔ رسول۔ اس کو کہتے ہیں جس پر خدا کی کتاب نازل ہوئی ہو یا دیکھا

نئی شریعت کو جاری کرنے کے لیے بھیجا گیا ہو۔

۴۔ مرسل۔ بھیجا گیا رسول۔ وہ نبی جو صاحب کتاب ہو۔

۵۔ نبی۔ خبر رساں۔ رسول خبر پہونچانے والا اس کو کہتے ہیں جس پر نہ تو کوئی کتاب نازل ہوئی ہو اور نہ وہ کسی نئی شریعت کا مالک ہو بلکہ کسی رسول کی شریعت پر خود بھی عمل کرتا ہو اور دوسروں سے بھی عمل کراتا ہو۔

۶۔ رسالت۔ پیغامبری۔ سفارت۔

۷۔ نبوت۔ پیغمبری۔ رسالت۔ احکام الٰہی کا پہونچانا۔

۸۔ رسول و نبی کا فرق۔ رسول صاحب کتاب ہوتا ہے اور اس کو مستقل کتاب دی جاتی ہے۔ نبی عام ہیں۔ اس میں وہ پیغمبر بھی شامل ہیں جن کو کتاب اور شریعت ملی اور جن کو نہیں ملی۔

۹۔ اولوالعزم انبیاء۔ پانچ انبیاء اولوالعزم ہوئے ہیں۔

الف۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم

ب۔ اولوالعزم انبیاء ان رسولوں کو کہتے ہیں جو کسی نئی شریعت کے جاری کرنے والے تھے یا جن پر کوئی کتاب خدا نازل ہوئی تھی۔

ج۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ۔ حضرت محمد مصطفیٰ ان سب کا دین اسلام تھا مگر وقتی قانون یا شریعتیں جدا جدا تھیں اسی وجہ سے نام بھی جدا جدا ہوئے ہیں۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کی ملت ابراہیمی کہلاتی ہے۔

۲۔ حضرت موسیٰؑ کی امت دین موسوی کہی گئی۔

۸۔ حضرت عیسیٰؑ کے پیرو عیسوی نام سے پکارے گئے۔

۹۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی امت دین محمدؐ کے نام سے مشہور ہوئی۔

۱۰۔ صاحب کتاب۔ وہ پیغمبر جن پر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں۔ جیسے حضرت داؤدؑ پر زبور۔ حضرت موسیٰؑ پر توریت۔ حضرت عیسیٰؑ پر انجیل حضرت محمدؐ پر قرآن۔ اسی اعتبار سے ان کی امت کے لوگ صاحب کتاب کہے جاتے ہیں۔

۱۱۔ صاحب شریعت:۔ جو بلا واسطہ احکامات ہدایت خدا سے حاصل کرے۔

۱۲۔ مبعوث۔ پیدا کیا گیا۔ نبی کا بھیجا جانا۔

۱۳۔ بعثت۔ چالیس سال کی عمر جب آنحضرت کی ہوئی تو ۲۷ رجب کو حضرت جبرئیل غار حرا میں تشریف لائے۔ سورۂ اقراء نازل ہوا۔ وضو کرنا اور نماز پڑھنا بتایا۔

۱۴۔ وحی:۔ پیغمبر کے پاس خدا اپنے فرشتوں کے ذریعہ جو احکامات بھیجتا تھا ان کو وحی کہتے ہیں۔

۱۵۔ کلیم اللہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقب جو کوہ طور پر خدا سے ہمکلام ہوتے تھے

۱۶۔ روح اللہ۔ حضرت عیسیٰ کا لقب۔

۱۷۔ مسیح۔ حضرت عیسیٰ کا لقب جو بطور معجزہ مردہ کو پھونک مار کر زندہ کر دیتے تھے۔

۱۸۔ مصطفیٰ۔ پیغمبر اسلام کا لقب۔

۱۹۔ احمد۔ آنحضرتؐ کا نام۔

۲۰۔ خاتم انبیا۔ تمام نبیوں کی نبوت کو ختم کرنے والا آخری پیغمبر مراد ہے محمدؐ

۲۱۔ رسول اللہ۔ خدا کا رسول مراد آنحضرتؐ۔

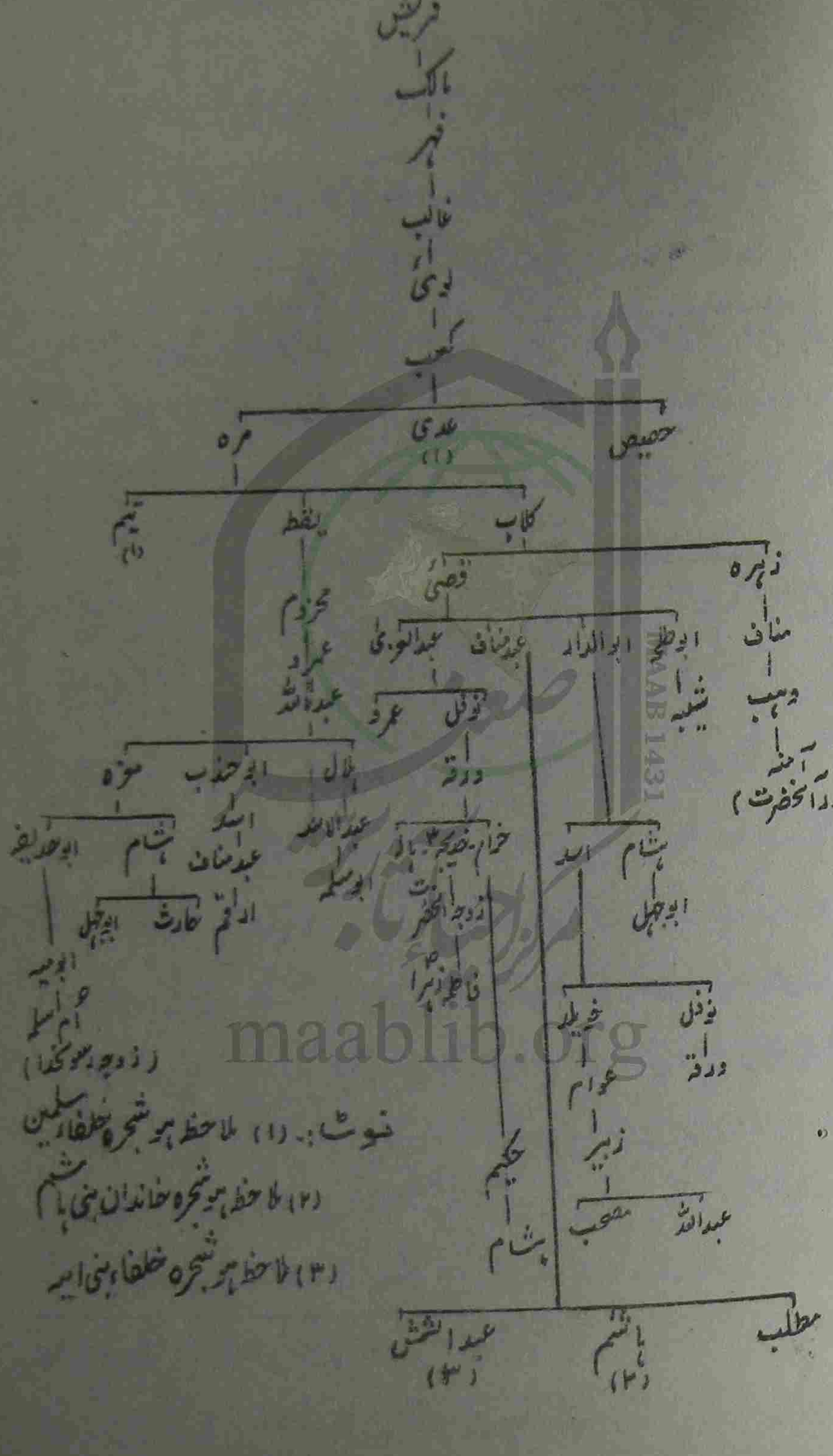
۲۲۔ اُمی۔ آنحضرتؐ کا لقب۔

۲۳۔ رحمت للعالمین۔ مراد آنحضرتؐ۔

۲۴۔ شاہ لولاک۔ کنایہ ہے پیغمبر رسول خداؐ سے۔

۲۵۔ صاحب لولاک۔ رسول خدا کا لقب۔

شجرہ خاندان قریش

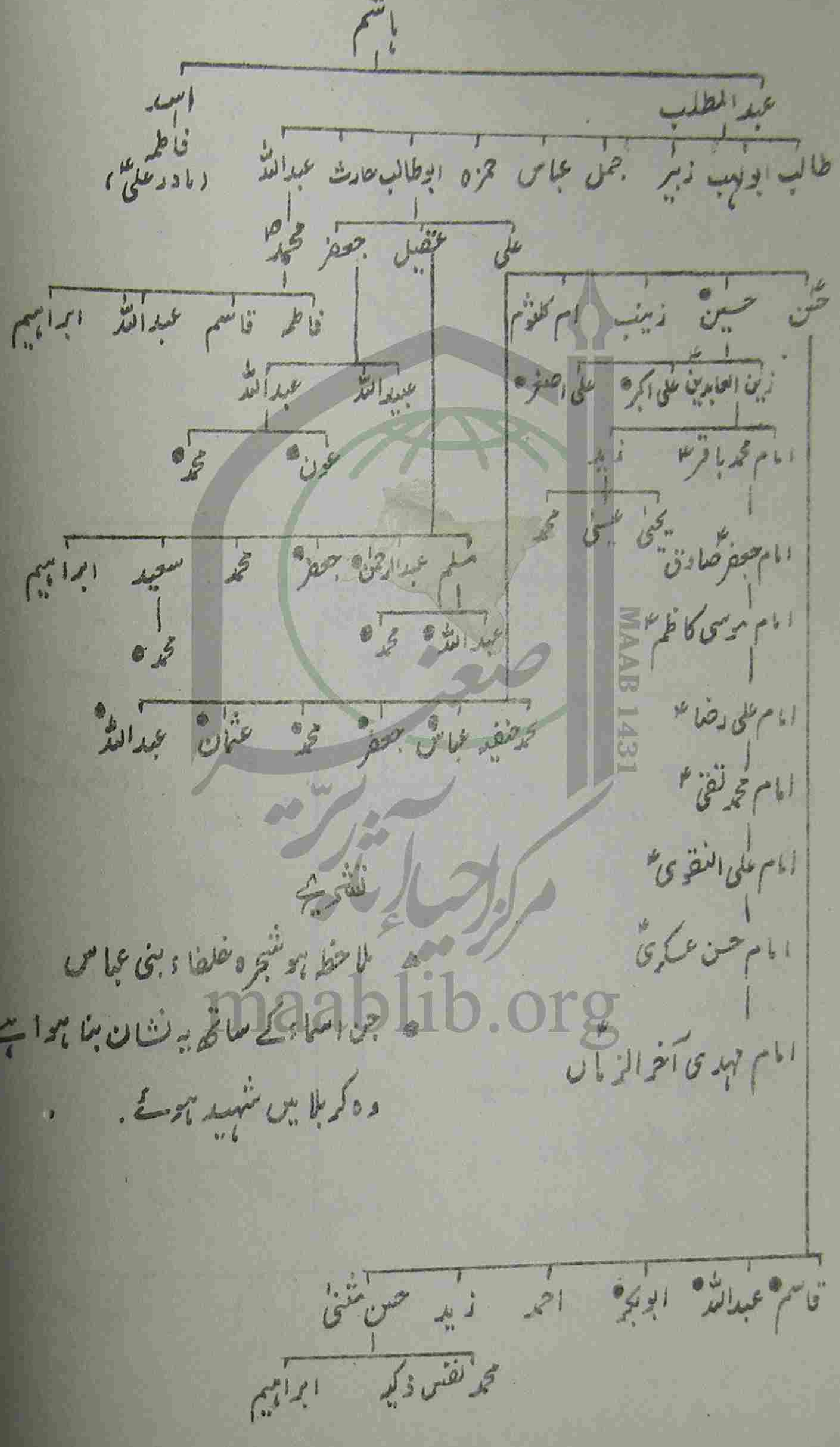


نوٹ:- (۱) ملاحظہ ہو شجرہ خلفاء مسلمین

(۲) ملاحظہ ہو شجرہ خاندان بنی ہاشم

(۳) ملاحظہ ہو شجرہ خلفاء بنی امیہ

شجرہ خاندان بنی ہاشم



ملاحظہ ہو شجرہ خلفاء بنی عباس

* جن اسماء کے ساتھ یہ نشان بنا ہوا ہے وہ کربلا میں شہید ہوئے۔

خاندانِ بنی ہاشم

فہر کی نسل سے پانچویں صدی عیسوی میں ایک بزرگ قصیٰ گذرے ہیں انھیں کا لقب قریش تھا۔ کیونکہ انھوں نے اپنے خاندان کو جو ادھر ادھر منتشر آباد تھا ان کو خانۂ کعبہ کے پاس لاکر آباد کیا۔ اور اکثر مورخین نے فہر کا لقب قریش لکھا ہے۔ قصیٰ کے کئی لڑکے تھے۔ ان میں ایک عبد مناف بھی تھے عبد مناف کے بہت سے بیٹے تھے جن میں ایک صاحبزادے جناب ہاشم بھی تھے جو اپنی دریا دلی اور فیاضی کی وجہ سے بے حد مشہور تھے اور آپ ہی کے نام سے خاندان بنی ہاشم مشہور ہوا۔ آپ جناب محمد مصطفےٰؐ کے دادا تھے۔

۱۔ جناب ہاشمؑ۔ آپ کا نام عمر۔ باپ کا نام عبد مناف اور ماں عاتکہ تھیں عبدالشمس اور آپ دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے پیر کا پنجہ عبدالشمس کی پیشانی سے چپکا ہوا تھا جو بعد کو کاٹ کر چھڑا یا گیا جس کی وجہ سے بے حد خون بہا اور اس وقت نجومیوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ ان دونوں کی اولاد میں خونریزی ہوگی اور وہی ہوا۔ جناب ہاشم حجاج کی بے حد خدمت کرتے تھے خانۂ کعبہ کے متولی تھے جس کی وجہ سے بڑی قدر ومنزلت تمام عرب میں حاصل تھی۔ ایک بار سخت قحط پڑا لوگ مرنے لگے آپ نے اپنے پاس سے بہت سا آٹا شام سے منگوایا اس کی روٹیاں پکوا کر سالن میں بھگو کر تقسیم کیں۔ جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اور زیادہ عزت ہوگئی۔ ہشم کے معنے توڑنے کے ہیں چونکہ روٹی سالن میں توڑ کر بھگوئی گئی تھی اس وجہ سے آپ ہاشم کے نام سے مشہور ہوئے اور اسی نام سے شہرت حاصل کی۔ عبدالشمس کا بیٹا امیہ جو

آپ کا سگا بھتیجا تھا وہ آپ کی اس عزت کی وجہ سے بے حد جلتا تھا جس کے سبب بڑے بڑے معرکے ہوئے مگر ہر بار امیہ ہی کو شکست ہوئی اور وہیں سے بنی ہاشم اور بنی امیہ کی مخالفت کی ابتدا ہوئی۔ آپ کی وفات ۵۱۰ء میں ہوئی۔

۲۔ جناب اسد۔ جناب ہاشم کے فرزند تھے آپ کے صرف ایک صاحبزادی تھیں جو جناب ابوطالب کو منسوب تھیں اور حضرت علیؑ کی والدہ تھیں آپ کی عمر بہت کم ہوئی۔

۳۔ جناب عبدالمطلب۔ جناب ہاشم کے جلیل القدر صاحبزادے تھے جو عرب کے سردار اعظم مانے گئے۔ آپ کی شادی جناب سلمیٰ سے ہوئی تھی جو بڑی عظمت و شرف کی حامل تھیں۔ آپ اپنے زمانہ میں بہمہ وجوہ تمام قبیلوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ چاہ زمزم آپ کی ہی کوششوں سے پٹ جانے کے بعد دوبارہ پایا گیا۔ ایفائے نذر، محارم سے نکاح، دختر کشی، زنا، شراب کی ممانعت، چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کیا۔ برہنہ طواف بجائے کعبہ سے روکا۔ ان تمام اصلاحات کا شرف آپ کو حاصل تھا جس کی وجہ سے آپ بے حد مشہور ہوئے۔

۴۔ جناب عبداللہ جناب ہاشم کے پوتے۔ جناب عبدالمطلب کے بیٹے اور رسولِ خداؐ کے والد بزرگوار تھے۔ آپ نہایت شائستہ سنجیدہ، شریف طبیعت انسان تھے تمام قریش میں امتیاز کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے آپ کی شادی آمنہ بنت وہب کے ساتھ ہوئی۔ سترہ سال کی عمر میں بسلسلۂ تجارت شام تشریف لے گئے۔ واپسی میں مدینہ میں قیام کیا اور علیل ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد انتقال فرمایا اور مقام ابوا میں دفن ہوئے جو مدینہ سے قریب ہی ہے۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس سال کی تھی اور انتقال کے بعد آنحضرتؐ کی پیدائش ہوئی۔

ام ایمن آپ کی مشہور لونڈی تھیں۔ جس کی آنحضرت بے حد عزت کرتے تھے۔
۵۔ جناب ابو طالبؑ۔ جناب عبد المطلب کے صاحبزادے اور جناب عبد اللہ کے بھائی تھے۔ ماں کا نام فاطمہ بنت عمرو تھا۔ آپ جناب عبد اللہ سے بڑے تھے۔ جناب عبد اللہ کے انتقال کے بعد جناب رسولخداؐ کی تربیت آپ نے ہی فرمائی۔ آپ آنحضرت سے بے حد محبت فرماتے تھے جب سوتے تھے تو آنحضرت کو اپنے پاس لٹاتے اور جب باہر جاتے تو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ آپ کی شادی فاطمہ بنت اسد سے ہوئی جن کے بطن سے طالب۔ عقیل۔ جعفر۔ علیؑ پیدا ہوئے۔ جناب ابو طالب کا انتقال ہجرت سے قبل مکہ میں ہوا اور جناب فاطمہ بنت اسد کا انتقال ۴ھ میں مدینہ میں ہوا۔
۶۔ جناب عباس۔ جناب عبد المطلب کے فرزند۔ رسولخداؐ کے چچا تھے ماں کا نام نتیلہ تھا۔ ہجرت سے قبل اسلام لا چکے تھے مگر ظاہر نہیں فرمایا تھا بعد کو مکہ سے مدینہ چلے گئے۔ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شریک ہوئے نہایت صائب الرائے اور عقلمند انسان تھے لوگ آپ کی بزرگی کی قدر کرتے تھے اور مشورہ لیا کرتے تھے۔ ۳۲ھ میں انتقال فرمایا بقیع (مدینہ) میں دفن ہوئے۔
۷۔ جناب حمزہؓ۔ والد کا اسم گرامی جناب عبد المطلب۔ ماں کا نام ہالہ تھا جو جناب آمنہ مادر آنحضرت کی چچازاد بہن تھیں۔ آپ آنحضرتؐ کے چچا اور خالہ زاد بھائی تھے۔ ثوبیہ نے جناب حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا اور اس صورت سے آنحضرت کے رضاعی بھائی تھے۔ رسولخداؐ سے دو سال بڑے تھے۔ قریش میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ بعثت کے چھٹے سال اسلام لائے۔ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ بڑے بڑے نامی لوگوں

کو قتل کیا۔ غزوہ احد میں شریک ہوئے ۳۱ کافروں کو قتل کیا دفعتاً آپ کا پیر پھسلا جس کی وجہ سے زمین پر گرے وحشی نامی حبشی نے نیزہ مار کر شہید کر دیا ہندہ معاویہ کی ماں ابوسفیان کی بیوی نے پیٹ چاک کرا کر جگر نکال کر چبانا چاہا مگر نگل نہ سکی۔ ۵ر شوال ۳ھ کو شہید ہوئے۔ اور احد کے میدان میں دفن ہوئے۔

۸۔ جناب طالب۔ جناب ابو طالب کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ حضرت علیؑ سے ۳۰ سال بڑے تھے۔ طالب نام کی وجہ سے ہی آپ کے پدر محترم کی کنیت ابو طالب ہوئی۔ اگرچہ آپ کا نام عمران تھا مگر کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ نام کا قائم مقام بن گئی۔ ایک قافلہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے وہیں سے پھر آپ کا کوئی پتہ نہ لگا۔

۹۔ جناب عقیل۔ حضرت ابو طالب کے دوسرے فرزند تھے۔ صلح حدیبیہ میں اسلام لائے ۸ھ میں مدینہ آگئے۔ غزوہ موتہ میں شریک ہوئے۔ آپ بڑے حاضر جواب تھے مخالف کی زبان خود بند ہو جاتی تھی آپ قریش کے نسب اور وقائع کو خود قریش سے بہت زیادہ جانتے تھے جس کی وجہ سے قریش دشمنی رکھتے تھے۔ ۵۰ھ میں انتقال کیا۔

۱۰۔ جناب جعفر۔ یہ تیسرے فرزند جناب ابو طالب کے تھے۔ جعفر طیار لقب تھا سیرت و صورت میں رسولخداؐ سے بہت مشابہ تھے۔ حضرت علیؑ کے اظہار اسلام کے کچھ ہی دنوں بعد آپ نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے دو ہجرتیں کیں پہلی ہجرت حبش دوسری مدینہ۔ جب حبش سے واپس آئے آنحضرتؐ نے لپٹا لیا اور اظہار خوشی کیا۔ مسجد کے پہلو میں رہنے کو جگہ دی۔ آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دیکھا ہے کہ جعفر جنت میں فرشتوں کے ساتھ دوڑ رہے

ہیں. غزوہ موتہ میں شہید ہوئے. جب لڑائی ہو رہی تھی تو آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے مگر علم نہ چھوڑا دانتوں سے پکڑ لیا. آنحضرت نے فرمایا اس کے عوض اللہ انھیں دو پر دے گا جس سے یہ جنت میں اڑیں گے. اسی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ طیار لقب مشہور ہو گیا. آپ کے آٹھ صاحبزادے تھے. جو بہت مشہور رہے۔

۱۱. جناب عبداللہ بن جعفر. آپ کی والدہ کا نام اسما بنت عمیس تھا آپ کی شادی جناب زینبؑ بنت حضرت علیؑ کے ساتھ ہوئی جو حضرت علیؑ کی بڑی صاحبزادی تھیں. عون اور محمد آپ کے صاحبزادے تھے.

۱۲. عبید اللہ بن جعفر. آپ کی شادی جناب ام کلثوم بنت حضرت علیؑ کے ساتھ ہوئی تھی.

۱۳. جناب قاسم بن محمد مصطفیٰؐ. آپ آنحضرت کے بڑے صاحبزادے تھے اور جناب خدیجہ کے بطن سے تھے. بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے دو سال کی عمر میں انتقال کیا.

۱۴. جناب عبداللہ بن محمد مصطفیٰؐ. جو طیب و طاہر کے نام سے مشہور ہوئے مکہ میں بعثت سے قبل جناب خدیجہؑ کے بطن سے پیدا ہوئے اور بچپن میں انتقال کیا.

۱۵. جناب ابراہیم بن محمد مصطفیٰؐ. ماریہ قبطیہ کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے. آنحضرت کو بیحد خوشی ہوئی. ساتویں دن عقیقہ کرایا اور بال کے برابر چاندی خیرات کی. ڈیڑھ سال کی عمر میں ۱۰ھ میں انتقال کیا دفن کے بعد آنحضرت نے قبر پر پانی چھڑکا اسلام میں یہ پہلی قبر تھی جس پر پانی چھڑکا گیا.

۱۶. جناب محمد حنفیہ. پدر بزرگوار حضرت علیؑ. ماں خولہ دختر جعفر بن قیس جو خلیفہ اول کے وقت میں بنو حنیفہ کے اسیروں میں آئی تھیں. اسامہ نے

نے انھیں خرید کیا اور حضرت علیؑ کے ہاتھ فروخت کیا جب جناب امیرؑ کو حقیقت معلوم ہوئی تو آزاد کر دیا اس کے بعد اپنے عقد میں لائے۔ ۲۱ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بڑے قوی تھے۔ جنگ جمل۔ صفین۔ نہروان میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ جب امام حسینؑ کربلا کے لیے روانہ ہوئے تو اس وقت آپ علیل تھے اس وجہ سے نہ جا سکے۔ جب لٹا ہوا قافلہ مدینہ واپس آیا تو سیاہ علموں کو دیکھ کر آپ کو غش آگیا اور آپ گر پڑے امام زین العابدینؑ خود تشریف لائے اور سر کو اٹھا کر گود میں رکھا تسکین دی۔ جب حضرت مختار نے کوفہ میں ۶۶ھ میں کامیابی حاصل کی اس وقت عبداللہ بن زبیر کی حکومت عراق و حجاز میں قائم ہو گئی۔ زبیر نے آپ سے بیعت کا سوال کیا آپ نے مہلت چاہی ابن زبیر نے قید کر لیا بعد کو جناب مختار کی فوج نے آکر رہا کرایا۔ آپ طائف کی طرف چلے گئے اور وہیں ۸۱ھ میں انتقال کیا۔

۱۷۔ جناب محمد نفس زکیہ۔ (۲) جناب ابراہیم۔ ابنائے عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ۔ اولاد امام حسنؑ و امام حسینؑ سے خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس ہمیشہ خوف کھاتے تھے ان کو یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں لوگ ان کو خلیفہ نہ بنا لیں اس وجہ سے ہمیشہ ان کے درپے آزار رہے اور ان دونوں حضرات کو قید کیا جائدادیں ضبط کیں اور قتل کرا دیا۔

۱۸۔ جناب زید۔ امام زین العابدینؑ کے فرزند تھے۔ آپ کے مناقب بیحد ہیں۔ عراق کا گورنر یوسف بن عمر آپ کو بیحد پریشان کرتا تھا۔ آپ اس سلسلہ میں ہشام بادشاہ وقت کے پاس گئے مگر اس نے کوئی توجہ نہ کی اور آپ کی شان میں نازیبا کلمات کہے۔ جن کا آپ نے مناسب جواب دیا۔ اس کے بعد آپ دربار سے چلے آئے اور کوفہ چلے گئے وہاں بھی ناخوشگوار واقعات

پیش آئے آخر مدافعت کی نوبت آگئی جس کے نتیجے میں آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

۱۹۔ جناب یحیٰی بن زید۔ آپ کی ماں کا نام ریطہ تھا۔ آپ نہایت شجاع و بہادر تھے۔ جناب زید کی شہادت کے بعد مدائن چلے گئے مگر ہشام کی فوج آپ کی تلاش میں تھی لہذا "رے" کی طرف چلے گئے وہاں بھی فوج تلاش کرتی ہوئی جا پہنچی۔ حرکیش نے آپ کو چھپا دیا مگر فوج نے جب سختی کی تو ان کے بیٹے عقیل نے پتہ بتا دیا آپ گرفتار ہوئے اس کے بعد مختلف اوقات میں برابر پریشان کیے گئے۔ آخر جنگ ہوئی ۱۲۵ھ میں قتل کیے گئے۔ نعش سولی پر چڑھا دی گئی اور بعد کو سولی سے اتار کر جلا دی گئی۔

۲۰۔ جناب عیسیٰ بن زید۔ آپ بڑے بہادر تھے۔ خلفاء وقت کے ڈر سے ادھر ادھر چھپتے پھرتے تھے۔ بڑے عبادت گذار تھے۔ جب چلتے تو ہر قدم پر خدا کی تسبیح کرتے جاتے اور کہیں اپنا نام و نسب ظاہر نہ فرماتے تھے۔ کوفہ میں ایک عورت سے شادی کر لی مگر اس پر بھی کبھی اپنی حالت ظاہر نہ کی کیونکہ خوف تھا کہ مبادا حکومت وقت کو معلوم نہ ہو جائے اسی حالت میں انتقال کیا۔

۲۱۔ محمد بن زید۔ آپ نے محمد بن ہشام کو جو خلیفہ ہشام کا لڑکا تھا اور جس کو منصور بیت اللہ میں گرفتار کرنا چاہتا تھا بڑی خوبی سے بچا دیا اگرچہ اس کے باپ نے آپ کے والد بزرگوار کو قتل کیا تھا مگر آپ نے اس کا کوئی اثر نہ لیا جس کی وجہ سے آپ کی بے حد تعریف ہوئی۔

سوانح حیات چہاردہ معصومین علیہم السلام

۱. جناب رسول خدا محمد مصطفیٰؐ ۱۷ ربیع الاول یوم جمعہ سنہ عام الفیل کو حجاز کی مقدس سرزمین یعنی مکہ معظمہ میں آپؐ کی ولادت ہوئی والد بزرگوار کا اسم مبارک جناب عبداللہ بن عبدالمطلب اور والدہ معظمہ کا اسم گرامی آمنہ بنت وہب تھا۔ جو قبیلہ قریش ہی سے تھیں آپ کے والد جناب عبداللہ کا انتقال ولادت باسعادت سے دو ماہ قبل ہو گیا۔ پہلے آنحضرت کو آپ کی والدہ اور اس کے بعد ثوبیہ نے دودھ پلایا اور سب سے آخر میں جناب حلیمہ سعدیہ پرورش کے لیے متعین ہوئیں اور وہ اپنے ہمراہ آنحضرت کو اپنے گھر طائف کے جنوب کی طرف لے گئیں۔ اور وہاں آپ اس قبیلہ سعدیہ میں پانچ برس کی عمر تک پرورش پاتے رہے اس کے بعد اپنی مادر گرامی کے ساتھ رہنے لگے۔ چھ سال کی عمر میں ماں کے ساتھ اپنے والد کی قبر مطہر کی زیارت کے لیے مدینہ تشریف لے گئے وہاں ایک ماہ قیام رہا۔ واپس آتے ہوئے بمقام ابوا جو جحفہ سے ۲۳ میل پر ایک گاؤں ہے آپ کی والدہ نے انتقال

فرمایا۔ اور وہیں دفن ہوئیں۔ اس کے بعد آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی۔ دو سال بعد جناب عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا اب آپ کی نگرانی جناب ابو طالب کے متعلق ہوئی جو آپ کے سگے چچا تھے۔ نو سال کی عمر میں جناب ابو طالب آپ کو بسلسلہ تجارت شام کے سفر پر لے گئے۔ بصرہ سے چھ میل قبل قریہ کفر میں ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں قیام کیا جس کا نام بحیرا تھا اس نے آپ کو دیکھ کر اور آپ کے حالات و اوصاف پر غور کر کے حضرت ابو طالب سے کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں ان کو یہودیوں سے بچایئے۔ جناب ابو طالب ان فضائل کو سن کے بصرہ میں ہی سامانِ تجارت فروخت کر کے واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد قریش اور قبیلہ قیس میں جنگ ہوئی جس میں آنحضرت قریش کی طرف سے شریک ہوئے جس میں بعد کو صلح ہو گئی یہ لڑائی حرب فجار کے نام سے مشہور ہے اس جنگ سے واپسی کے بعد حلف الفضول ہوا جس میں یہ طے ہوا کہ ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیں گے اور ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔ آنحضرت بھی اس معاہدہ میں شریک تھے۔

جب آپ کی عمر ۲۵ سال کی ہوئی تو آپ خدیجہ کا مال تجارت لے کر شام گئے اور اس میں کافی فائدہ ہوا۔ معاملۂ تجارت و صفائی معاملت کی وجہ سے جناب خدیجہ آپ سے بے حد متاثر ہوئیں لوگوں نے آنحضرت سے شادی کا پیغام دینے کے لیے کہا مگر آپ نے عذر کیا بعد میں لوگوں کے اصرار پر راضی ہوئے۔ جناب ابو طالب نے شادی کا پیغام جناب خدیجہ کے ساتھ دیا جو فوراً منظور ہو گیا اور تاریخ مقرر ہو گئی تمام لوگ حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے۔ جناب ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور جناب خدیجہ کی طرف سے ان کے چچا نے ایجاب و قبول کے صیغوں کو پڑھا اس کے بعد جناب خدیجہ

آنحضرت کے گھر تشریف لائیں آنحضرت آپ کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور آپ کی زندگی میں کبھی کسی دوسری عورت سے عقد کا خیال بھی نہیں کیا۔

جب آپ کی عمر ۳۸ سال کی ہوئی تو آپ نے گوشہ نشینی اختیار کی اور کوہ حرا میں جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے وہاں بیٹھکر خانہ کعبہ کی زیارت کیا کرتے اور عبادت خدا میں مشغول رہتے تھے۔ جب چالیس سال کی عمر ہوئی تو ایک دن حضرت جبرئیل ۲۷ رجب ۶۱۹ء کو تشریف لائے وضو اور نماز کے احکام و آداب پہونچائے اسی دن سے حضرت خدیجہ و حضرت علیؑ نے بھی ایمان کو ظاہر کیا پھر آنحضرت کے آزاد کردہ غلام زید بن حارث اور اس کے بعد حضرت ابوبکر اسلام لائے اور سب نے ایک ساتھ نماز پڑھی یہ سب پوشیدہ طور سے ہوا اور بڑی احتیاط سے کام لیا جاتا تھا جب نماز کا وقت آتا تھا تو آنحضرت کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے تھے اور وہیں نماز ادا کرتے تھے یہ صورت تین سال تک رہی۔

اس کے بعد حکم خدا کے بموجب آپ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ دعوت کا انتظام کرو اور قریش کے مخصوص افراد کو دعوت دو۔ سب جمع ہوئے کھانا کھایا اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا کہ میں تمہارے واسطے ایسی چیز لایا ہوں جو دنیا و آخرت دونوں میں تمہارے کام آئے گی اور فرمایا کہ خدا نے مجھ کو پیغمبر کیا ہے اور تم سب کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے جو میرا ساتھ دے گا وہی میرا جانشین ہوگا یہ سنتے ہی سب خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے۔ حضرت علیؑ فوراً کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں آپ کا ہر امر میں ساتھ دوں گا۔ اس پر آنحضرت نے حضرت علیؑ کے کاندھے پر ہاتھ رکھکر کہا کہ یہی میرا جانشین ہوگا۔

اس اعلان کے بعد سے طرح طرح کی مصیبتیں آپ پر ہونے لگیں کیونکہ آپ کھلم کھلا بت پرستی کی مذمت فرماتے تھے اور خدا کی عبادت کی طرف متوجہ کرتے تھے لوگوں نے جناب ابوطالب سے شکایت کی آپ نے آنحضرت سے ذکر فرمایا. آپ نے یہ جواب دیا کہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے تب بھی اس سے باز نہ آؤں گا. ابوطالب نے لوگوں کو صاف جواب دے دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اسلام لائے تھے وہ سخت مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے

بعثت کے پانچویں سال آپ نے مسلمانوں کو جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبش بھیج دیا کیونکہ وہاں کا عیسائی بادشاہ بے حد رحم دل تھا اور اس نے سب کو پناہ دی. حبش کے حالات سن کر کفار اور بھی ناخوش ہوئے اور سب نے مل کر بنی ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا آنحضرت کو ابوطالب نے اپنے شعب میں مع چالیس بنی ہاشم کے بھیج دیا وہاں آپ تین سال تک برابر محاصرہ میں رہے اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ کھانا اور پانی تک میسر نہ آتا تھا تین سال بعد یہ محاصرہ ختم ہوا اور آپ باہر تشریف لائے. دو ماہ بعد جناب ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور اس کے تین ماہ پانچ دن بعد جناب خدیجہ نے بھی انتقال فرمایا ان دونوں کی رحلت سے آنحضرت کو سخت ملال ہوا اور اس سال کا نام عام الحزن رکھا.

جناب ابوطالب کے انتقال کے بعد کفار کے مظالم بہت بڑھ گئے لہذا آپ نے یہ مناسب خیال فرمایا کہ مکہ سے کہیں اور جا کر تبلیغ کا کام انجام دیا اس کے لیے آپ نے طائف کو تجویز کیا وہاں زید بن حارثہ کو ساتھ لے گئے اور اسلام کی دعوت دی مگر کسی نے کوئی اثر نہ لیا بلکہ آپ جدھر سے گزرتے تھے آپ پر پتھر مارتے تھے ان حالات کے پیش نظر آپ مکہ کو پھر واپس آ گئے.

مکہ میں ہر سال ایک اجتماع ہوتا تھا جس میں تمام قبائل جمع ہوتے تھے اور شعرائے عرب اپنے قصائد سنایا کرتے تھے مگر آنحضرتؐ اسلام کی دعوت دیتے تھے جس کا لوگ مذاق اڑاتے تھے صرف مدینہ کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور جب اپنے وطن واپس ہوئے تو وہاں اسلام کی اشاعت شروع کی دوسرے سال کافی لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اس خبر سے کفار مکہ کا غصہ حد سے زیادہ بڑھ گیا اور طرح طرح کی تکلیفیں آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو پہونچانے لگے۔ خدا نے آنحضرتؐ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی اور اس طرح تھوڑے تھوڑے لوگ مدینہ جانے لگے۔ کفار کو یقین ہوگیا کہ چونکہ مدینہ ہر طرح سے محفوظ ہے لہذا آنحضرتؐ ضرور وہاں چلے جائیں گے لہذا تمام کفار دارالندوہ میں جمع ہوئے اور یہ طے ہوا کہ آج شب محمدؐ کا کام تمام کردیا جائے تاکہ روز روز کے جھگڑوں سے نجات مل جائے اس کی اطلاع آنحضرت کو مل گئی اور آپ نے اپنے بستر پر علیؑ ابن ابی طالب کو لٹا دیا اور خود خفیہ طور پر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ صبح جب کفار نے آنحضرت کے بجائے علیؑ کو دیکھا تو وہ پہر پہار جانب تلاش کے لیے دوڑے مگر خدا نے اپنے حبیبؐ کو ایک غار میں چھپا دیا اور کفار وہاں تک آکر واپس گئے۔ اس کے بعد آپ مدینہ پہونچے قبا میں قیام کیا اور جب حضرت علیؑ سب کی امانتیں واپس کرکے قبا پہونچے تو مدینہ میں داخل ہوئے۔ ابوایوب انصاری کے یہاں قیام کیا اور مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ جب قریش کو رسول اللہ کے مدینے پہونچنے کی خبر اور وہاں کے حالات معلوم ہوئے تو کفار نے مدینہ پر متعدد حملے کیے مگر ہر بار ان کو شکست ہوئی۔ بدر و احد کی جنگ کے بعد آنحضرت معہ مسلمانوں کے مکہ بغرض حج روانہ ہوئے جب مکہ والوں کو آنحضرت

کے ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ سدِّ راہ ہوئے۔ آنحضرتؐ لڑنا نہیں چاہتے تھے لہٰذا صلح چند شرائط کے ساتھ ہوئی جس کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ سال آئندہ مسلمانوں کو حج کی اجازت ہوگی۔ دوسرے سال رسولِ خدا دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ تشریف لائے اور فاتحانہ شان سے داخلِ حرم ہوئے ڈیڑھ ماہ قیام رہا اس کے بعد مدینہ واپس گئے سنہ ۱۰ھ میں آخری بار حج کے لیے مکہ تشریف لائے۔ واپسی میں مقام غدیر خم پر تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور اپنی وفات کی خبر دی اور حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر مجمع کے سامنے اونچا کیا اور فرمایا کہ میرے بعد میرا وصی و جانشین یہ ہے۔ مسلمانوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا سب نے مبارکباد دی اور حضرت علیؑ وصی رسول تسلیم کر لیے گئے اس کے بعد رسول اللہ مدینہ تشریف لائے۔ کچھ دنوں بعد طبیعت ناساز ہوئی اور ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ کو رحلت فرمائی حسب وصیت حضرت علیؑ و دیگر افراد خاندان بنی ہاشم نے تجہیز و تکفین کی اور جس حجرہ میں انتقال فرمایا تھا وہیں دفن ہوئے۔

آپ کے صرف ایک صاحبزادی جناب فاطمہؑ جناب خدیجہ کے بطن سے تھیں اس کے علاوہ دو صاحبزادے جناب قاسم و جناب عبد اللہ بھی جناب خدیجہ کے بطن سے تھے۔ جناب ابراہیم جناب ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے یہ سب صغر سنی میں ہی فوت ہو گئے۔

۲۔ جناب فاطمہ زہراؑ۔ آپ کا نام نامی فاطمہ کنیت ام الحسنین و ام الائمہ القاب سیدہ۔ زہرا۔ بتول۔ خیر النساء۔ معصومہ وغیرہ۔ پدر بزرگوار خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ مادر گرامی جناب خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد ہیں۔ آپ مکہ معظمہ میں ہجرت سے آٹھ سال پہلے اور بعثت کے پانچ سال بعد ۲۰ جمادی الثانیہ

۴۵ عام الفیل یوم جمعہ کو پیدا ہوئیں۔ جب رسول اللہ نے جناب خدیجہؑ سے عقد فرمایا تو تمام عورات مکہ نے آپ سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ جناب خدیجہ تنہائی سے پریشان تھیں۔ جب جناب معصومہ شکم مبارک میں آئیں تو آپ کے لیے مونس تنہائی بن گئیں اور برابر آپ سے گفتگو کیا کرتی تھیں ایک روز پیغمبر گھر میں تشریف لائے اور باتوں کی آواز معلوم کی تو جناب خدیجہ سے پوچھا کہ کس سے باتیں کر رہی تھیں تو آپ نے فرمایا یہ جنین جو میرے بطن میں ہے مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ پیغمبر نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ کو خبر دی ہے کہ تمھارے بطن میں لڑکی ہے جس سے میری نسل قائم ہوگی اور اس کی اولاد امام و ہادی ہوگی۔ غرض سیدہ عالم کی ولادت نورانیہ سے زمانہ روشن ہوا آپ نے پیدا ہوتے ہی سر سجدہ میں رکھا اور کلمہ شہادت زبان پر جاری فرمایا۔ اور ائمہ اثنا عشر کی امامت کی گواہی دی۔ آپ عام بچوں سے زیادہ نشوونما کی آئینہ دار تھیں۔ آپ نے کل دس سال ماں کی آغوش محبت میں بسر کی جب جناب خدیجہ کا انتقال ہوگیا تو صرف پیغمبر اسلام کی تربیت میں سن بلوغ تک پہونچیں۔ رسولؐ اپنی اس اکلوتی بیٹی کے حسن کردار کی بدولت با شارۂ خالق اکبر بہت تعظیم و تکریم فرمایا کرتے تھے جو احکام عورتوں کے متعلق رسول پر نازل ہوتے تھے پہلے سیدہ طاہرہؑ اس پر عملی نمونہ پیش فرماتی تھیں اور یہ عمل فاطمہؑ عمل پیغمبر قرار پاتا تھا تب رسول بصورت قولی اسے امت کو تلقین فرماتے تھے آپ نے اپنی مختصر سی زندگی میں عورات عالم کے لیے ایسا مکمل مثالی نمونہ پیش فرمایا کہ جس نے عورت کی عظمت میں چار چاند لگا دیئے۔ بیٹی کی حیثیت سے ماں باپ کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیئے زوجہ ہونے کی صورت میں امور خانہ داری کس سادگی سے انجام دے کر شوہر سے

تعاون کیا جا سکتا ہے۔ ماں ہونے کے بعد اولاد کی کیونکر صحیح تربیت کی جاتی ہے۔ قرابت داروں سے کس طرح کا سلوک کرنا مقتضائے انسانیت ہے عام لوگوں کا کیا حق ہے اور ان سے کیسے پیش آنا چاہیئے۔

آپ کی عمر شریف کل ۱۸ برس ہوئی نو سال باپ کے یہاں قبل شادی اور نو سال شوہر کے ساتھ بعد شادی بسر کی۔ آپ کی شادی کے لیے بڑے بڑے مشاہیر نے پیغامات دیئے مگر رسول نے فرمایا کہ اس کا اختیار خدا کو ہے۔ آخرکار جب سب مایوس ہو گئے اور علیؑ ابن ابی طالب نے حسب مشیت پروردگار درخواست پیش کی تو بمنشائے الٰہی رسول نے خندہ پیشانی سے منظور فرما کر حکم دیا کہ تم اپنی زرہ بیچ کر مہر سیدہؑ عالم ادا کرو۔ امیر المومنین نے زرہ بیچی جو تقریباً پانچ سو درہم کی بکی اور بظاہر یہی مہر سنت اسلامیہ قرار دیا گیا۔ بحیثیت رہبر عالم ہونے کے آپ نے اس شادی کو جس سادگی سے انجام دیا وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ سیدہ طاہرہؑ سردار دو عالم کی بیٹی نے کس رضا و رغبت کے ساتھ اس شادی کو پسند فرما کر عملی نمونہ عورات عالم کے لیے پیش کیا۔ آپ کی علمی و عملی زندگی گو کہ بہت مختصر معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت کردار کے کمال کا ارتقائی نقطہ آفتاب عالم تاب بنا ہوا ہے۔ گھر کا کاروبار خود اپنے دست مبارک سے انجام دیتی تھیں۔ جھاڑو دینا، کپڑے دھونا، چکی پیسنا، کھانا پکانا اور دن کا تمام چرخہ چلانا، کپڑے سینا، اولاد کی دیکھ بھال کرنا۔ شوہر کی رضا جوئی۔ باپ کی تعظیم و توقیر میں باپ ہونے اور رسولؐ ہونے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھنا۔ خدا کی عبادت میں سرگرم عمل رہنا۔ لونڈیوں اور غلاموں سے بہترین حسن سلوک ایک دن کل کام خود کرتی تھیں اور ایک دن خادمہ کے ذمہ قرار دیا تھا اس میں بھی خود شرکت کر لیا کرتی تھیں۔ حلال مشکلاتؑ فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہؑ میری

عبادت کی مشکلوں کو حل کر دیا کرتی تھیں۔ رسولؐ بہ حیثیت رسول اتنی شفقت فرماتے تھے کہ جب سفر میں جانے لگتے تھے تو سب کے بعد بیٹی سے رخصت ہوتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو سب سے پہلے ملاقات فرماتے تھے مسجد جاتے وقت دروازۂ سیدہ پر السلام علیکم یا اہل بیت الرسالت فرماتے ہوئے تشریف لے جاتے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد کل پچھتر دن زندہ رہیں اور اسی غم میں راہی جنت ہو گئیں۔ اس قلیل مدت میں بڑے بڑے مصائب جھیلے۔ باپ پر رونے میں پابندیاں بیت الحزن میں جاکر رونے کا سبب تھیں۔ گھر میں آگ لگائی گئی پہلو پر دروازہ گرایا گیا جس کے نتیجہ میں جناب محسنؑ کی شہادت شکم ہی میں واقع ہوئی۔ ان تمام مصائب کو نہایت صبر و تحمل سے برداشت فرماکر ۳ر جمادی الثانیہ سنہ ۱۱ھ کو دنیا سے رخصت ہوئیں اور جنت البقیع میں شب کے وقت اپنے مخصوص دوست داروں اور اعزا کی مشایعت میں سپرد قبر کی گئیں۔ آپ کے دو صاحبزادے ایک امام حسنؑ اور دوسرے امام حسینؑ تھے اور دو بیٹیاں جناب زینبؑ و جناب ام کلثومؑ تھیں۔ اور ایک صاحبزادے جناب محسن شکم مادر میں ہی شہید کر دیئے گئے۔ (مولانا نانپاروی)

۳۔ جناب حضرت علیؑ۔ ۱۳ر رجب سنہ ۳۰ عام الفیل یوم جمعہ کو خانہ کعبہ کے اندر آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے والد کا نام جناب ابوطالب تھا والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا جو ہاشمی خاندان سے تھیں آپ کی تربیت رسول خدا نے فرمائی اور جب آنحضرتؐ نے اپنے رسول ہونے کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے آپ ہی نے اقرار نبوت کیا اور ایمان لائے اور ہر موقعہ پر رسول اللہ کے سینہ سپر رہے اور محبت و وفاداری کا دم بھرتے رہے آنحضرت کے ساتھ تین سال تک کوہِ حرا پر قید کی زندگی بسر کی۔ جب آنحضرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے

والے ہوئے تو حضرت نے آپ ہی کو اپنے بستر پر لیٹنے کا حکم دیا اور کہا کہ میری جان صرف اسی طرح بچ سکتی ہے کہ تم میرے بستر پر چادر اوڑھ کر سو رہو اور میں پوشیدہ طور سے مکہ سے نکل کر چلا جاؤں۔ آپ نے صرف اس قدر فرمایا کہ کیا میرے سو رہنے سے آپ کی جان بچ جائے گی آنحضرتؐ نے نے فرمایا بے شک ایسا ہی ہوگا آپ بے حد مسرور ہوئے اور اطمینان سے چادر اوڑھ کر سو رہے۔ رات بھر کفار تلواریں لیے مکان کا محاصرہ کیے رہے اور آپ بستر رسولؐ پر سوتے رہے صبح جب کفار نے آپ کو بستر پر دیکھا تو آپ پر سختی کرنے لگے اور پوچھنا چاہتے تھے کہ آنحضرتؐ کہاں ہیں آپ نے نہایت بہادرانہ انداز میں کہا کہ کیا تم نے میرے سپرد کیا تھا جو مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ اس کے بعد آپ مکہ میں تین روز تک رہے اور آنحضرت کے پاس جتنی امانتیں تھیں ان کو واپس کیا اور رسول اللہؐ کے یہاں کی مخدرات کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آنحضرت قبا میں آپ کے منتظر تھے۔ جب آپ پہونچ گئے تو داخل مدینہ ہوئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد حضرت علیؑ کا عقد اپنی بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ کے ساتھ کر دیا۔ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد مکہ کے لوگوں نے رسول خداؐ کو چین نہ لینے دیا اور برابر کفار سے جنگ ہوتی رہی اور ہر جنگ میں حضرت علیؑ پیغمبر خداؐ کے دوش بدوش رہے اور جس قدر بھی جنگیں ہوئیں سب میں فتح کا سہرا حضرت علیؑ کے سر رہا قرآن مجید کی جو آیات رسول خداؐ پر نازل ہوتی تھیں ان کا لکھنا اور جمع کرنا حضرت علیؑ کے ہی متعلق تھا۔ تبلیغ کے لیے بھی آپ برابر جایا کرتے تھے۔ ان تمام خوبیوں کی وجہ سے آنحضرت آپ سے بیحد محبت فرماتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ میں علم کا شہر ہوں

اور علیؑ اس کا دروازہ۔ مباہلہ میں حضرت علیؑ کو نفس رسولؐ کا خطاب ملا۔ غدیر کے میدان میں ایک لاکھ حاجیوں کے مجمع میں حضرت علیؑ کو اپنا وصی اور جانشین مقرر فرمایا۔ جب آنحضرت بیمار ہوئے تو حضرت علیؑ برابر آپ کی خدمت فرماتے رہے اور آخر وقت میں حضرت علیؑ کو اپنے سینہ سے لگایا اور آیندہ کے لیے وصیتیں کیں۔ بعد وفات رسولؐ آپ نے تجہیز و تکفین کی قبر میں اتارا جب ان امور سے فرصت ملی تو معلوم ہوا کہ جانشین رسولؐ کا کا مسئلہ طے ہو گیا ہے اپنا حق ظاہر فرمانے کے بعد بہ مصلحت خاموشی سے گھر میں بیٹھ گئے اور قرآن کی ترتیب میں مشغول ہو گئے۔ مگر پھر بھی آپ سے بیعت کا سوال کیا گیا اور لوگ دروازے پر آئے۔ آگ لگائی۔ آپ کے گلے میں رسی باندھی مگر آپ نے تمام باتوں کو برداشت کیا اور بیعت نہ کی۔

خلفائے مسلمین کی وفات کے بعد خلافت کا مسئلہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے عذر فرمایا مگر تمام مسلمین کا مطالبہ ہوا تو آپ نے اس شرط کے ساتھ منظور کیا کہ تمام امور قرآن اور سنت رسول کے مطابق انجام پائیں گے مگر بعد وفات آنحضرت حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ لوگ خالص مذہبی حکومت کو برداشت نہ کر سکے اور بنی امیہ مخالفت پر آمادہ ہو گئے جس کے نتیجہ میں جمل صفین اور نہروان کی لڑائیاں ہوئیں اور ان میں مثل زمانہ رسولؐ کے آپ بہادری سے لڑے۔ ان خانہ جنگیوں کی وجہ سے آپ کو اتنا موقع نہ مل سکا کہ آپ جس طرح کی اصلاحات کرنا چاہتے تھے وہ کرتے پھر بھی سلطنت کی حالت کو کافی درست فرمایا مگر اپنی زندگی نہایت سادگی سے بسر فرمائی اور امیری و غریبی کا فرق کسی موقع پر ظاہر نہ ہونے دیا۔

۱۹ ار رمضان سنہ ۴۰ھ کو بوقت صبح مسجد کوفہ میں حالت نماز میں ابن ملجم نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے آپ کو زخمی کیا اور ۲۱ ار رمضان سنہ ۴۰ھ کو بوقت صبح آپ کی وفات ہوئی اور نجف اشرف میں دفن کیے گئے۔ تعداد اولاد باختلاف روایات ۲۶ لڑکے لڑکیاں جن میں امام حسنؑ۔ امام حسینؑ جناب زینبؑ و اُم کلثومؑ حضرت عباس و جناب محمد حنفیہ عام شہرت کے حامل ہیں۔

۴۔ جناب حضرت امام حسنؑ۔ ۱۵ ار رمضان المبارک سنہ ۳ھ کو بمقام مدینہ منورہ ولادت ہوئی۔ آنحضرتؐ نے آپ کا نام حکم خداوند عالم کے بموجب حسنؑ رکھا۔ اور ان کی پرورش فرمائی آٹھ سال کی جب آپ کی عمر ہوئی تو اس وقت رسولخداؐ نے انتقال فرمایا اور کچھ عرصہ کے بعد مادر گرامی کی بھی وفات ہو گئی۔

خلافت ظاہری حضرت علیؑ میں آپ نے جمل۔ صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں نمایاں حصہ لیا۔ بعد وفات حضرت علیؑ آپ کو مسلمانوں نے مل کر خلیفہ بنایا مگر چونکہ شام میں معاویہ تخت سلطنت پر قابض تھا اور وہ آپ کی حکومت میں ہر طرح کا خلفشار برپا کرنا چاہتا تھا لہذا معاویہ کے جاسوس تمام ملک میں بغاوت پیدا کرنے کی کوشش میں لگ گئے جب امام حسنؑ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک خط معاویہ کو لکھا اور یہ ہدایت کی کہ وہ ایسی حرکتوں سے باز آئے مگر معاویہ اپنی حرکتیں جاری رکھے رہا اور بعد کو عراق پر حملہ کر دیا۔ امام حسنؑ نے مقابلہ کی کوشش کی مگر عام طور سے لوگوں میں جوش و ولولہ نہ تھا۔ البتہ مال غنیمت کی لالچ میں کچھ لوگ شریک جنگ ہوئے۔ آپ معاویہ سے جنگ کرنے کے لیے مع فوج کے چلے اور ساباط میں قیام فرمایا۔ فوج کے طور و طریقوں سے یہ اندازہ ہوا کہ ان کے دلوں میں

خلوص کا جذبہ بالکل نہیں ہے اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے کہا کہ تم لوگوں کے رویہ سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم لوگ جہاد کیلئے تیار نہیں ہو میں تمھیں مجبور کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ اس خطبہ کے بعد فوج میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور مجمع نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ کے نیچے سے مصلا کھینچ لیا اور چادر اتار لی۔ آپ فوراً گھوڑے پر سوار ہوئے تب تک ربیعہ و ہمدانی قبیلوں کے لوگ آپ کی مدد کو پہونچ گئے اور آپ مدائن کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر جراح نے خنجر سے حملہ کیا ران میں زخم آیا جس کی وجہ سے آپ کو مدائن میں ہی علاج کے لیے قیام کرنا پڑا۔ جب آپ کو صحت ہوئی تو آپ نے معاویہ کی فوج سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں۔ معاویہ کو امام حسنؑ کی فوج کی حالت معلوم تھی اور وہ جانتا تھا کہ امام حسنؑ جنگ نہ کریں گے۔ معاویہ نے اپنے فوجی افسر عبداللہ بن عامر کے ذریعہ امام حسنؑ کی فوج کے لوگوں کو خوب رشوت دی اور اپنی فوج کی زیادتی کا کافی پروپیگنڈہ کرا کے امام حسنؑ کی فوج کو دل شکستہ کیا اور اسی کے ساتھ امام حسنؑ سے صلح کی شرائط پیش کیئے۔ فوج کی غداری پر نظر رکھتے ہوئے امام حسنؑ صلح پر تیار ہو گئے۔ صلح حسب ذیل شرائط کے ساتھ ہوئی۔

۱۔ معاویہ قرآن اور سنت رسول پر عمل کرے گا۔ ۲۔ معاویہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہ تجویز کرے گا۔ ۳۔ شام و عراق۔ حجاز۔ یمن کے لوگوں کے لیے امان ہوگی ۴۔ اصحاب علیؑ و شیعوں کے جان و مال محفوظ رہیں گے۔ ۵۔ خاندان رسولؐ کو کسی طرح مرعوب نہ کیا جائے گا۔ ۶۔ حضرت علیؑ کی شان میں جو نامناسب باتیں کہی جاتی ہیں ان کو روک دیا جائے۔

صلح کے بعد دونوں فوجیں اپنی اپنی جگہ واپس چلی گئیں اور پورے طور

سے معاویہ کا تسلط ہو گیا مگر ایک طبقہ آپ کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال
کرتا رہا اور آپ صبر و سکون سے اس کو برداشت کرتے رہے۔ اور معاہدہ
پر سختی سے عمل کرتے رہے۔ اگرچہ کوفہ میں آپ کی اور امام حسینؑ کی موجودگی
میں معاویہ نے سخت الفاظ آپ کی شان میں استعمال کیے جس کا جواب
امام حسینؑ دینے کے لیے کھڑے ہوئے مگر آپ نے روک دیا اور خود ایک مختصر
سی تقریر فرمائی جس میں ظاہر فرمایا کہ معاویہ نے کسی شرط صلح پر عمل نہیں کیا۔
دوست و دشمن سب ہی آپ کی تعریف کرتے تھے۔ مروان جو معاویہ کا
مصاحب تھا وہ بے حد بد زبانی کرتا تھا کہ آپ کو غصہ آجائے اور کوئی ایسی بات
کردیں جس کی وجہ سے معاہدہ شکست ہو جائے اور آپ پر سارا الزام رکھا جائے
اور کشت و خون ہو تا کہ آپ بدنام ہوں مگر کبھی بھی آپ نے ایسا موقعہ نہ دیا
اور صبر سے کام لیتے رہے۔ خاموش زندگی گذارنے کے باوجود معاویہ آپ
کی طرف سے مطمئن نہ تھا اور ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح امام حسنؑ
کا خاتمہ کردیا جائے چنانچہ معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کو جو کہ آپ کی زوجیت
میں تھیں ایک لاکھ درہم دینے کا وعدہ کیا اور اپنے فرزند یزید کے ساتھ شادی
کا بھی اقرار کیا۔ چنانچہ جعدہ نے انگور میں آپ کو زہر دیا۔ جس کی وجہ سے
آپ کے کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور ۲۸ صفر ۵۰ھ کو رحلت فرمائی۔
بموجب وصیت امام حسینؑ آپ کا جنازہ لے کر روضہ رسولؐ پر گئے مگر جناب عائشہ
اور مروان وغیرہ نے مخالفت کی اور جنازہ پر تیروں کی بارش کردی۔ خاندان
بنی ہاشم کے افراد بھی مشتعل ہوئے مگر امام حسینؑ نے روک دیا اور جنازہ
کو جنت البقیع میں لے جا کر دفن کردیا۔ روایات مختلف کی بنا پر تعداد اولاد
رجال و نسا کم از کم ۱۵ اور زائد سے زائد ۳۲ ہے۔ (مولانا نانپاروی)

۵۔ جناب امام حسینؑ۔ آپ رسول اسلام حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نواسہ علیؑ وفاطمہؑ علیہم السلام کے صاحبزادے تھے۔ ۳ شعبان یوم پنجشنبہ ۴ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور سجدہ خالق بجالائے۔ اپنی متبرک آمد کے ضوپاش نور سے کائنات کو ضیا بخشی لعاب دہن رسول و انگشت رسالت کے آب حیات سے غذا حاصل کی۔ آپ کا گوشت و پوست، خون گویا رسولؐ کا گوشت و پوست و خون کہے جانے کا سچا مصداق بنا۔ نبی کا سینہ، علیؑ کی آغوش، فاطمہ کی گود، صاحب معراج نبی کا شانہ، عرش سے بالاتر لوح، مہر نبوت آپ کی تکیہ، نعلین نبی کی جگہیں تھیں۔ جبرئیل گہوارہ جنباں، رضوان جنت خیاط۔ ملائکہ خدام۔ سواری کا ناقہ رسول آپ کی زلفیں بمنزلہ مہار، حامل فضائل بے شمار۔ قدرت کی طرف سے فطرتاً علم و حکمت۔ طبع رسا، و ذہن رواں لے کر آئے۔ مجسمہ معرفت الٰہی، محراب عبادت میں ایک مقبول عابد منبر پر ایک خطیب و واعظ، حل مسائل علمیہ کے لیے ایک بحر ناپیدا کنار، فیصلہ مقدمات کے وقت ایک لاجواب منصف۔ امن و صلح کے پیغام بر میدان جنگ میں آپ اپنی نظیر، شجاع روزگار، خدائی رحم و کرم، جود و سخا کے مظہر، صاحب خلق عظیم کا نمونہ عمل، معراج انسانیت کے رہبر کامل آپ نے اپنے کردار سے اس کی اعلیٰ تلقین کی کہ ایک انسان کا دوسرے انسان پر کیا حق ہے اور ملنساری کے کیا طریقے ہیں، عبادت خدا کتنا بڑا فریضہ ہے اور اس کو کس طرح بجالانا چاہیئے۔ ایک نواسہ کو نانا سے کس طرح مانوس ہونا چاہیئے، احترام رسول کس طرح کرنا چاہیئے، ماں باپ کے حقوق بیٹے پر کیا ہیں اور ان کو کس انداز سے پورا کرنا بیٹے پر فرض ہے۔ بھائی بہنوں سے میل ملاپ کے کیا طریقے ہیں خدائی مقصد کے حصول کے لیے کس طرح اپنے کو جان و مال اولاد

آبرومشیت الٰہ کار بنا دینا فرائض انسانی کا اعلیٰ مقصد ہے۔ آپ نے نانا کے دور میں رسولانہ تبلیغ کے انداز اور باپ کے عہد میں الٰہی قوانین کی نشرواشاعت کے عنوانات اور بھائی کے زمانے میں خدائی تعلیمات کی تلقین کے پراثر طریقے بڑی گہری نظر سے ملاحظہ فرمائے تھے۔ آپ مجموعی حیثیت سے نبوی وعلوی وحسنی سیرتوں کے مکمل آئینہ تھے۔ خالق کی اطاعت مخلوق پر شفقت آپ کی الٰہی سیرت کا اجمالی خلاصہ ہے۔ جب خود منصب امامت سنبھالا تو تین تین دوہائے ہدایت کا خشک وتر نرم وگرم دیکھے بھالے مشیت کے رموز کو سمجھے بوجھے ہوئے تھے دس سال تک دور حکومت معاویہ میں حفاظت احکام الٰہیہ نہایت پُرامن طریقے سے کرتے رہے۔ معاویہ نے اپنے دور میں ظاہر بظاہر کھلے بندوں امام حسینؑ سے سوال بیعت نہ اپنے لیے کیا اور نہ اپنے ولیعہد یزید کے لیے معاویہ کے بعد جب یزید ہی راج آیا تو وہ اپنی کامیابی اسی میں سمجھا کہ امام حسینؑ سے بیعت لے کر اسلام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دے۔ امام حسینؑ اس رمز کو بخوبی سمجھتے تھے اس لیے آپ نے بیعت سے صاف صاف انکار کر دیا۔ یزید ایک نہایت بدکردار عیاش آوارہ منش دہریت کا پیرو اور ظلم وجور کا پتلا تھا۔ امام حسینؑ اس کی بیعت کیونکر کر سکتے تھے آپ کے بیعت کرنے کے یہ معنی تھے کہ اپنے اسلاف کی تمام محنتوں کو رائیگاں کر دیں اور دین الٰہی کا خاتمہ ہو جائے۔ ادھر اسلام دشمن محرک شر و فساد ظلم ودست جفا پرور نفس پرست یزید نے آپ سے بیعت لینے پر اپنی پوری طاقت صرف کر دی اتنے مظالم ڈھائے جس سے زیادہ اس کے امکان میں نہ تھا اور اس کے برعکس امام نے پرامن انکار بیعت باطل کو نہایت عزم مستقل صلح جو عنوان مظلومانہ انداز و پراثر شجاعانہ طور پر مخالفین کے مقابلہ میں پیش کیا کہ ظالما

طاقتیں شکست خوردہ ہوگئیں اور آپ کے زورِ صبر کی کارفرمائی کی تھاہ نہ مل سکی اور پھر کسی ظالم و جابر کی ائمہ اطہار کی کسی فرد سے سوال بیعت کی ہمت ہی باقی نہ رہی۔ حسینؑ مظلوم نے حفاظت خود اختیاری اور مطالبہ بیعت سے پرامن اظہار ناراضگی کی خاطر مدینہ چھوڑا مکہ میں آئے جو اسلامی نقطۂ نظر سے جائے امن ہے مگر وہاں بھی اپنے قتل سے حرمت کعبہ برباد ہونے کا اندیشہ دیکھکر وہاں سے بھی مع عورتوں و بچوں کے روانہ ہوگئے۔ اثناء راہ میں یزیدی لشکر کے ایک رسالہ نے جس کا افسر حر تھا گھیر کر کربلا کے میدان میں پہونچایا۔ دوسری محرم کو واردِ زمین کربلا ہوئے ساتویں محرم کو امام اور ان کے بچوں و عورتوں غرض کہ جملہ ہمراہیوں پر پانی بند کردیا گیا۔ دس محرم یوم جمعہ سنہ ۶۱ھ کو جب تمام انصار و احباء و اعزا راہ خدا میں کام آچکے تو دشمنوں نے آپ کو سجدہ خالق میں شہید کرڈالا خیموں کو آگ لگا کر لوٹ لیا۔ سیدانیوں کے سروں سے چادریں چھین لیں امام زین العابدینؑ کو اسیر ظلم کیا اپنے کشتوں کو دفن کیا امام کی اور آپ کے ہمراہیوں کی لاشیں بے گوروکفن چھوڑیں اہلبیتؑ کو قید کرکے کوفہ روانہ کیا۔ تیسرے دن بہ اعجاز امام زین العابدینؑ نے قید سے آکر کربلائے معلی میں سب کو دفن کرایا۔ باپ کو خود سپرد قبر کیا۔ جہاں آج بھی روضہ اقدس امام زیارت گاہ خاص وعام فیض رسانی کا مخزن بنا ہوا ہے۔ آپ کے بعد امام زین العابدینؑ امام ہوئے۔ اختلافات سے قطع نظر کرکے آپ کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں جن کے اسماء یہ ہیں۔ علی اکبر زین العابدینؑ۔ علی اوسط مشہور بہ علی اکبرؑ۔ عبداللہ رضیع علی اصغر، محمد اور جعفر جو بچپن میں انتقال کرگئے۔ فاطمہ کبریٰ۔ فاطمہ صغریٰ جو مدینہ میں رہ گئی تھیں۔ سکینہ اور رقیہ جن کا انتقال قیدخانہ شام میں ہوا۔

(مولانا ناناپاروی)

۶۔ امام زین العابدین علیہ السلام۔ آپ سلسلہ عصمت کی چھٹی اور امامت کی چوتھی کڑی ہیں آپ کے والد امام حسینؑ اور آپ کی والدہ شاہ زماں (شہربانو) یزدجرد بادشاہ ایران کی بیٹی تھیں آپ کی ذات با صفات وہ تھی جو عرب و عجم دونوں کے لیے باعث افتخار تھیں۔ دادا علیؑ ابن ابی طالب امیر عرب نانا یزدجرد شاہ عجم دادھیال اور نانھیال دونوں طرف سے سرداری آپ کی میراث بن گئی۔ مدینہ منورہ میں ۱۵ جمادی الاولیٰ یوم پنجشنبہ ۳۶ھ کو آپ کی ولادت سے تمام اعزا و احباء میں مسرت کی ایک لہر پھیل گئی۔ آپ کا اسم مبارک علیؑ۔ کنیت ابو محمد القاب سجاد و عابد و زین العابدین تھے۔ آپ اپنے پدر بزرگوار امام حسینؑ سے علم و حکمت و شجاعت و سخاوت و عبادت و صبر و حلم و عفو و کرم میں ہو بہو مشابہت رکھتے تھے۔ ماں کی شفقتوں کے لطف سے آشنا نہ ہو سکے کیونکہ ان کا انتقال زچہ خانہ میں ہی ہو گیا۔ دادا کے برکات حاصل کرنے کا صرف دو سال موقع ملا۔ دادا کے شہید ہونے کے بعد باپ اور چچا کی ہادیانہ و مصلحانہ زندگی کے طریقوں کو بہت غور سے سمجھتے اور بوجھتے رہے۔ ۱۲ سال کے تھے جب چچا کی مفارقت کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ زمانہ پر آشوب ہوتا جا رہا تھا۔ بنی امیہ کے مظالم کا رخ ہر تن اہلبیت رسولؐ اور ان کے ماننے والوں کی جانب بڑی بے رحمی اور خونخواری کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ آپ ایسے انقلابی دور میں باپ کے طرز عمل کو بڑی حکمت خیز نگاہوں سے ملاحظہ فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ ہی گیا جس میں امام حسینؑ کو سفر غربت اختیار کرنا پڑا۔ باپ کے ہمراہ آپ بھی اس سفر کے نتیجہ میں کربلا پہونچے صحت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اثنائے راہ میں یا کربلا پہونچنے کے بعد کب سے آپ کی شدید علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ مختصر یہ کہ کربلا میں آپ ایسے سخت

بیمار تھے کہ اپنی جان اپنے مظلوم باپ پر نثار نہ کرسکے تمام حادثہ کربلا گذر گیا اور بیمار امام بہ حسرت دیکھتا رہ گیا مشیت الٰہی پر صابر رہا۔ باپ کی شہادت کے بعد جب بار امامت کے حامل ہوئے تو دیکھا کہ خیمے جلے، اہل حرم لٹے۔ بیوائیں اور یتیم سب قیدی بنے خود اسیر محن ہوئے۔ باپ دادا اور چچا کی حکیمانہ زندگیوں اور الٰہیہ سیرتوں کا گہرا مطالبہ کیئے ہوئے بیمار امام مشیت کے اشاروں پر صبر و رضا کی منزلوں کو طے کرتا ہوا ذریت رسول قیدیوں کے ساتھ بیجا مظالم و ناحق خون حسینؑ بہائے جانے بے خطا قید و بند کیئے جانے اور اپنی حقانیت کا بہ ہمت مردانہ خدائی مبلغ ہونے کی حیثیت سے پُر امن و ہدایت آموز اعلان کرتا رہا۔ اپنے مواعظ و نصائح و اثر انداز خلق و مظلومیت سے دشمنوں کو لرزہ براندام کرتا اور احساس شکست دلاتا جفاؤں کے خار زاروں کوچہ و بازاروں کوفہ و شام کے درباروں اور زندانوں کے مصائب جھیلتا فاتحانہ انداز سے رہائی کی منزل سے گذر کر مدینہ پہونچا وہاں پہونچ کر بس دو مشغلے تھے ایک اللہ کی عبادت اور اس سے مناجات اس انداز سے کہ جس سے تمام دنیا ہدایت حاصل کرسکے اور جو ان کی دعاؤں کے مجموعہ صحیفۂ کاملہ زبور آل محمدؐ میں آج بھی موجود ہیں دوسرے باپ کے غم میں شدت کے ساتھ رونا جو فطرتاً لوگوں کو آپ کا ہمدرد بنا دیتا تھا اور اس حکیمانہ طرز عمل سے جسے کوئی روک نہ سکتا تھا واقعات کربلا کی طرف لازمی طور پر ذہنوں کو موڑنا پڑتا تھا اور حقیقت کا انکشاف ہوتا جاتا تھا مظلومیت سے جذبہ ہمدردی خون حسینؑ کا بدلہ لینے کی طرف عوام کے رجحانات کو مبذول کر رہا تھا۔ بنی امیہ کی ظالم حکومت کا طبقہ الٹ رہا تھا مگر امام کا رویہ ایسا الگ تھلگ تھا کہ کسی کو آپ کی طرف شبہ کی گنجائش ہی نہ

تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آج جناب مختار وغیرہ ایسے مومنین کے بارے میں اختلافی نظریات قائم ہو گئے مگر منجانب اللہ عہدہ امامت پر مامور امام اپنے انوکھے طریقہ ہدایت سے فیض رسانی فرماتا رہا۔ یزیدی دور گذر گیا۔ عبدالملک بن مروان کی حکومت آئی اس نے دوبارہ امام زین العابدینؑ جیسے محتاط گوشہ نشین معصوم سے بلا سبب اپنی مخالفت کا اندیشہ پاکر قید کرکے شام بلوالیا مگر مشیت خدا کی کارفرمائی کہ وہی تین دن کے بعد رہا کردیا لیکن عداوت کی آگ بھڑکتی رہی یہاں تک کہ ہشام بن عبدالملک کا وقت آیا۔ فرزدق کے واقعہ نے اس کے حسد کو تیز تر کردیا۔ باختلاف روایت ہشام بن عبدالملک یا اس کے بھائی ولید نے بذریعہ زہر دغا اس شمع ہدایت کو ۲۵ محرم ۹۵ھ یوم دوشنبہ کو گل کرادیا۔ آپ کے جانشین امام حضرت محمد باقر علیہ السلام نے غسل و کفن دے کر باپ کی لاش اقدس جنت البقیع میں لاکر پہلوئے امام حسنؑ میں سپرد لحد کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تعداد اولاد سب مرد و عورت مختلف روایتوں کے مطابق کم سے کم ۱۵ از یادہ سے زیادہ ۲۰ پائی جاتی ہیں۔ (مولانا نانپاروی)

۷۔ امام محمد باقر علیہ السلام۔ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ ماں اور باپ دونوں طرف سے وراثت رسولؐ کے حقدار تھے۔ کمالات رسالت اور فضائل علویہ و فاطمیہ کے آئینہ دار تھے۔ آپ کا اسم گرامی محمد اور لقب باقر تھا آپ نے مدینہ طیبہ کو بروز جمعہ پہلی رجب ۵۷ھ میں اپنے وجود نورانی سے روشن فرمایا۔ آپ کے والد بزرگوار امام زین العابدینؑ بن حسینؑ بن علیؑ و فاطمہؑ تھے اور والدہ ماجدہ فاطمہ بنت حسنؑ بن علیؑ و فاطمہؑ تھیں۔ آپ قدرت کی طرف سے کمالات عالیہ لے کر پیدا ہوئے تھے

اپنے باپ دادا کی ہادیانہ و مصلحانہ زندگیوں کا بڑی ذہانت علمی و طباعی کے ساتھ معائنہ فرما کر نتائج بھی پیدا کیے تھے۔ آپ واقف علوم ربانی عالم امور باطنیہ کاشف اسرار الٰہیہ تھے۔ کربلا کے واقعہ میں آپ بھی موجود تھے اس وقت سن مبارک ساڑھے تین سال کا تھا بہ مصالح الٰہی آپ قتل ہونے سے بچے رہے۔ قیدیوں میں آپ بھی شامل تھے۔ باپ کی شہادت کے بعد جب اظہار منصب امامت فرمایا تو اس زمانہ میں حکومت بنی امیہ تیزی سے رو بہ زوال تھی۔ یہ موقع آپ کو غنیمت مل گیا۔ آپ نے نشر علوم اہلبیت خوب فرمایا۔ اور ہزاروں حدیثیں لوگوں نے آپ سے حاصل کیں۔ علوم حدیث و فقہ و کلام و تفسیر کے بڑے بڑے زبردست عالم آپ نے پیدا کر دیئے۔ یہی نہیں کہ دوست ہی آپ سے تحصیل سعادت کرتے تھے بلکہ دشمن بھی اکتساب فیض کرتے تھے۔ حکومت کے دریافت کرنے پر اپنے جد علیؑ ابن ابی طالب کی طرح حل مسائل مشکلہ بھی فرمادیا کرتے تھے۔ حکومت کے خواہش مند ہونے پر اپنی سپہ گری کا فن بھی اس طرح دکھلا دیا کہ بڑے بڑے شجاع و بہادر حیران ہو کر رہ گئے۔ مگر افسوس برابر بغض و حسد کا جتنا رنگ کمال حضرت کا نکھرتا جاتا تھا اتنے ہی عداوت کے شعلے بھڑکتے جاتے تھے۔ تا اینکہ ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ بروز جمعہ کو ہشام بن عبد الملک کے زہر سے دنیا اس مصدر علم و فضل سے مستفید ہونے سے محروم ہوگئی۔ یہی وہ ذات جامع صفات تھی جس نے مجلس سید الشہدا کا اعلانیہ انعقاد فرمایا۔ آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ مرثیہ امام حسینؑ پڑھے اور مومنین کو جمع کر کے سنوایا گیا۔ بعد شہادت آپ کے فرزند و قائم مقام امام جعفر صادقؑ نے آپ کو غسل و کفن دے کر جنت البقیع واقعہ مدینہ میں باپ کی قبر کے پاس دفن کیا۔ آپ نے اپنے

بعد، ۷ اولادیں چھوڑیں۔ امام جعفر صادقؑ۔ عبد اللہ۔ عبید اللہ۔ ابراہیم۔ علی۔ ام سلمہ۔ زینب۔ (مولانا ناپاردی)

۸۔ امام جعفر صادقؑ۔ اسم گرامی جعفر لقب صادق کنیت ابو عبد اللہ آپ امام محمد باقر کے فرزند تھے۔ ماں کا نام ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر۔ مدینہ میں دوشنبہ کے دن ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ کو دنیا کو نورانی کرنے تشریف لائے۔ باپ کی طرح اشاعت علوم اور ہدایت خلق کا غنیمت موقع پاکر باطمینان اپنے افادات علمیہ سے تقریباً چار ہزار مفسرین و محدثین و متکلمین و مناظرین و فقہاء و علماء کاملین بنا دیے۔ علم سائنس جس پر آج کل دنیا کو بہت ناز ہے اس کے معلم حقیقی صادق آل محمدؐ ہیں۔ اس علم میں آپ کے شاگرد خاص جابر ابن حسان ہیں جنھوں نے علم سائنس پر ... ۴ کتابیں لکھیں جو مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر علم سائنس کا ماخذ اولیں قرار پائیں۔ علم ریاضی بھی صادق آل محمدؐ سے انھیں ابن حسان کے ذریعہ دنیا میں پھیلا۔ علم کیمیا بھی آپ ہی سے دنیا نے حاصل کیا۔ علم جفر نے بھی آپ ہی سے شہرت پائی۔ غرض کہ مذہب اسلام کا جتنا نشر آپ کے عہد میں ہوا اتنا کسی امام اہلبیتؑ کو موقعہ نہ حاصل ہو سکا۔ اسی بنا پر مذہب شیعہ کا نام ملت جعفریہ بھی قرار پاگیا۔ آپ کے زمانے میں انقلابات کا طوفان برپا تھا۔ بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی۔ منصور دوانقی بنی عباس کے دوسرے خلیفہ نے حاکم مدینہ کے ذریعہ آپ کو انگور میں زہر دلوا کر ۱۵ شوال یوم دوشنبہ ۱۴۸ھ کو شہید کرا دیا۔ آپ کے فرزند امام موسیٰ کاظم نے باپ کی تجہیز و تکفین کی اور جنت البقیع میں جہاں باپ اور دادا دفن تھے دفن فرمایا۔ آپ کے زمانے میں بڑے بڑے مظالم محبان اہلبیتؑ و آل رسول پر بنی امیہ اور بنی عباس

حکمرانوں نے کیے۔ قید کیا۔ قتل کیا۔ زندہ دیواروں میں چنوا دیا۔ جناب زید شہید کا دردناک قتل و بعد قتل لاش اقدس سے ناگفتہ بہ برتاؤ سلوک کیا گیا۔ جس کے بیان کے لیے الفاظ نہیں ملتے کہ صحیح اظہار ہوسکے۔ پابند مشیت امام نے بڑے صبر و اطمینان نفس کے ساتھ اس منزل کو طے فرمایا۔ آپ کے بلیٹی بیٹے کل ۱۱ یا ۱۱ تھے۔ (مولانا نیازوی)

۹۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔ اسم اقدس موسیٰ لقب کاظم کنیت ابو علی۔ حضرت ۷ صفر یوم یکشنبہ سنہ ۱۲۸ھ کو مدینہ سے تیس میل کے فاصلہ پر مقام ابواء جہاں قبۂ جناب آمنہ مادر رسولؐ ہے متولد ہوئے۔ امام جعفر صادقؑ آپ کے والد اور حمیدہ بربریہ والدہ۔ آپ دولت علوم ربانیہ سے مالا مال لدنی معلومات کے مالک تھے۔ خاندان بنی ہاشم کے تمام صفات حمیدہ کا مجسمہ، باپ دادا کے محاسن و فضائل و برکات کا پیکر، سیرت رسول کا اکمل ترین نمونہ تھے۔ غرض کہ انسانیت کاملہ کی معراج پر فائز تھے۔ کم و بیش بیس سال تک باپ کی آغوش شفقت میں رہنے کے بعد اپنے عہد امامت میں تعلیم انسانیت و شریعت میں منہمک رہے۔ خاموشی کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دے رہے تھے۔ آپ کے علم و فضل و کمال کے سامنے اس زمانہ کے تمام صاحبان علم و فضل سر تسلیم خم کیے تھے۔ ہر شخص عزت و تعظیم کرتا تھا۔ قوت برداشت و علم اتنی نمایاں تھی کہ کاظم لقب قرار پا گیا۔ دنیاوی جاہ و جلال کے شیفتہ نفس پرستی کے گرویدہ آپ کی بڑھتی ہوئی عظمت اور اپنے سے اعلیٰ مرجعیت کی بنا پر بغض و حسد سے آپ کے جانی دشمن ہو گئے اور اس خیال سے کہ جب تک یہ موجود رہیں گے ہمارا چراغ نہیں جل سکتا آپ کے درپے آزار ہو گئے حکومت وقت کے قیدی بنائے گئے۔ ہارون رشید عباسی حاکم وقت تھا

اس نے آپ کو مختلف نگہبانوں کی حراست میں رکھا مگر جب نگہ بان حضرت کے محاسن و عبادت کو دیکھتا تھا تو قدرتاً ایذا رسانی میں کمی کرتا تھا۔ ہارون اس بات کو محسوس کر کے نگہ بان بدلتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری نگہ بان ایک ایسے شقی القلب سندی بن شاہک کو مقرر کیا جو حضرت کو سخت تکلیفیں پہنچاتا تھا۔ افسوس اس کے ذریعہ سے ہارون رشید نے ایسے ہمدرد خلائق ہمہ فضل و کمال امام کو زہر دلوا کر خلق اللہ کو آپ کے فیض سے ۲۵ رجب یوم جمعہ ۱۸۳ھ کو بغداد کہنہ میں محروم کر دیا۔ آپ کے فرزند و جانشین امام علی رضاؑ نے آخری رسومات بجا لا کر بغداد کے قریب دفن کیا جو آپ کے نام سے منسوب ہو کر کاظمین کے نام سے مشہور ہے اور زیارت گاہ عقیدت مندان ہے۔ بہ اختلاف روایات آپ کے کل لڑکے لڑکیاں ۵۲ یا ۳۷ تھے (مولانا ناتجادی)

۱۰۔ امام علی رضا علیہ السلام۔ اسم مقدس علیؑ۔ رضا لقب۔ ابوالحسن کنیت۔ آپ امام موسیٰ کاظمؑ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ماں کا نام نجمہ یا خیزران تھا۔ ۱۱ ذی قعدہ۔ جمعہ کے دن ۱۴۸ھ کو مدینہ رسولؐ میں اپنے نور کرامت ظہور سے زمانہ کو معمور فرمایا۔ خاندانی اعتبار سے فخر بنی ہاشم مایہ ناز بنی مطلب۔ آباؤ اجداد کے سیرت و کردار و اوصاف کا مرقع۔ تعلیمات رسولؐ کا بالکل صحیح نقش۔ مشیت و رضائے الٰہی کا نور بار مجسمہ۔ علم و حکمت شجاعت و سخاوت۔ عبادت و ریاضت۔ خلق اللہ سے مشفقانہ ہمدردی و ان کی ہدایت کا مخزن۔ تشنہ کامان خلق کی سیرابی کا خدائی چشمہ۔ حصول تقرب الٰہی کا علمی روشن منارہ۔ مکارم و اخلاق و محاسن و عادات کا عرش رفعت محل تھے۔ انھیں صفات کا حامل ہونے کی وجہ سے خواہشات نفسانی کے دلدادگان کے سینوں میں آتش حسد بھڑک اٹھی۔

ان کے کمالات باقیہ کے سامنے اپنے مال و دولت و شان و شوکت کو ہیچ پاکر احساس کمتری کے تقاضوں سے ان کی ایذا رسانی پر آمادہ ہو گئے کہ جب یہ رہ ہی نہ جائیں گے تب تو ہمارا وقار مسلم ہو گا ورنہ نہیں یہی خیال خام و وسوسہ بد نفسی ہے جس نے عداوت کی راہیں کشادہ کیں ورنہ خود حضرت اور آپ کے آبا و اجداد طاہرین نے کسی کا کیا بگاڑا تھا کہ وہ دشمنی کرتے کوئی ایک جھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی تو ایسا نہیں ملتا کہ جس میں آپ حضرات کی جانب سے کسی مخلوق خدا کی بد خواہی کا کوئی شمہ بھی پایا جاتا ہو۔ باوجود دشمن ہونے کے بھی کسی کی زبان پر ان کے خلاف کوئی بات نہ آسکی۔ باپ کے بعد اپنے عہد میں امام علی رضاؑ نے کافی تبلیغ فرمائی جس میں کافی حصہ عزائے حسینی کا ہے جس کو آپ نے ترغیب خلائق کے لئے بڑے پر اثر و جاذب قلوب طریقے سے عملاً و قولاً بڑے شد و مد کے ساتھ دنیا والوں تک پہونچایا جس کا اثر آج بھی ظاہر ہے۔ مجلس کا لفظ ذکر حسینؑ کے سلسلہ میں غالباً آپ کی حدیث سے لیا گیا ہے۔ تقسیم و طرز ذاکری ذاکر کا صلۂ خدمت وغیرہ یہ سب آپ ہی کی تلاش ہے۔ چونکہ مامون کے سامنے ہارون رشید کی طرح یہ مثال تھی کہ ان کے ظالم اسلاف نے جو ذریت رسول سے کھل کر جنگ کی۔ قتل کیا گھر لوٹا اکٹھا قید کیا تو اس کا نتیجہ بجائے مفید ہونے کے مہلک ثابت ہوا تو اس راستے سے ہٹ کر مامون نے چاہا کہ خفیہ سازش کی جائے اور بظاہر ان سے مل کر ان کو زک دی جائے اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے پہلے تو خلافت پیش کی مگر جب حضرت نے اس سے انکار کیا تو ولی عہدی کی استدعا کی امام نے اس کو بھی رد کر دیا اس کے قبول کرنے کے لیے تشدد پر اتر آیا تو مجبوراً بہ ایمائے مشیت آپ نے

اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ امور سلطنت میں کوئی دخل نہ دیں گے جب ولی عہدی کا اعلان ہو چکا تو مامون نے اسی محفل میں آپ کا عقد اپنی بہن ام حبیبہ سے کر دیا اب مامون سمجھ رہا تھا کہ اس کا اثر امام پر کافی پڑے گا اور مامون کے ہمنوا ہو جائیں گے لیکن اس کے بعد بھی جب حضرت کی آبائی سیرت میں کوئی فرق نہ آیا اور اپنی تدبیر میں ناکام رہا تو عداوت کا جذبہ ایسا بھڑکا کہ اس پر قابو نہ پاکر امام کو زہر دغا سے ۲۳ ذی قعدہ یوم سہ شنبہ ۲۰۳ھ کو شہر طوس میں شہید کر دیا اور اپنے کو سبب شہادت سے بری ثابت کرنے کے لیے خوب غم کا مظاہرہ کیا اور نہایت تزک و احتشام سے آپ کے بعد ہونے والے امام آپ کے دل بند امام محمد تقی کے ذریعہ تجہیز و تکفین کی اور سناآباد میں ہارون کے قریب دفن کرایا۔ جو اب مشہد مقدس کے نام سے مشہور ہے۔

اولاد کی تعداد اختلاف ہے جس کی رو سے کل ذکور و اناث چھ یا گیارہ تھے۔ (مولانا نا عیارودی)

۱۱۔ امام محمد تقی علیہ السلام۔ آپ چہاردہ معصومین میں سے گیارہویں معصوم اور سلک امامت کی نویں کڑی تھے۔ اسم مقدس محمد لقب تقی و جواد کنیت ابوجعفر، ابوعلی۔ ۱۰ رجب یوم جمعہ ۱۹۵ھ مدینہ مشرفہ میں آپ کی ولادت پرنور سے کائنات روشن ہو گئی۔ پدر عالی قدر امام رضا اور مادر علیا جناب سکینہ حضرت عمار یاسر کے خاندان سے تھیں آپ بارگاہ احدیت سے مظہر علوم الٰہیہ بنا کر بھیجے گئے ان تمام صفات کے بدرجہ اکمل حامل تھے جو ایک منجانب اللہ ہادی خلائق کی ذات بابرکات میں پائی جانی چاہیے۔ ذریت طاہرہ ختمی مرتبت رسول کی کل خصوصیات کے آئینہ دار تھے سیرت النبی

کے عملی خاکہ تھے آپ کو دیکھکر رسول کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ آپ میں خدائی جلوہ نظر آتا تھا۔ والد بزرگوار کی بابرکت صحبت میں رہنے کا بہت کم موقع مل سکا آپ کا سن مبارک آٹھ سال کا تھا جب ہی غم یتیمی میں مبتلا ہو گئے ہدایت خلق کے فرائض انجام دینا پڑے جس کو آپ نے شایان شان بجالائے۔ عبادت خدا میں مشغولیت ماسوا اللہ سے استغنا عزم محکم و صبر و رضا پر عمل مخلوقات کی خیر خواہانہ ہدایت دوستوں سے شفقت و محبت دشمنوں سے بہ خندہ پیشانی پیش آنا۔ حاجت مندوں کی حاجت برآری کرنا۔ غربا پروری و غلام نوازی۔ بیکسوں کی چارہ گری۔ مظاہرۂ انکساری، معرفت الٰہی اطاعت رسالت پناہی کے دلنشیں و پُر منفعت موثر مواعظ سے قلوب کو روشن کرنا، تعلقات عبد و معبود کی تعلیم دینا، نوع انسانی کی ارتقائی معاشرت کے عنوانات کی تلقین صحیح فرمانا آپ کے فیض رساں سیرت و کردار کے نمایاں پہلو ہیں۔ آپ کو ظالم حکومت بنی عباس اپنی آزادی کی راہ میں حائل سمجھتی تھی۔ مامون نے یہ سوچ کر کہ آپ کمسن ہیں میرا اثر و اقتدار آپ پر پڑے گا اور آپ اپنے آباؤ اجداد کے رویہ میں تبدیلیاں کردیں گے۔ اگر میں تالیف قلب کرتا رہوں گا۔ تو اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لہذا اس نے یہ تدبیر کی کہ اپنے دربار میں حضرت کے لیے مخصوص جگہ اپنے پہلو میں قرار دی۔ لوگوں کی مخالفتوں کے دنداں شکن جوابات دیئے اور اپنی بیٹی ام الفضل کا عقد حضرت سے کرنا چاہا تو شدید مخالفتیں کی گئیں جس کا جواب مامون نے یہ دیا کہ تمھارے درمیان میں کوئی بھی عالم جلیل اس خاندان رسالت کے بچہ کو مرعوب بنادے تو میں اپنی رائے سے دست بردار ہوتا ہوں غرض کہ ایک بہت بڑا مجمع کیا گیا جس میں اکابرین علما بلائے گئے اور سب نے بہ اتفاق تسلیم

کیا کہ اس وقت فضل و کمال میں یحییٰ بن اکثم اپنا جواب نہیں رکھتے ان سے امام محمد تقیؑ سے مباحثہ ہو جائے۔ مختصر یہ کہ یحییٰ ابن اکثم ایک ہی سوال کرنے کے بعد امام کے سامنے بہ خفت سپر انداختہ ہو گیا اور تمام مجمع امام کے فضل و کمال کا معترف نظر آنے لگا۔ مامون اپنی کامیابی پر خوش ہوا اور اسی وقت مجمع میں آپ کو اپنا داماد بنا لیا لیکن جو کچھ اس نے سوچا تھا کچھ بھی نہیں ہوا امام محمد تقیؑ میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ پیدا ہوئی تو مامون اپنے کیے پر شرمندہ ہوا اور ناکامی کی خجالت کے باعث حضرت کا شدید دشمن ہو گیا یہاں تک کہ اس کا عہد ختم ہوا اور اس کا بھائی معتصم باللہ تخت حکومت پر بیٹھا۔ چونکہ ام الفضل کے عقد میں یہ اپنی مخالفت میں کامیاب نہ ہو سکا تھا اب اس نے موقع پا کر ۲۹ ذی قعدہ یوم سہ شنبہ ۲۲۰ھ کو زہر دغا سے شہید کیا اور آپ کے جانشین امام علی نقیؑ نے آپ کو غسل و کفن دیکر کاظمین میں امام موسیٰ کاظم کی قبر شریف کے پاس دفن کیا۔ آپ کی اولادیں مرد و عورت ۷ یا ۱۱ مذکور ہیں۔ (مولانا نا نپاروی)

۱۲۔ امام علی نقی علیہ السلام۔ اس امام ہمام کا نام علی نقی لقب ابوالحسن کنیت ابو علی۔ آپ امام محمد تقیؑ کے نورِ نظر تھے ماں کا اسم گرامی سمانہ مغربیہ تھا۔ مدینہ منورہ میں پانچویں رجب بروز جمعہ ۲۱۳ھ کو اس نعمت خداجۃ اللہ نے دنیا میں نزول اجلال فرمایا۔ چھ سال کے سن میں باپ کی شہادت کے بعد خدائی نمایندگی کے مظہر ہوئے۔ اس گردیتیمی میں آئے ہوئے گوہر خوش آب کی چمک دمک نے اکابرین و افاضلین عالم کی نگاہوں کو چکا چوند بنا دیا حکمت کے بیش بہا جواہرات سے طالبان علوم کی جھولیاں بھرنے لگیں۔ انکسار و تواضع کے ساتھ غربا و فقرا کی دلجوئی کا مرکز بنے۔ تشنہ کامان تقرب الٰہی کو اپنے چشمہ معرفت

سے سیر و سیراب فرمایا تھوڑی ہی عمر میں حکومت بنی عباس کے طوفان خیز چھ چھ انقلاباتی زمانوں کا سامنا کرنا پڑا اگرچہ کوہ عزم و استقلال اپنے مقام پر بعینہ قائم رہا۔ مصائب پر مصائب کی بارش ہوئی۔ مثلاً زائران حسینؑ پر ہیبت ناک درد انگیز مظالم روضہ ہائے نجف و کربلا کی مسماری۔ علیؑ ابن ابی طالب کی تمسخر خیز طریقہ پر نقلیں۔ حضرت کو بزم شراب میں بلا کر شراب نوشی کی دعوت۔ حضرت سے گانے کی فرمائش اور امام کا ناصحانہ انداز سے چند وعظ سے بھرے ہوئے اشعار پڑھ کر محفل طرب کو محفل غم بنا دینا وغیرہ وغیرہ لیکن صبر پر مامور امام پابند مشیت ہادی خلق کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی اور حلم و بردباری کے ساتھ ان سب زیادتیوں کو برداشت کرتے رہے۔ ایسی بابرکت ذات و مفید خاص و عام جلیل القدر ہستی کو معتمد یا معتز باللہ نے اپنی مادی سطوت و شوکت میں حائل سمجھ کر ۳ رجب ۲۵۴ھ یوم شنبہ کو زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔ امام حسن عسکریؑ آپ کے فرزند اور آپ کے بعد ہونے والے امام نے غسل و کفن دیکر نماز جنازہ پڑھائی اور مکان مسکونہ سامرہ میں دفن کیا۔ جہاں آپ کا روضہ زیارت گاہ عقیدت مندان ہے۔ آپ کی اولاد کا شمار کل پانچ ہے۔ (مولانا نانپاروی)

۱۳۔ امام حسن عسکری علیہ السلام۔ نام حسن۔ لقب عسکری۔ کنیت ابو محمد۔ آپ نے مدینہ رسول کو ۱۰ ربیع الثانی یوم جمعہ ۲۳۲ھ کو علوم لدنیہ و وہبیہ سے بھرپور ظلمت باطل کو کافور بنانے کے لیے اپنے جمال سے زمانہ کو روشنی بخشی۔ آپ کے پدر بزرگوار امام علی نقیؑ اور آپ کی مادر گرامی قدر سوسن خاتون تھیں باپ کے ساتھ ۱۲ سال کے سن میں سامرہ آئے۔ ۱۰ سال تک کبھی قید کبھی حراست میں باپ کی تبعیت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ ۲۲ سال کے جب ہوئے تو امامت کی ذمہ داریاں قائم مقام پدر رہ کر حسب منشائے قدرت

پوری کرنے لگے خاموشی کے ساتھ مومنین کو راہ حق پر چلنے کی ہدایت اور دین حقہ کی نشرو اشاعت کرنے میں منہمک رہے۔ آپ کا مسلک رحم وکرم بخشش و نوازش، خدمت خلق، ہمدردی، سچائی، نیکی درگذر۔ مساوات تھا علمی نادر جواہرات لٹاتے۔ غیر مسلم علماء سے۔ دہریوں کے فضلا سے، بطریق احسن مباحثہ کرکے ان کو قائل معقول کر دیتے تھے۔ غرضکہ اپنے اباؤ اجداد طاہرین کی یاد کو سچے اور صحیح معنوں میں اپنے قوالی و عملی طرز سے تازہ کرتے اور ان کی سیرت ہائے مقدسہ کو اجاگر فرماتے رہنے نے آپ کو مرجع خواص و عام بنا دیا تھا۔ یہ امر سلاطین وقت کو جن کی نگاہوں میں مادی دلفریبیاں سمائی ہوئی تھیں جور و خیانت سے کوسوں دور خود پرستی کے خوگر تھے بھلا کب گوارہ ہو سکتا تھا۔ مگر امام کے خلاف کوئی بات ہی نہ ملتی تھی کہ جس کے ذریعہ الزام لگا کر قتل کرادیں۔ اور ان کا وجود شریف بھی قوت برداشت سے باہر تھا لہذا خفیہ سازش کو کام میں لاکر معتمد بن متوکل نے جمعہ کے دن ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو زہر دلوا کر اس شمع ہدایت کو گل کرا دیا۔ امام زمانہ آپ کے قائم مقام صاحبزادے نے بہ کرامت تجہیز و تکفین کے بعد نماز پڑھا کر سامرہ میں امام علی نقیؑ آپ کے پدر بزرگوار کے پہلو میں دفن کیا۔ جہاں حضرت کا روضہ زیارت گاہ عقیدت مندان ہیں۔ آپ کی اولاد کا سوائے حضرت محمد مہدیؑ صاحب الامر کے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ (مولانا نانپاروی)

۱۴۔ امام عصر علیہ السلام۔ آپ کا اسم گرامی محمد کنیت ابو القاسم القاب قائم۔ مہدی۔ صاحب الزماں وغیرہ وغیرہ ہیں۔ آپ اللہ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے پیشوائے خلق۔ رہبر عالم ہیں۔ آپ پیغمبر عالمؐ کی نسل سے رسول اللہؐ کے بارہویں وصی سیرت و صورت نبوی کی بے کم و کاست ہو بہو جیتی جاگتی تصویر

ہیں۔ آپ نے اپنے وجود ذی جود کے آفتاب عالمتاب سے سامرہ میں ۱۵؍ شعبان المعظم یوم جمعہ ۲۵۶ھ کو صبح صادق کے وقت کائنات عالم کو روشن ومنور فرمایا۔ امام حسن عسکریؑ آپ کے گرامی قدر باپ اور ماں جناب نرجس خاتون ہیں۔ آپ اپنے اسلاف طاہرین کے مانند خدا کی طرف سے کل کائنات کی ہدایت کے تمام لوازم سے سجے سجائے اللہ کے علاوہ معلمین کی تعلیمات سے مستغنی مہدی بنا کر پیدا کئے گئے۔ آپ کی ولادت کو اسی طرح قدرت نے پردۂ راز میں رکھا جیسے جناب موسیٰ کی ولادت دشمنوں کی کوشش بلیغ کے باوجود ان پر ظاہر نہ ہو سکی۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے شب نیمہ شعبان ۲۵۶ھ میں اپنی پھوپھی حلیمہ خاتون سے فرمایا کہ آج صبح صادق کو حجۃ خدا میرا فرزند پیدا ہوگا۔ پوچھا کس کے بطن سے ہوگا نرجس میں تو آثارِ حمل پائے نہیں جاتے۔ حضرت نے جواب دیا یہ رازہائے قدرت ہیں ان میں شک نہ کیجئے۔ چنانچہ جو کچھ جس طرح امام حسن عسکریؑ نے فرمایا تھا ظاہر ہوا اور امام قائم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جب ۵ سال کے ہوئے تو باپ کے قائم مقام ہو کر غیبت میں رہ کر سفراء کے ذریعہ سے ہدایت خلق فرماتے رہے ۶۹ سال تک غیبت صغریٰ کا زمانہ تھا جب کہ آپ کی خدمت میں مخصوص علماء و فضلاء ہی بار یاب ہو سکتے تھے اس کے بعد یعنی ۳۲۹ھ سے زمانہ غیبت کبریٰ شروع ہو گیا اب جب حکم خدا ہوگا ظہور فرما کر خدائی حکومت کو غلبہ کے ساتھ مستحکم فرمائیں گے۔ عجل اللہ فرجہ۔ عدد اولاد محقق نہیں۔ العلم عند اللہ۔ (مولانا ناناپاروی)

٭

مخصوص الفاظ متعلق چہاردہ معصومین علیہم السلام

۱۔ ائمہ اثنا عشر۔ بارہ امام۔
۲۔ امام۔ پیشوا، ہادی۔
۳۔ اہلبیتؑ۔ گھر کے لوگ خصوصاً رسالت کے گھر کے لوگ۔
۴۔ ائمہ۔ امام کی جمع ہے۔ پیشوایان دین۔
۵۔ امام ناطق۔ صفت امام۔
۶۔ بتول۔ تارک الدنیا۔ جناب فاطمہؑ کا لقب۔
۷۔ پنجتن پاک۔ مراد حضرت محمدؐ مصطفٰے۔ حضرت علیؑ۔ حضرت فاطمہؑ امام حسنؑ و امام حسینؑ۔
۸۔ چہاردہ معصومینؑ۔ بارہ اماموں کے ساتھ جناب رسولؐ خدا اور جناب فاطمہؑ کو شامل کر کے چہاردہ معصومینؑ کہا جاتا ہے یعنی ان چودہ حضرات کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وقت پیدائش سے لے کر وفات تک ان حضرات سے کوئی گناہ یا خطا سرزد نہیں ہوئی۔
۹۔ خاتون جنت۔ جنت کی شہزادی حضرت رسولؐ خدا کی صاحبزادی جناب فاطمہؑ کا لقب۔
۱۰۔ دوازدہ امام۔ بارہ امام۔
۱۱۔ زہرہ۔ جناب فاطمہؑ کا لقب۔
۱۲۔ ساقی کوثر۔ حضرت علیؑ کا لقب۔

۱۳۔ سجّاد۔ جناب امام زین العابدینؑ کا لقب
۱۴۔ شاہ لافتیٰ۔ مراد حضرت علی علیہ السلام
۱۵۔ شاہ مرداں۔ حضرت علی کا لقب۔
۱۶۔ شاہ نجف۔ لقب حضرت علی علیہ السلام کیونکہ آپ نجف اشرف میں دفن ہیں۔
۱۷۔ شبّر و شبیّر۔ امام حسنؑ و امام حسینؑ کا لقب۔
۱۸۔ صاحب الزماں۔ حضرت امام مہدیؑ کا لقب۔ آپ کو آخر الزماں بھی کہتے ہیں۔
۱۹۔ مرتضیٰ۔ حضرت علیؑ کا لقب۔
۲۰۔ مشکلکشا۔ مشکل حل کرنے والا۔ مصیبت دور کرنے والا مشکل آسان کر دینے والا۔ یہ لقب حضرت علیؑ کا ہے۔
۲۱۔ مہدیؑ۔ رہنما، پیشوا، رہبر۔ بارھویں امام کا نام جن کا ظہور قریب قیامت ہو گا۔

نوٹ۔

ائمہ اہلبیت۔ یہ حضرات دنیاوی حکومت کے معاملات سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ نانا کا سچا مذہب پھیلانے میں سرگرم عمل رہے مگر جگر گوشہ رسولؐ ہونے کی وجہ سے لوگ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اس سبب سے سلاطین جور ان سے بدگمان رہتے تھے کہ کہیں ان کے گرویدہ خلافت ظاہری نہ ان کے سپرد کر دیں۔ اسی سبب سے ان کے فتوؤں پر عمل نہ کرنے دیتے تاکہ ائمہ اہلبیت مرجع خلائق

نہ بن جائیں۔ لہذا ان حضرات کو ہمیشہ قید میں رکھا اور جب موقع پایا زہر سے کام تمام کرا دیا۔ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام تلوار سے شہید ہوئے۔ بقیہ کل امام زہر سے شہید ہوئے۔ بارہویں امام خدا کے حکم سے غیبت میں چلے گئے۔

تذکرۃ النساء

۱۔ جناب حوا۔ خداوند عالم نے جو مٹی زمین سے حضرت آدمؑ کا پتلا بنانے کے لیے منگوائی تھی اسی میں سے جو بچ گئی تھی اس سے حضرت حوا کو پیدا کیا اور آپ کی شادی حضرت آدم سے ہوئی حضرت آدمؑ کے انتقال کے ایک سال بعد آپ کا انتقال ہوا۔ جدہ میں آپ کی قبر بتائی جاتی ہے۔

۲۔ جناب سارہ۔ جناب ابراہیمؑ کے چچا ہاران کی بیٹی۔ جناب ابراہیمؑ کی زوجہ اور حضرت اسحاقؑ کی مادر گرامی تھیں۔ جب نمرود نے جناب ابراہیمؑ کو جلا وطن کیا تو آپ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ مصر کے بادشاہ فرعون نے جب آپ کی خوبصورتی کی تعریف سُنی تو دربار میں طلب کیا اور آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا جو فوراً خشک ہو گیا وہ ڈر گیا اور توبہ کی اور ایک لڑکی ہاجرہ آپ کو بطور تحفہ پیش کی جن کو آپ نے اپنے شوہر جناب ابراہیمؑ کی زوجیت میں دے دیا۔

۳۔ جناب ہاجرہ۔ حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ تھیں۔ آپ کے بطن سے جناب اسمٰعیلؑ شام میں پیدا ہوئے چونکہ جناب سارہ کے اس وقت اولاد نہ تھی جس کی وجہ سے ان کو رشک پیدا ہوا یہ دیکھکر جناب ابراہیمؑ آپ کو مع جناب اسمٰعیل کے حجاز میں چھوڑ آئے اور پھر شام واپس چلے آئے۔ جب کھانا اور پانی ختم ہو گیا تو آپ بچہ کی پیاس کی وجہ سے کوہ صفا و مروا کے درمیان پانی کی تلاش میں دوڑتی رہیں کہ زمزم کا چشمہ جاری ہو گیا اور اپنے بچہ کو

پانی پلایا۔

۴۔ جناب زلیخا۔ عزیز مصر کی زوجہ تھیں اپنے حسن و جمال میں مشہور تھیں جب جناب یوسفؑ مصر پہونچے تو آپ پر عاشق ہوگئیں اور آپ کو اپنے پاس بلایا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ ناراض ہو کر آپ پر تہمت لگائی اور شوہر سے شکایت کر دی جناب یوسفؑ قید کر دیے گئے اور سات سال تک قید رہے۔ جب آپ بادشاہ ہوئے تو زلیخا بیوہ اور ضعیف ہو چکی تھیں آپ سے اعانت حاصل کرنے کے لیے آپ کے پاس آئیں دوران گفتگو میں پیغمبر اسلام کا ذکر آگیا زلیخا نے آپ سے محبت کا اظہار کیا یہ بات خدا کو پسند آئی اور ان کا شباب پلٹا دیا اور جناب یوسفؑ نے بحکم خدا ان سے عقد کر لیا۔

۵۔ آسیہ۔ فرعون بادشاہ مصر کی زوجہ تھیں اور مومنہ تھیں۔ جناب موسیٰ کی پرورش آپ کی آغوش میں ہوئی۔

۶۔ جناب کلثوم۔ آپ جناب موسیٰ کی بہن تھیں بڑی عابدہ اور خدا رسیدہ تھیں۔ فرعون کے محل میں آپ ہی اپنی ماں کو جناب موسیٰ کو دودھ پلانے کے لیے لے گئی تھیں۔

۷۔ بلقیس۔ ملک سبا کی ملکہ تھیں۔ جناب سلیمان نے ہدہد سے خبر پا کر ان کو خط لکھا کہ تم اسلام قبول کر لو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس نے آپ کی خدمت میں تحفہ بھیجا مگر آپ نے واپس کر دیا اور تخت بلقیس فوراً منگوا لیا۔ بلقیس آکر مسلمان ہوئیں اور آپ کی زوجیت میں داخل ہوگئیں۔

۸۔ جناب مریم۔ آپ کے والد کا نام عمران تھا جو قبل ولادت جناب مریم فوت ہو چکے تھے۔ لہذا آپ کی پرورش جناب زکریا نے فرمائی۔ جس حجرہ میں آپ رہتی تھیں اس میں جناب زکریا جاتے تو ان کے پاس میوہ وغیرہ دیکھتے

جب دریافت فرماتے تو آپ کہتیں کہ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے کچھ دنوں کے بعد جناب جبرئیل کو خدا نے جناب مریم کے پاس بھیجا انھوں نے نفخ روح کیا جس سے حضرت مریم کو حمل رہ گیا مدت حمل پوری ہونے کے بعد بیت المقدس کے پاس ایک گاؤں بیت لحم میں جناب عیسیٰ پیدا ہوئے۔ جب جناب مریم بچہ کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے کہا اے مریم تم نے یہ کیا کیا اور آپ کو سنگسار کرنا چاہا تو حضرت عیسیٰ گویا ہوئے اور فرمایا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اس پر قوم نے جناب مریم کو چھوڑ دیا۔ جب آپ کی عمر ۵۳ سال کی تھی اس وقت حضرت عیسیٰ آسمان پر اٹھا لیے گئے اس کے بعد آپ چھ سال تک زندہ رہیں۔

۹۔ جناب فاطمہ۔ جناب اسد بن ہاشم کی صاحبزادی تھیں آپ کی شادی جناب ابوطالب کے ساتھ ہوئی۔ آپ کے بطن سے جناب طالب جناب عقیل، جناب جعفر، اور حضرت علیؑ پیدا ہوئے۔

۱۰۔ جناب آمنہ۔ جناب عبداللہؑ کی زوجہ محترمہ۔ جناب رسولؐ خدا کی مادر گرامی۔ قبیلہ زہرہ کی مشہور فرد۔ قریش میں ممتاز۔ شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں واپسی میں بمقام ابوا انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئیں۔

۱۱۔ جناب ثوبیہ۔ جناب رسولؐ خدا کو دودھ پلانے کے لیے مقرر ہوئیں تھیں

۱۲۔ جناب حلیمہ۔ ثوبیہ کے بعد آنحضرتؐ کو دودھ پلانے کے لیے مقرر ہوئیں اور اپنے ساتھ اپنے وطن لے گئیں۔ وہاں قبیلہ بنی سعد میں پانچ سال تک پرورش کی درمیان میں ماں کو دکھانے کے لیے مکہ لایا کرتی تھیں۔

۱۳۔ جناب اُمِ ایمن۔ جناب آمنہ کی خدمت کے لیے مقرر تھیں۔ بعد کو آنحضرت کو ترکہ میں ملیں۔ آنحضرتؐ آپ کا بڑا احترام کرتے تھے بعد وفات آنحضرتؐ جناب سیدہؑ کو ترکہ میں ملیں۔

۱۴۔ ازواج حضرت محمد مصطفیٰؐ۔

الف۔ جناب خدیجہ۔ قریش کی معزز خاتون آپ کا شجرہ پانچویں پشت میں آنحضرتؐ سے ملتا تھا۔ آپ نہایت شریف النفس پاکیزہ خیال قبل اسلام طاہرہ کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔ تجارت کے سلسلہ میں آنحضرت کے صفات سے واقف ہوئیں۔ بعد کو آپ کے عقد میں آئیں۔ جناب ابوطالب نے نکاح پڑھا۔ آپ کے بطن سے جناب قاسم و عبداللہ ہوئے جو صغر سنی میں مر گئے بعد کو جناب معصومہ پیدا ہوئیں۔ عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لائیں۔ اسلام پر آپ نے بڑا احسان کیا ہے۔ اپنا تمام مال و دولت اشاعت اسلام پر خندہ پیشانی کے ساتھ صرف کر دیا ہر حال میں پیغمبرؐ کی نصرت و اطاعت فرماتی رہیں۔

ب۔ جناب عائشہ۔ حضرت ابوبکر کی بیٹی تھیں۔ سنہ۱۰ بعثت میں حضرتؐ کے نکاح میں آئیں اور بعد ہجرت مدینہ میں رخصتی ہوئی۔ نو سال زوجیت میں رہیں۔ بعد انتقال آنحضرتؐ زمانہ خلافت حضرت علیؑ میں جمل کے مقام پر حضرت علیؑ سے جنگ کی۔ جس میں آپ کو شکست ہوئی سنہ ۵۷ھ میں ۶۶ سال کی عمر میں معاویہ نے دھوکے سے ہلاک کیا۔

ج۔ جناب حفصہ۔ حضرت عمر کی صاحبزادی تھیں پہلی شادی خنیس کے ساتھ ہوئی تھیں۔ جنگ بدر میں خنیس کے قتل کے بعد آنحضرت کے عقد میں سنہ ۳ھ میں آ کر سنہ ۴۵ھ میں انتقال کیا۔

ز۔ جناب اُمِ سلمہ۔ آپ کا نام ہند تھا ام سلمہ کنیت۔ والد کا نام سہیل۔ پہلے شوہر کے انتقال کے بعد سنہ ۴ھ میں آنحضرت کے عقد میں آئیں۔ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد سنہ ۶۱ھ تک زندہ رہیں۔ واقعہ کربلا آپ کی حیات میں ہوا اور لوگ آپ کے پاس تعزیت کے لیے آئے۔ ۸۴ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

ح۔ جناب ام حبیبہ۔ ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ عبداللہ ابن جحش کی بیوی تھیں ان کے مرنے کے بعد آنحضرت نے بادشاہ حبش کی معرفت پیغام بھیجا سنہ ۶ھ میں مدینہ میں آکر آپ کے عقد میں آئیں سنہ ۴۴ھ میں انتقال کیا۔

ط۔ جناب ماریہ قبطیہ۔ آنحضرتؐ کی وفادار کنیز تھیں۔ پیغمبر کی راحت رسانی میں منہمک رہتی تھیں۔ علیؑ و اولاد علیؑ کی خیر خواہ تھیں آپ کے بطن سے جناب ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ جن کا صغر سنی میں انتقال ہوگیا اور رسول اللہؐ نے ان کے انتقال پر کافی غم منایا۔

۱۵۔ ازواج حضرت علیؑ

الف۔ جناب فاطمہ زہرہؑ۔ ملاحظہ ہو حالات چہاردہ معصومینؑ۔

ب۔ جناب خولہ۔ آپ محمد حنیفہ کی ماں تھیں۔

ج۔ جناب ام البنین۔ حضرت علیؑ نے بعد وفات جناب معصومہ حسب مشورہ جناب عقیل آپ سے عقد کیا۔ آپ کے بطن سے جناب عباسؑ۔ جناب جعفر۔ جناب عثمان۔ جناب عبداللہ پیدا ہوئے۔ اس لیے آپ کی کنیت ام البنینؑ قرار پائیں۔ یہ چاروں بزرگ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے۔ جب جناب امام حسینؑ مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو اس وقت آپ مدینہ میں تھیں اور جناب صغراؑ کی نگہداشت فرماتی تھیں۔

۱۶۔ جناب زینبؑ۔ بنت حضرت علیؑ آپ جناب فاطمہؑ کے بطن سے تھیں۔

ماں کی خصوصیات کی حامل تھیں اسی وجہ سے ثانی زہرہؑ کہی جاتی تھیں۔ معرکہ کربلا میں آپ نے جو خدمات دینی انجام دی ہیں وہ آپ ہی اپنی نظیر ہیں۔ انھیں محترمہ کی وجہ سے شہادت حسینؑ کی اشاعت ہوسکی اور مقصد شہادت کو آپ نے اپنے خطاب سے جو راہ کوفہ و شام و دربار کوفہ و شام میں بانداز فصاحت علیؑ بیان فرمائے ہیں۔ اشاعت حق بڑے پیمانے پر کی جس کے گواہ تاریخ کے اوراق ہیں۔ آپ کی شادی جناب عبداللہ ابن جعفر طیار کے ساتھ ہوئی تھی۔۔ امام حسینؑ کی شہادت اجاگر نہ ہوتی اگر جناب زینبؑ کی اسیری منظر عام پر نہ آئی ہوتی۔

۱۷۔ جناب ام کلثوم۔ بنت حضرت علیؑ۔ آپ بھی جناب فاطمہؑ کے بطن سے تھیں اور معرکہ کربلا میں موجود تھیں آپ نے دوران اسیری امام کی شہادت اور اس کے مقاصد کو اپنے نوحوں سے دنیا پر ظاہر فرمایا۔ اپنی بہن جناب زینبؑ کے ساتھ ساتھ ہر محل پر ان کی معین ہوتی رہیں۔ آپ کی شادی محمد بن جعفرؑ سے ہوئی آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔

۱۸۔ ازواج جناب امام حسنؑ

الف جناب ام فروہ۔ آپ کے بطن سے جناب قاسم و جناب عبداللہ پیدا ہوئے۔ دونوں معرکہ کربلا میں شہید ہوئے۔ موصوفہ نہایت مومنہ و صابرہ اور اطاعت گذار امام تھیں۔

ب جناب خولہ۔ آپ کے بطن سے حسن مثنیٰ پیدا ہوئے۔

ج۔ جعدہ۔ آپ کی زوجیت میں تھیں معاویہ کی سازش سے ایک لاکھ درہم اور یزید سے شادی کے وعدہ پر امام کو زہر سے شہید کیا۔ معاویہ نے درہم تو بھیج دیئے مگر شادی کے لیے کہا کہ مجھ کو یزید کی جان عزیز ہے اس لیے تجھ

جیسی بے وفا عورت سے عقد کرنا پسند نہیں کرتا۔

۱۹۔ ازواج امام حسینؑ۔

الف۔ جناب ام لیلیٰ۔ آپ کا نام تبرا بنت عروہ تھا آپ کے بطن سے حضرت علی اکبر پیدا ہوئے جو کہ ہمشکل پیغمبر تھے۔ کربلا میں شہید ہوئے۔

ب۔ جناب رباب۔ آپ کے بطن سے جناب سکینہ اور حضرت علی اصغر تھے۔ جناب علی اصغر ۶ ماہ کے سن میں کربلا میں شہید ہوئے اور جناب سکینہ اسیر ہوئیں۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ جب سے لاش امام دھوپ میں دیکھی جیتے جی سائے میں نہیں بیٹھیں۔

ج۔ جناب شہر بانو۔ آپ کا نام شاہ زنان تھا آپ بادشاہ ایران کی بیٹی تھیں آپ کے بطن سے امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے آپ زچہ خانہ ہی میں انتقال کر گئیں۔

۲۰۔ دختران امام حسینؑ

الف۔ جناب فاطمہ صغریٰ۔ آپ بوجہ علالت سفر کربلا میں نہ جا سکیں مدینہ میں ہی رہیں۔

ب۔ جناب فاطمہ کبریٰ۔ آپ واقعہ کربلا میں موجود تھیں اور بعد شہادت اسیر ظلم ہوئیں۔

ج۔ جناب سکینہ۔ آپ واقعہ کربلا میں موجود تھیں باپ کی شہادت کے بعد بڑے ظلم و جور اٹھائے کمسنی میں قید کی مصیبت برداشت کرنا پڑی احتمال ہے کہ قید خانہ میں ہی انتقال کیا۔ آپ کو سکینہ بھی کہتے ہیں۔

۲۱۔ رقیہ بنت مسلم و عاتکہ بنت مسلم۔ جناب مسلمؑ ابن عقیل کی یہ دونوں صاحبزادیاں واقعہ کربلا میں موجود تھیں اسیران کے ساتھ یہ بھی قید ہوئیں۔

۲۲۔ جناب حکیمہ۔ آپ امام حسن عسکریؑ کی پھوپھی تھیں۔ اکثر انتظامات خانہ داری امام میں آپ کی شریک ہوا کرتی تھیں امام زمانہ کی ولادت کے خدمات آپ ہی نے انجام دیں۔

۲۳۔ جناب نرجس۔ آپ حسن عسکریؑ کی زوجۂ محترمہ اور امام زمانہ کی والدۂ معظمہ تھیں۔ نہایت باصفات و صاحب کرامات تھیں۔

۲۴۔ معصومۂ قم۔ آپ امام علی رضاؑ کی ہمشیرہ تھیں اور اپنے بھائی کو بہت عزیز رکھتی تھیں جب بھائی کو مدینہ سے گئے ہوئے زیادہ عرصہ ہوا تو بہ اشتیاق ملاقات برادر سفر اختیار کیا اور جب قم پہونچیں تو بھائی کی خبر شہادت سنکر اتنا صدمہ ہوا کہ مرض الموت میں مبتلا ہو کر انتقال فرمایا۔ قم والوں نے بڑے اہتمام سے عورتوں کے ذریعہ آپ کی تجہیز و تکفین کی۔ آپ کی سیرت ایک بے نظیر نمونہ عمل تھی۔ قم میں آپ کا روضہ مرجع عقیدت منداں ہے۔

۲۵۔ جناب فضہ۔ آپ جناب فاطمہؑ کی کنیز تھیں۔ جن کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کو عطا فرمایا تھا۔ آپ صاحب کرامات تھیں۔ بیس سال تک واقعہ کربلا کے بعد آپ نے سوائے کلام مجید کے بات نہیں کی جناب زینبؑ کے انتقال کے بعد آپ کی قبر پہ مجاورت فرماتی رہیں۔ یہاں تک کہ انتقال فرمایا اور شام میں دفن ہوئیں واقعہ کربلا میں آپ موجود تھیں اور شہزادیوں کے ساتھ اسیر ہوئیں تھیں۔

۲۶۔ شیریں۔ جناب شہر بانو اور امام زین العابدین علیہ السلام کی کنیز تھیں اور ان کو جناب شہر بانو نے امام حسینؑ کے اشارے پر آزاد فرمایا تھا۔ انھوں نے راہ شام میں ایک مقام پہ سکونت اختیار کرلی

تھی۔ جب اہلبیتؑ اطہار شام کو مع سرہائے شہدا و امام زین العابدینؑ لے جائے جا رہے تھے تو انھوں نے اپنی شہزادیوں کی خدمت میں آکر زیارت و خدمت کی اور ان کے گھر میں سر امام حسینؑ علیہ السلام رہا تھا (حیات دبیر صفحہ ۴۸)۔

ذکر شہدائے کوفہ و کربلا

شہیدان کوفہ

۱۔ مسلم ابن عقیل۔ پدر بزرگوار کا نام عقیل تھا جو ایک بہت بڑے عالم و فاضل، شجاع، سخی، اور خوش کردار بنی ہاشم میں سے تھے۔ جناب مسلم بھی باپ کے قدم بہ قدم علم و ہنر سے بھرپور۔ فنون سپہ گری کے ماہر شیر دل بہادر تھے جناب عباسؑ کی ہمشیرہ آپ کو منسوب تھیں۔ امام حسینؑ کے آپ معتمد تھے امام نے آپ کو اپنا نائب خاص بنا کر کوفہ روانہ کیا تھا جہاں پہونچ کر آپ نے بنی ہاشم کے نام کو روشن کیا اور تن تنہا ایک لشکر کا کام انجام دیا اور آخر میں دھوکے سے گرفتار کیے گئے اور قتل ہوئے آپ کا روضہ مسجد کوفہ کے باہر ایک طرف کونہ میں واقع ہے۔

کوفہ میں آپ کے ہمراہ آپ کے دو کمسن صاحبزادے بھی تھے۔ جو بعد شہادت جناب مسلم قید کیے گئے اور قید خانہ میں رکھے گئے ایک شب محافظ نے ترس کھا کر نکال دیا۔ مگر بعد کو پھر گرفتار ہوئے اور حارث سر قلم کرکے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ جسد مبارک مسیّب میں دفن ہوئے۔ وہاں روضہ بنا ہے۔

۲۔ ہانی بن عروہ۔ آپ کوفہ کے ذی اثر و باحشم افراد میں سے تھے۔ محبت اہلبیتؑ میں یزید کی حکومت سے ناراض تھے جب جناب مسلمؑ بعض مصالح

کی بنا پر جناب مختار کے یہاں سے قیام ترک کر کے چلے آئے تو آپ ہی کے مہمان ہوئے۔ آپ نے حفاظت کا کافی انتظام کیا مگر جب عامل کوفہ کی جانب سے آپ پر تشدد ہونے لگا تو سیرت ہاشمیہ نے جناب مسلم کو آپ کے یہاں کا قیام ترک کر دینے پر مجبور کر دیا تاکہ آپ کی تکالیف دور ہو جائیں۔ باوجود اس احتیاطی تدبیر کے بھی آپ ابن زیاد کے ظلم سے محفوظ نہ رہ سکے اور آپ کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ سر جسم سے جدا کر کے لاش کو کوفہ کی گلیوں اور بازاروں میں تشہیر کیا گیا۔ آپ کا روضہ مسجد کوفہ کے باہر ایک کونہ میں جناب مسلمؑ کے روضہ کے مقابل واقع ہے۔

شہدائے خاندان بنی ہاشم (در کربلا)

۱۔ عبداللہ بن مسلم۔ ماں کا نام رقیہ بنت علیؑ ابن ابی طالب۔ مدینے سے ساتھ ہوئے کربلا کے میدان میں وقت جنگ زبردست حملے کیے اور فوج کو پسپا کیا۔ عامر بن صعصعہ نے دل پر تیر مار کر شہید کیا۔

۲۔ محمد بن مسلم بن عقیل۔ ماں کا نام ام ولد تھا۔ عبداللہ بن مسلم کے قتل کے بعد اولاد حضرت ابوطالب نے جب ایک ساتھ فوج عمر سعد پر حملہ کیا اسی میں آپ شہید ہوئے۔ ابو مرہم ازدی نے آپ کو قتل کیا۔

۳۔ جعفر بن عقیل بن ابی طالب۔ والدہ کا نام حوصا بنت عمرو تھا مدینہ سے ساتھ ہوئے بشر بن حوط ہمدانی نے شہید کیا۔

۴۔ عبدالرحمٰن بن عقیل۔ مدینہ سے ساتھ ہوئے بعد ظہر شہید ہوئے قاتل عمر بن خالد ہے۔

۵۔ محمد بن ابی سعید بن عقیل۔ ماں کا نام ام ولد تھا بعد ظہر شہید

ہوئے۔ قاتل بغط بن یاسر ہے۔

۶۔ محمد بن عبد اللہ بن جعفر۔ ماں کا نام خوصا بنت حصہ تھا۔ منزل عقیق پر شامل ہوئے آپ کے والد نے امام حسینؑ کے پاس بھیجا تھا جب آپ مکہ پہنچے تو امام عراق کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ لہذا آپ بھی عراق کی طرف روانہ ہو گئے اور لشکر حسینؑ میں شامل ہو گئے اور کربلا کے میدان میں شہید ہوئے۔ آپ کا قاتل عامر بن نہشل تھا۔ عام طور سے مشہور ہے کہ آپ جناب زینبؑ کے فرزند تھے مگر مورخین اس سے متفق نہیں ہیں۔

۷۔ عون بن عبد اللہ بن جعفر۔ ماں کا نام جناب زینبؑ بنت علیؑ تھا۔ منزل عقیق سے ساتھ ہوئے اپنے بھائی محمد بن عبد اللہ بن جعفر کے ساتھ آئے تھے کربلا میں مابین ظہر و عصر شہید ہوئے۔

۸۔ محمد بن علیؑ بن ابی طالب۔ ماں کا نام امامہ بنت ابی العاص تھا قبیلہ بنی ابان کے ایک شخص بن دارم کے تیر سے شہید ہوئے۔

۹۔ عبد اللہ بن علیؑ۔ حضرت عباسؑ کے بھائی تھے ماں کا نام ام البنین فاطمہ بنت خزام۔ حضرت علیؑ نے اپنے بھائی عقیل سے جو کہ عرب کے شجروں سے خوب واقف تھے کہا کہ ایسے خاندان کی لڑکی بتائیے۔ جو حسب و نسب میں مشہور ہو اور بہادری میں اپنا نظیر نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ جناب عقیل نے ام البنین کا نام تجویز فرمایا۔ اور حضرت علیؑ نے ان سے عقد کیا۔ ام البنین کے بطن سے چار بیٹے ہوئے جو کہ سب کربلا میں شہید ہوئے۔ عبد اللہ بن علیؑ بھی میدان میں تشریف لے گئے۔ جنگ کی اور ہانی بن شبیت خضری کی تلوار سے شہید ہوئے۔

۱۰۔ جعفر بن علیؑ۔ حضرت عباسؑ کے سب سے چھوٹے بھائی کربلا میں ہانی بن شبیت حضرمی نے شہید کیا۔

۱۱۔ عثمان بن علیؑ۔ حضرت عباسؑ کے چھوٹے بھائی آپ بھی ام البنین کے بطن سے تھے اور عبداللہ سے چھوٹے تھے۔ میدان جنگ میں جہاد کیا خولی بن یزید اصبحی کے تیر سے زمین پر گرے۔ بنی ابان بن دارم نے سر جسد مبارک سے جدا کیا۔

۱۲۔ ابوالفضل العباس بن علیؑ۔ ۲۶ھ میں ولادت ہوئی ماں ام البنین تھیں۔ ۳۴ سال کی عمر تھی جب کربلا کے میدان میں تشریف لائے۔ جمال و خوبصورتی کی وجہ سے قمر بنی ہاشم کہلاتے تھے۔ آپ بڑے بہادر تھے۔ آپ کی کنیت ابوالفضل ہے اور لقب سقائے اہلبیت۔ میدان جنگ میں مختلف مقامات پر ۵۰۰ آدمیوں کو قتل کیا۔ دست راست یزید بن ورقہ نے اور دست چپ حکم بن طفیل نے قطع کیا پھر بھی آپ برابر جنگ فرماتے رہے آخر کو حکیم بن طفیل بن ارزق اور امان بن دارم نے قتل کیا۔

۱۳۔ ابوبکر بن حسنؑ۔ ماں کا نام رملہ خاتون۔ مدینہ سے لشکر حسینؑ کے ساتھ ہوئے۔ میدان کربلا میں فوج اشقیا سے خوب جنگ کی۔ بعد ظہر عقبہ نوبری کی تلوار سے شہید ہوئے۔

۱۴۔ عبداللہ بن حسنؑ۔ امام حسنؑ کے فرزند تھے آپ کی والدہ ام الرباب بنت امرءالقیس تھیں جو جناب سکینہ کی والدہ جناب رباب کی بہن تھیں۔ جب امام حسینؑ زخموں سے چور ہو کر زمین پر تشریف لائے اشقیاء نے گھیر کر پتھر اور تلوار چلانا شروع کیا تو آپ دوڑ کر اپنے چچا کے پاس آ گئے اور بحر بن مصعب نے تلوار سے وار کرنا چاہا تو اس بچہؑ نے تلوار اپنے ہاتھ پر روک لی ہاتھ کٹ کر لٹک گیا۔ بچہ نے ماں کو آواز دی۔ امام حسینؑ نے بچہ کو سینہ سے لگا لیا

اسی حالت میں حرملہ نے تیر سے بچہ کا کام تمام کر دیا۔

۱۵۔ قاسم بن حسنؑ۔ ماں کا نام رملہ خاتون تھا کنیت ام فروہ۔ مدینہ سے ساتھ ہوئے۔ آپ کا سن بارہ سال کا تھا۔ جب شب عاشور امام حسینؑ نے خطبہ فرمایا اس کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا میرا نام محضر شہادت میں نہیں ہے۔ امام نے پوچھا بیٹا موت تمہارے نزدیک کیسی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ چچا شہد سے زیادہ شیریں۔ عاشورہ کے دن جب میدان کارزار میں جانے کی اجازت چاہی تو حسینؑ کو کچھ پس و پیش ہوا مگر آپ نے اپنے بازو کا تعویذ کھول کر دکھایا جس میں امام حسنؑ کی وصیت تھی کہ میں تو عاشور کے دن نہ ہوں گا مگر تم میری طرف سے چچا پر جان نثار کرنا اس کے بعد امام مظلوم خاموش ہو گئے اجازت دی۔ آپ میدان میں تشریف لائے۔ ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھائے ظالمین کے درمیان قتل ہوئے۔ لاشہ پامال کیا گیا گھوڑے دوڑائے گئے۔ آپ کا قاتل عمر بن سعد بن نفیل تھا۔

۱۶۔ جناب علی اکبرؑ۔ علیؑ نام۔ اکبر لقب امام حسینؑ کے صاحبزادے ماں کا نام ام لیلیٰ عمر اٹھارہ سال مدینہ سے پدر بزرگوار کے ساتھ ہوئے کربلا میں اپنی شجاعت کے جوہر خوب دکھائے جب باپ سے میدان میں جانے کی اجازت چاہی اس وقت امام حسینؑ کا عجب حال تھا فوراً ہاتھ اٹھا کر درگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ تو گواہ رہنا اب وہ فرزند مرنے جا رہا ہے جو تیرے رسولؑ سے مشابہ ہے یہ کہکر اجازت دی۔ جناب علی اکبرؑ میدان میں تشریف لائے جس طرف حملہ کرتے تھے فوج یزید بھاگ کھڑی ہوتی تھی اور جو شخص تلوار کی زد میں آجاتا تھا واصل جہنم ہوتا تھا نامی چنے ہوئے شامیوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور اپنی بہادری و شجاعت کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثال

نہیں۔ برہ بن کاہل نے کمین گاہ سے برچھی کا ایسا وار کیا کہ آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔ آواز دی کہ بابا مدد کو آیئے۔ امام گریہ کرتے میدان کی طرف چلے لاش پر پہونچ کر جگر خراش بین فرمائے اور کہا کہ اب تمہارے بعد دنیا اور زندگانی دنیا پر خاک ہے۔

۱۷۔ علی اصغر بن حسینؑ۔ آپ کا نام عبد اللہ الرضیع۔ علی اصغر لقب تھا مگر واقعہ کربلا کے سلسلے میں لقب ہی مشہور رہا۔ ماں رباب بنت امرالقیس اور جناب سکینہؑ آپ کی بہن تھیں۔ مدینہ سے روانگی سے کچھ قبل ولادت ہوئی امام حسینؑ آپ کو اپنے ہاتھوں پر لائے اور فوج یزیدی سے مخاطب ہو کر پانی کا سوال اس شیر خوار کے لیے کیا۔ تمام فوج یزیدی میں تہلکہ مچ گیا۔ یہ رنگ دیکھ کر حرملا بن کاہل اسدی نے تیر سہ شعبہ مار کر بچہ کا کام تمام کر دیا۔

۱۸۔ امام حسینؑ۔ صبح سے شام تک رن کا شور رہا کئی بار آپ کو میدان جنگ میں جانا پڑا۔ جب آخری بار آپ میدان میں تشریف لائے تو وہ عصر کے قریب کا وقت تھا۔ ایک شدید جنگ کے بعد زخمی ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے زخموں سے بے حد خستہ تھے پھر بھی کسی کی ہمت قریب جانے کی نہ پڑتی تھی۔ ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ دوسرے قبیلہ والے قتل کریں تاکہ وہ الزام قتل سے بری رہیں۔ اسی لیے تنہا قتل پر کوئی آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ آخر زرعہ بن شریک کی تلوار سنان بن انس کا نیزہ اور شمر ذی الجوشن کے خنجر نے مل کر حسینؑ کی زندگی کا خاتمہ کیا اور سر مبارک نیزہ پر بلند ہوا۔

۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ یوم جمعہ کو یہ جنگ عظیم ختم ہوئی مگر اس جنگ کی یاد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم ہو گئی

چند مشہور شہدائے کربلا

اختصار کے ساتھ چند شہداء کی شہادت کے حالات درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ حر بن یزید ریاحی۔ یہ وہ سردار فوج یزیدی تھے جو امام مظلوم کو راہ سے ہٹا کر میدان کربلا تک لائے جب امام مظلوم پر ظالم کی زیادتی دیکھی تو اپنے کیے پر نادم ہوئے اور لشکر یزیدی سے علیحدہ ہو کر امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طالب عفو ہوئے۔ سب سے پہلے اپنی جان امام پر نثار کی۔ وقت اور ترتیب شہادت پر اختلاف ہے۔

۲۔ وہب کلبی۔ یہ جلد ہی مسلمان ہوئے تھے اور ان کی شادی کو کل سترہ دن گزرے تھے۔ دولہن کو رخصت کرا کے اپنے مکان لیے جا رہے تھے اثنائے راہ میں قافلہ حسینی سے ملاقات ہوئی۔ امام کی مظلومیت سے متاثر ہو کر ماں کی تلقین کے مطابق شریک لشکر امام ہوئے اور اپنی جان امام پر نہایت بہادری کے ساتھ نثار کی۔ دشمنوں نے آپ کا سر کاٹ کر لشکر امام کی طرف پھینک دیا ماں نے بہ جوش محبت سر کو اٹھا کر سینہ سے لگایا اور فوج اشقیا کی طرف واپس کر دیا اور کہا کہ صدقہ واپس نہیں لیا جاتا ہے۔

۳۔ نافع بن ہلال بجلی۔ یہ ایک فرد دیندار محب اہلبیت اطہار تھے۔ مع اپنی زوجہ کے نصرت امام کے لیے آئے اور نہایت جوش و خروش کے ساتھ حمایت امام میں شہید راہ خدا ہوئے۔

۴۔ عبد اللہ بن عروہ غفاری۔ یہ بزرگ محب اہلبیتؑ۔ بحد شجاع۔ جمل صفین، نہروان کے میدانوں میں کارہائے نمایاں دکھا چکے تھے۔ امام کے ساتھ رہ کر جوہر بہادری دکھائے اور آخر میں آقا پر جان نثار کر دی۔

۵۔ ابوثمامہ صیدادی۔ یہی وہ مرد صالح تھے جنھوں نے نماز ظہر بجالانے کی درخواست امام کی خدمت میں پیش کی امام حسینؑ نے فرمایا کہ خدا تمھیں نمازگذاروں میں محسوب کرے یہ اول وقت نماز ظہر کا ہے۔ فوج اعدا سے نماز کی مہلت لو۔ طلب مہلت پر حصین بن نمیر نے کہا کہ تمھاری نماز قبول نہیں اس پر حبیب ابن مظاہر نے ڈانٹ کر کہا کہ ولد الزنا فرزند رسول کی نماز قبول نہ ہو اور تیری نماز قبول ہو۔ غرض مہلت نہ ملنے پر اپنے شیر دل جانثاروں کی حفاظت میں امام حسین علیہ السلام نے نماز ادا کی اور ابوثمامہ صیدادی نے فداکاری کے ساتھ اپنی جان نذر راہ خدا کی۔

۶۔ زہیر بن قین۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کو امام سے ابتدا میں کوئی تعلق نہ تھا۔ جب امام سفر فرما رہے تھے تو یہ بھی سرگرم سفر تھے مگر معیت اختیار نہیں کی تھی۔ جب حضرت امام حسینؑ نے بلوایا اس وقت آپ کے ساتھ ہو گئے اور جاں نثاری کا وہ مظاہرہ کیا جو آپ اپنی نظیر ہے۔

۷۔ مسلم بن عوسجہ۔ یہ بوڑھا سپاہی جوش نصرت امام میں سرشار فوج مخالف سے مقابلہ کر کے جوان مردی کے جوہر دکھا کر راہی جنت ہوا۔

۸۔ حبیب بن مظاہر۔ یہ صحابی رسول، وصی رسول کے ساتھ جہادوں میں شرکت کرتے رہے۔ آپ کو امام حسینؑ سے بچپن سے ہی نہایت محبت تھی۔ جو رسول کی نگاہوں کو اپنی طرف موڑے ہوئے تھی۔ جب امام حسینؑ کے کربلا جانے کا حال معلوم ہوا تو بہت بےچین رہتے تھے۔ اسی عالم میں امام کا وہ خط آیا جس میں حضرت نے آپ کو "رجل فقیہہ" کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے خط ملتے ہی عازم کربلا ہوئے اگرچہ اس وقت شہر کی حالت بہت خراب تھی اور ہر طرف سے ناکہ بندی تھی۔ مگر آپ نہایت ہوشیاری سے

نکل کر کربلا پہونچے اور وہاں دوستی کا حق بہ احسن وجوہ یوم عاشورہ پورا کیا۔ امام نے بھی وہی برتاؤ کیا، جو اپنے پرخلوص دوست کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

۹۔ جون۔ غلام ابوذر تھے بعد کو امام زین العابدینؑ کی غلامی کا شرف حاصل ہوا کربلا میں موجود تھے جب انصاران حسینؑ جانفروشی کے جوہر دکھانے لگے تو آپ کے دل میں بھی جذبہ نصرت جوش مارنے لگا اور امام کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ اس انداز سے طلب اذن کیا کہ امام سے اجازت حاصل ہی ہو گئی میدان میں آ کر داد شجاعت دے کر امام پر قربان ہو گئے اور غلام و آقا کے بہترین معاشرت کا نقشہ زمین کربلا پر کھینچ دیا جو رہتی دنیا تک سبق آموز خلائق رہے گا۔

۱۰۔ سوید بن عمرو۔ یہ مرد مجاہد آقا سے اذن حاصل کر کے مخالفین سے نبرد آزما ہوا۔ زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے گر کر بے ہوش ہو گئے۔ اشقیا نے خیال کیا کہ جاں بحق تسلیم ہو چکے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد آپ کو ہوش آیا اور پھر انھوں نے مدافعانہ حملہ کیا اور راہی جنت ہوئے۔

۱۱۔ عمرو بن نخعی۔ یہ نابالغ بچہ اپنے باپ کی شہادت کے بعد اسلحہ حرب سے آراستہ ہو کر امام کی خدمت میں دست بستہ طالب اذن ہوا حضرت نے فرمایا کہ تیرے باپ کا غم تیری ماں کے لیے کیا کم ہے کہ تیرا داغ بھی اٹھائے بچہ نے عرض کیا کہ مولیٰ میری ماں نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ دفعتاً خیمے سے آواز آئی کہ اے کریم آقا مجھ بیوہ کا ناچیز ہدیہ قبول فرمایئے ناچار حضرت نے اجازت دی اور بچہ امام پر نثار ہو گیا۔

۱۲۔ بریر ہمدانی۔ انصاران حسینؑ میں سب سے بزرگ تھے نہایت

ہی مرد صالح، متقی، عبادت گذار و مقرب بارگاہ الٰہی تھے۔ متعدد بار آپ نے فوج یزیدی کی امام کے خصائل و حقوق سے آگاہ فرمایا اور پیاسے بچوں کو سیرابی کے لیے جان توڑ کوشش کی اور ایک مشک پانی بھی خیام تک لائے مگر بچوں کے مشک پہ ہجوم کرنے کے سبب سے دہانہ مشک کھل گیا اور پانی ضائع ہو گیا۔ اجازت جہاد لے کر آپ میدان میں آئے اور حق نصرت امام ادا کر کے جنت کی راہ لی۔

۱۳۔ جابر بن عروہ انصاری۔ یہ ایک مرد جرار فن سپہ گری میں آزمودہ کار علی ابن ابی طالب کے ساتھ بڑے بڑے معرکے جھیلے ہوئے تھے۔ اس قدر ضعیف تھے کہ پلکیں لٹک آئی تھیں کمر خم تھی امام مظلوم سے اجازت لے کر جس وقت میدان میں پہونچے تو جوش نصرت میں گویا جوانی پلٹ آئی۔ بڑی دلیری کے ساتھ فاتحانہ انداز میں مخالفین کا مقابلہ کیا اور آخر میں جاں نثاری کے مقصد کو پورا کر کے راہی جنت ہوئے

۱۴۔ سعید بن عبد اللہ حنفی۔ اشراف کوفہ میں سے تھے۔ بڑے شجاع بڑے عبادت گذار تھے اہل کوفہ نے جو دعوتی خطوط امام حسینؑ کو لکھے تھے اس میں سے ایک خط آپ کی جانب سے بھی تھا۔ عاشور کو جب امام نے نماز ظہر کی مہلت فوج یزید سے چاہی تو اس طرف سے انکاری جواب ملا۔ سعید کو اپنی وفاداری کے جوہر دکھانے کا موقع مل گیا اور نصرت امام اس طرح کی کہ وہ اور زہیر بن قین جماعت کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے جو تیر فوج مخالف سے امام کی جانب آتے تھے انھیں اپنے سینوں پہ روکتے رہے اس طرح ان دونوں بہادروں نے امام عالی مقام کو نماز پڑھوا دی۔ تیرہ تیر سعید کے

بدن میں پیوست ہو گئے ادہر امام نے سلام پھیر کر نماز ختم کی ادہر سعید بن عبداللہ زخموں سے چور ہو کر گرے۔ اور جام شہادت نوش کیا۔

ذکر جناب مختار اور انجام قاتلان حسینؑ

جناب مختار ۱ھ میں ولادت ہوئی آپ کے والد کا اسم گرامی ابو عبیدہ ثقفی ماں کا نام علیہ بنی ہوازن کے قبیلہ ثقیف سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ان لوگوں میں تھے جنھوں نے امام حسینؑ کی خدمت میں کوفہ آنے کے لیے خط لکھے تھے۔ اپنے ارادہ اور عزم میں نہایت مستقل مزاج تھے۔ حکومت وقت کو جب آپ کے اس ارادہ کی اطلاع ہوئی کہ آپ امام حسینؑ کو کوفہ مدعو کر رہے ہیں تو آپ کو فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ واقعہ کربلا جب واقع ہوا تو اس وقت آپ قید میں تھے۔ جب اہلبیت طاہرینؑ مقید ہو کر ابن زیاد کے سامنے لائے گئے اس وقت ابن زیاد نے مختار کو قید خانہ سے بلوا کر اسیری اہلبیتؑ کا منظر دکھایا جس کو دیکھ کر آپ کے بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا اور جوش نصرت میں ایک انگڑائی لی جس سے زنجیر ٹوٹ گئی۔ ابن زیاد اس سے مرعوب ہو گیا اور فوراً جناب مختار کو قید خانہ واپس کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد عبداللہ بن عمر نے آپ کی سفارش ابن زیاد سے خط کے ذریعہ کی چونکہ آپ ایک خاص مرد اسلام میں سے تھے اس لیے ابن زیاد نے مجبور ہو کر رہا کر دیا۔ اور مختار مکہ چلے گئے۔ وہاں مصعب بن زبیر کے ساتھ ہو گئے بعد کو ان کے مشورہ کے بموجب کوفہ آئے یہاں آ کر کچھ اختلافات کی بنا پر مصعب سے علیحدہ ہو کر خود ہی اپنی قیادت میں فوج تیار کرنا شروع کیا۔ اور مخفی طور سے انتقام خون حسینؑ کی فکر میں مصروف ہو گئے اس وقت

آپ کی سعی میں عبداللہ بن کاہل اور آپ کے غلام "خیر" کا بڑا تعاون حاصل تھا۔ چونکہ مظلومیت حسینؑ کا کافی اثر پھیل چکا تھا لوگ یزید اور اس کی حکومت سے برگشتہ ہو چکے تھے۔ اس وجہ سے مختار کو خونِ حسینؑ کا بدلہ لینے کی راہیں ہموار ملیں۔ سرداران قبیلہ نے آپ کی اعانت پر آمادگی ظاہر کی اور ساتھ میں مل کر بدلہ لینے کے لیے میدان میں آگئے۔ یزیدیوں سے مختلف جنگیں ہوئیں جس میں خدا نے آپ کو کامیاب کیا اور دشمنوں کو شکست فاش دی اس درمیان آپ وہ کارنمایاں کرتے رہے جو تاریخ کے صفحات پر سنہرے حروف میں موجود ہیں۔ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں جس قدر اشقیاء شریک تھے ان میں جو مل سکے ان کو چن چن کر تہہ تیغ کیا اور ان کی زبانی حالات کربلا سن کر ایک صحیح مقتل مرتب کیا۔ امام زین العابدینؑ نے آپ کو دعائے خیر سے یاد کیا ہے۔ جناب مختار کا امام وقت سے بظاہر اجازت جہاد حاصل کرنا محلِ اختلاف میں ہے لیکن آپ کے فعل ممدوح پر امام کا سکوت اور دعائیہ الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ آپ کا جہاد شرعی نقطہ نظر سے درست رہا۔ اور دوسری دلیل آپ کے اس اقدام کے صحیح ہونے کی پیغمبر اسلام کی پیشین گوئی ہے جو ذریعہ مختار امام حسینؑ کے انتقام کے بارے میں کی گئی ہے۔ جب مختار کو کوفہ پر تسلط کامل ہو گیا اور آپ قاتلان حسینؑ کو چن چن کر قتل کرانے میں مصروف ہوئے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر جاہ طلب فرقے حصول سلطنت کی کوشش میں مصروف ہوئے۔ اور مصعب بن زبیر کے تعاون سے جناب مختار پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں آپ کی شہادت ۶۷ھ میں ہوئی اور جناب مسلمؑ کی قبر کے نزدیک کوفہ میں دفن ہوئے۔ اب جناب مسلمؑ کے روضہ کے اندر آپ کی قبر ہے اور ضریح

نقری لگی ہے۔

قاتلان حسینؑ کا انجام

یہاں پر ان چند مخصوص اشقیاء کا مختصر حال اور ان کا حشر و انجام تحریر کیا جا رہا ہے جنھوں نے واقعہ کربلا میں نمایاں حصہ لیا اور شدید مظالم اہل حرم پر کیے۔

۱۔ عبید اللہ ابن زیاد۔ یہ ابن زیاد، ابن مرجانہ کے ناموں سے بھی تاریخ میں پکارا گیا ہے۔ قبل واقعہ کربلا بصرہ میں منجانب یزید گورنر تھا۔ جب جناب مسلم کوفہ میں تشریف لائے اور لوگوں نے بیعت کرنا شروع کی جن کی تعداد اٹھارہ ہزار تک پہونچ گئی جس کی اطلاع یزید بن معاویہ کو شام میں ہوئی جس کی وجہ سے وہ بے حد پریشان ہوا اس نے اہل کوفہ کو ہموار کرنے کے لیے فوراً ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور حکم دیا کہ مسلم کو فوراً قتل کر دو۔ اس نے آتے ہی ظلم و تشدد شروع کر دیے اور عام سختی ان لوگوں پر شروع کر دی جنھوں نے بیعت کی تھی یا جناب مسلم سے ہمدردی رکھتے تھے لوگ اس کے مظالم سے خائف ہو کر جناب مسلم کی بیعت سے علیحدہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ جناب مسلمؑ تنہا رہ گئے آپ کو مکر و حیلہ سے گرفتار کر کے شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے حُرؑ کے رسالہ کو امام حسینؑ کو راہ میں روکنے کے لیے بھیجا۔ جب امام حسینؑ کربلا پہونچ چکے تو اس نے فوجوں کی کثرت سے کربلا کے میدان کو بھر دیا اور امام کی صلح کے سلسلہ میں کسی قسم کی کوئی بات سننے پر آمادہ نہ ہوا سوائے قتل امام کے۔ روز بروز مصائب کی شدت کرنے کے احکامات کوفہ سے کربلا

بھیجتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہادت حسینؑ مع ہمراہیان واقع ہوئی۔ اور اہل حرم کو اسیر کر کے شہر بشہر شتران بے کجاوہ پر پھرایا گیا۔ جب جناب مختار نے خروج کیا اور قاتلان حسینؑ کی تلاش شروع ہوئی تو اس وقت اس ملعون کو گرفتار کر کے اس کے مظالم کی پاداش میں واصل جہنم کیا گیا۔

۲۔ عمر بن سعد۔ یہ کربلا میں فوج یزیدی کا سپہ سالار تھا حکومت رے کے سنہرے خواب نے اس کو حسرت ناک مظالم فرزند رسولؐ پر کرنے کے لیے آمادہ کر دیا۔ اس کے ہاتھوں وہ جفائیں آل رسول پر نازل ہوئیں جن کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے۔ جب مختارؒ نے خون حسینؑ کا بدلہ لینا شروع کیا تو اس نے مکر و حیلہ سے اپنی امان کا ایک پہلو پیدا کر لیا۔ لیکن اس پر یہ قائم نہ رہ سکا۔ جب عہد شکنی کر لی تو مختار کے لیے اس کا قتل آسان ہو گیا۔ اور اس کو دربار میں طلب کر کے وہ اشعار جو اس نے ہمراہ امام مظلومؑ کو پیش کرتے ہوئے ابن زیاد کے سامنے بطور فخر و طلب رے کے لیے پڑھے تھے اس سے پڑھوائے اِن کا سننا تھا کہ مختارؒ کا غیظ و غضب بڑھ گیا۔ اس کی انگلیاں کاٹی گئیں گرم تیل پلایا گیا۔ بند بند جدا کیا گیا اور کل اعضاء نذر آتش کر دیئے گئے۔

۳۔ شمر بن ذی الجوشن۔ یہ حسینؑ کے قتل، سکینہؑ کے طمانچے مارنے اور اہل حرم کے تازیانے لگانے پر فخر کیا کرتا تھا۔ کوفہ کا رنگ دیکھ کر بھاگا مگر کلبانیہ میں گرفتار ہوا اور کوفہ لا کر گرم تیل میں ڈالا گیا۔ دونوں آنکھیں نکالی گئیں۔ ناخن اکھاڑے گئے۔ دونوں ہاتھ و پیر کاٹے گئے زبان کھینچی گئی۔ رگیں کاٹی گئیں گردن کاٹی گئی۔ اس کے بعد کل جسم آگ میں ڈالا گیا۔

۴۔ خولی بن یزید۔ اس نے جناب سکینہ کے گوشوارے کھینچے تھے سر امام مظلوم کو نیزہ پر کوفہ لے گیا تھا۔ اور اسیران اہلبیتؑ کو شہر بہ شہر پھرایا تھا اس کے دونوں ہاتھ دپیر قطع کئے گئے۔ اور آگ میں جلایا گیا۔

۵۔ حکیم بن طفیل۔ یہ حضرت عباسؑ کا قاتل تھا۔ عبد اللہؒ بن کامل نے عدی بن حاتم صحابی رسول کے یہاں گرفتار کیا۔ عدی نے سفارش کی مگر عبد اللہ اس کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔ اس وقت عدی جناب مختار کے پاس گئے اور اس کی سفارش فرمائی۔ آپ راضی ہو گئے جب عبد اللہ بن کامل اس کو لے کر دار الامارہ کی طرف چلے تو ہمراہیان نے کہا کہ مختار اس کو عدی کی سفارش پر ضرور رہا کر دیں گے لہذا راستہ ہی میں ساتھیوں نے اس کے بدن کو نیزوں سے چھلنی کر دیا اور سر کاٹ کر مختار کے سامنے پیش کیا۔

۶۔ مرہ بن کاہل۔ حضرت علی اکبرؑ کو اس نے شہید کیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ گئے۔ زبان کاٹی گئی آنکھیں نکالی گئیں دونوں لب کاٹے گئے پھر قتل کیا گیا اور لاش نذر آتش کی گئی۔

۷۔ سنان بن انس۔ اس نے امام مظلوم کا پٹکا نکالنا چاہا تھا آپ نے اس پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس ملعون نے ہاتھ قطع کر دیئے۔ دور مختار میں یہ کوفہ سے بھاگ گیا۔ غریب اور قادسیہ کے درمیان گرفتار ہوا کوفہ لایا گیا دونوں آنکھیں نکالی گئیں، ناخن اکھاڑے گئے۔ دونوں ہاتھ قلم ہوئے رانوں کا گوشت کاٹ کر کھلایا گیا۔ انگار پر نیزوں سے زخمی کیا گیا جب مرنے کے قریب ہوا تو تیر برسائے گئے اس کے بعد ذبح کیا گیا اور آگ میں جلایا گیا اور خاک کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔

۸۔ حرملا بن کاہل۔ اس ملعون کے مظالم ہمیشہ اہلبیتؑ کو یاد رہے جس میں خاص ظلم یہ تھا کہ اس نے حضرت علی اصغرؑ کے گلوئے مبارک پر تیر سہ شعبہ مارا جس سے آپ امام حسینؑ کے ہاتھوں پر شہید ہوئے۔ اور حضرت امام حسنؑ کے فرزند عبداللہؑ کو تیر سے شہید کیا۔ اس کے دونوں ہاتھ قطع کیے گئے اور زندہ آگ میں ڈلوا دیا گیا۔

۹۔ عبداللہ بن اسیر۔ امام مظلوم کی کلاہ لوٹ میں لی تھی پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا گیا بعد میں مر گیا۔

۱۰۔ مالک ابن بشیر۔ امام حسینؑ کی تلوار لوٹی تھی خیر ملازم جناب مختار نے بازار کوفہ میں گردن مار دی۔

۱۱۔ نافع بن مالک۔ فرات پر پہرہ دے رہا تھا۔ حضرت عباسؑ پر اس کے حکم سے فرات پر تیر چلائے گئے۔ اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

۱۲۔ حارث بن نوفل۔ جناب زینب کے چہرہ پر تازیانہ لگایا تھا اس کے نیزہ مارا گیا اور تازیانے لگائے گئے اسی میں مر گیا۔

۱۳۔ عامر بن نہشلی۔ اس نے عبدالرحمن بن مسلم کو شہید کیا تھا اس کا سر کاٹا گیا اور نذر آتش کیا گیا۔

۱۴۔ بشیر بن سوط۔ جعفر بن عقیل کا قاتل تھا۔ بعد گرفتاری جسم نذر آتش کیا گیا۔

۱۵۔ یزید بن خمر۔ جناب حبیب ابن مظاہر کو قتل کیا تھا اس کی گردن مار دی گئی۔

۱۶۔ عامر بن عیضعہ۔ قاتل عبداللہ بن مسلم اس کی آنکھوں میں تیر مارے گئے اور تیروں کے لگنے سے داخل جہنم ہوا۔

۱۷۔ عمر بن حجاج۔ نہر فرات پر اس کا پہرہ تھا۔ اس نے پانی خیام حسینؑ تک پہونچنے نہ دیا بصرہ کے راستہ پر بھاگ رہا تھا۔ لوگوں نے پیچھا کیا پیاس کی وجہ سے بیہوش ہو کر گرا اور وہیں قتل کیا گیا۔

۱۸۔ بجدل بن سلیم۔ بعد شہادت امام حسینؑ اس نے انگوٹھی کے لیے انگشت مبارک کاٹ دی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے گئے اور یوں ہی تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

۱۹۔ حصین بن نمیر۔ اس نے قتل حسینؑ میں پوری کوشش کی تھی اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور زندہ آتش کر دیا گیا۔

۲۰۔ اخنس بن مرثد۔ بعد شہادت امام حسین علیہ السلام اس نے آپ کا عمامہ لوٹا لاش کو پامال کیا گھوڑے دوڑائے۔ جب گرفتار ہوا تو چت لٹا کر پاؤں میں کیلیں ٹھونک دی گئیں گھوڑے دوڑائے گئے اور بعد کو جسم جلا دیا گیا۔

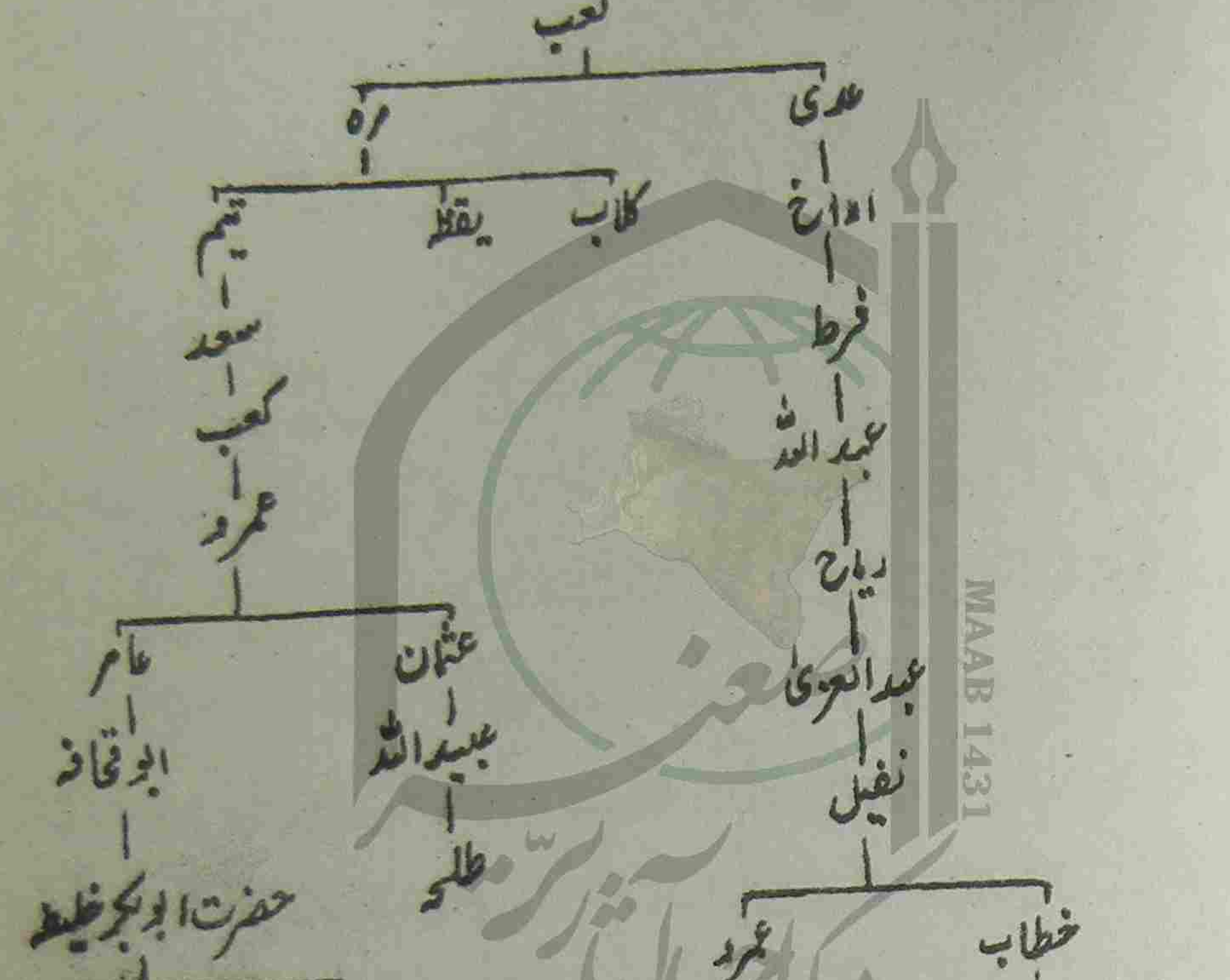
۲۱۔ بحر بن کعب۔ امام حسین علیہ السلام کا جامہ لوٹا۔ جناب زینب کی چادر چھینی۔ گرفتاری کے بعد ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ آنکھیں نکالی گئیں۔ اور اس طرح واصل جہنم ہوا۔

۲۲۔ ہانی بن شبیث۔ اس نے عبد اللہ بن علی وعبد اللہ بن حسنؑ کو قتل کیا۔ جب اسیر ہوا تو اس کو چت لٹا کر ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا گیا اور ٹکڑوں کو جلا دیا گیا۔

۲۳۔ بن خارجہ۔ یہ حضرت مسلمؑ کے قتل میں کوفہ میں شریک تھا۔ اور کربلا میں لاش شہداء کی پامالی میں شریک تھا۔ گرفتاری کے بعد اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔

شجرہ خلفاء مسلمین

(حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ)



نوٹ۔ حضرت عثمانؓ کا شجرہ "شجرۂ خاندان بنی امیہ" میں ملاحظہ ہو۔

خلفاءِ مُسلمین

بنی اُمیہ و بنی عباس

خلفاءِ مسلمین

۱حضرت ابوبکر بن قحافہ۔ (۱۱ھ تا ۱۳ھ) آپ کا نام عبداللہ۔ کنیت ابوبکر۔ صدیق لقب۔ والد کا نام قحافہ۔ قریش کی شاخ بنی تیم سے تھے۔ قبل خلافت مشغلہ کپڑے کی تجارت تھا۔ آنحضرتؐ سے عمر میں چھوٹے تھے سن رسیدہ لوگوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے وہاں کچھ لوگ جمع ہوئے اور سعد بن عبادہ خزرجی کو خلیفہ بنانا چاہا جب اس کی اطلاع حضرت ابوبکر کو ہوئی تو "آپ فوراً حضرت عمر اور امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہونچے یہاں دیکھا تو دوسرا ہی گل کھلا ہوا تھا" (تاریخ اسلام ندوی صفحہ ۱۳۲) حضرت ابوبکر نے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی موقع کی نزاکت اور ہڑبونگ کو دیکھکر "حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر فرمایا کہ آپ ہم سب میں بزرگ ہیں ہم سب میں بہتر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے مقرب ہیں اس

لیے ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔ . . . حضرت عمرؓ کی بیعت کے ساتھ مسلمان بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور حضرت ابو بکرؓ کی برمحل تقریر اور بیعت میں حضرت عمرؓ کی پیش قدمی سے ایک زبردست انقلاب ہونے سے بچ گیا اس کے دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی اور ربیع الاول ۱۱ھ میں حضرت ابو بکرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔" (تاریخ اسلام ندوی صفحہ ۱۳۳)

حضرت علیؑ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین میں مصروف رہے اور جب سب لوگ سقیفہ سے واپس آئے تو آنحضرتؐ دفن ہو چکے تھے وہ لوگ جو اہلبیتؑ رسولؐ سے پرخاش رکھتے تھے ان لوگوں کا اصرار ہوا کہ حضرت علیؑ سے ضرور بیعت لی جائے چنانچہ لوگ معہ آگ و لکڑیوں کے خانہ جناب سیدہؑ پر پہونچے اور آواز دی کہ اے علیؑ نکلو بیعت کرو، ورنہ اس گھر کو آگ لگا دی جائے گی حضرت علیؑ باہر تشریف لائے اور اُتنے ہی سب لوگوں نے آپ کو گرفتار کر لیا اور حضرت ابو بکر کے پاس لے گئے جناب فاطمہؑ بھی حضرت علیؑ کے ہمراہ گئیں اور برابر یہ کہتی رہیں کہ ابو الحسنؑ کو چھوڑ دو مگر کسی نے کوئی توجہ نہ کی۔ "بیعت عام کے بعد کچھ دنوں تک حضرت علیؑ اور آپ کے ساتھ بعض اور صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت میں توقف کیا۔ . . . یہ صحیح ہے کہ حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے ساتھ اپنے گوناگوں تعلقات کی وجہ سے خلافت کے متوقع تھے۔" (تاریخ اسلام ندوی ۱۳۴) جب حضرت علیؑ حضرت ابو بکرؓ کے سامنے گئے تو آپ نے فرمایا "کہ ہم اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کی وجہ سے ہم اسے اپنا حق سمجھتے تھے

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔" (تاریخ اسلام ندوی صفحہ ۱۳۴)

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بہت سے لوگوں نے زکوٰۃ دینا بند کر دیا اور یہ کہا کہ رسول اللہؐ نے آپ کو خلیفہ نہیں بنایا ہے اگر خاندان نبوت کا کوئی شخص خلیفہ ہوتا تو ہم کو عذر نہ تھا بعض نے نبوت کا دعویٰ کیا بعض مرتد ہو کر مدعیان نبوت سے مل گئے غرض کہ مکہ و مدینہ اور بحرین کو چھوڑ کر کل عرب نے سرکشی اختیار کی طلیحہ جو مدعی نبوت تھا اس نے دور تک اپنی حکومت قائم کر لی جس کو بعد میں خالد بن ولید نے شکست دی اور وہ شام کی طرف بھاگ گیا اس کے علاوہ اور بھی چند لوگ دعوے دار نبوت ہوئے تھے وہ سب مغلوب کر لیے گئے سوا دو سال خلافت کر کے ۶۳ سال کی عمر میں ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۶۳۴ء کو انتقال کیا۔

"وصیت کے مطابق رات ہی میں تجہیز و تکفین ہوئی آپ کی بیوی اسما بنت عمیس نے غسل دیا۔ عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی (تاریخ اسلام ندوی صفحہ ۱۴۹)۔ آنحضرت کے پہلو میں دفن ہوئے۔ محمد۔ عبداللہ عبدالرحمٰن۔ آپ کے صاحبزادے اور اسماء اور جناب عائشہ آپ کی دختران تھیں۔ مدینہ دارالسلطنت تھا۔

۲۔ حضرت عمر بن الخطاب (۱۳ھ تا ۲۴ھ) آپ کا نام عمر۔ فاروق لقب، باپ کا نام خطاب۔ قریش کی شاخ بنی عدی سے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انتقال سے قبل آپ کو اپنا جانشین خلیفہ مقرر فرمایا تھا جب اس سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنے خیالات کا اظہار لوگوں پر کیا تو

عبدالرحمن بن عوف۔ حضرت عثمان، طلحہ وغیرہ نے اس کی کافی مخالفت کی مگر حضرت ابوبکر نے کسی کی بات مانا نہیں۔ اس واقعہ کو مولف تاریخ اسلام نے صفحہ ۱۴۸ پر یوں تحریر کیا ہے۔

"حضرت طلحہؓ عیادت کو آئے ہوئے تھے انھوں نے بھی حضرت عمرؓ کی درشتی مزاج اور تشدد کی شکایت کی اور کہا جب وہ آپ کے سامنے اتنے سخت ہیں تو آپ کے بعد نہ جانے کیا کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو آپ نرم پڑجائیں گے ایک صحابی نے کہا کہ آپ عمر کی درشتی مزاج کے باوجود ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں خدا کو آپ کیا جواب دیں گے فرمایا میں عرض کروں گا کہ خدایا میں نے تیرے بندوں میں سے ایسے شخص کو منتخب کیا تھا جو ان سب میں اچھا تھا"۔ (تاریخ اسلام ندوی صفحہ ۱۴۸) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ کو بعد انتقال حضرت ابوبکر خلیفہ مقرر ہوئے۔ آنحضرت سے سن میں ۱۳ سال چھوٹے تھے ۳۳ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کے سخت دشمن تھے تاریخ اسلام میں اس واقعہ کا ذکر یوں ہے۔

"ظہور اسلام کے وقت عمائد قریش کی طرح حضرت عمرؓ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اسلام ان کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم تھا جس کا مجرم ہر سزا کا مستحق تھا جو شخص بھی مسلمان ہوتا تھا حضرت عمرؓ اس کے دشمن ہو جاتے تھے اور اس کو ہر امکانی اذیت پہونچانے میں دریغ نہ کرتے ...... یہ قدرت کا کرشمہ تھا کہ ۶ بعثت میں اسی دشمن اسلام کے بہن اور بہنوئی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور اسی وقت بہنوئی کے یہاں جاکر بہن اور بہنوئی

گو مارتے مارتے بے دم کر دیا لیکن ان کی زبان کلمۂ حق سے نہ پھری ان کا استقلال دیکھکر دل نے کہا اس دین میں ضرور کوئی بات ہے چنانچہ بہنوئی سے قرآن سنانے کی خواہش کی انھوں نے چند آیتیں سنائیں یہ سحر آفریں آیات سن کر بے اختیار لا الٰہ الا اللہ پکار اٹھے اس وقت کم و بیش چالیس آدمی مسلمان ہو چکے تھے"۔ (تاریخ اسلام ندوی صفحہ ۱۵۹)

آپ کے دور خلافت میں کافی فتوحات ہوئیں۔ شام۔ بیت المقدس عرب۔ عراق وغیرہ فتح ہوئے ۲۱ھ میں آپ نے دیوان عطا کا اختراع کیا تمام عرب کے جد اجداد وظائف اور تنخواہیں مقرر کیں اس دفتر کا نام ایوان رکھا حضرت علیؑ کے مشورہ سے سنہ ہجری یکم محرم سے جاری کیا اس سے قبل عام الفیل سے سال کا حساب لگایا جاتا تھا ۱۶ھ میں آپ نے بصرہ آباد کیا تاکہ فارس کا راستہ اہل عرب کے قبضہ میں رہے۔ ۱۷ھ میں کوفہ آباد کرا کے عراق کا دار الحکومت مقرر کیا۔ رمضان ۱۴ھ میں تراویح پڑھنے کا حکم دیا آپ ہی نے درہ بنائی۔ شارب خمر کی حد بجائے چالیس تازیانے کے ۸۰ مقرر کی ام ولد کی فروخت سے منع کیا متعۃ النساء اور متعۃ الحج کی ممانعت کی قاضیوں کو شہر میں مقرر کیا۔ پہلے خلیفہ ہیں جو امیر المومنین کے لقب سے مشہور ہوئے ۲۶ رذی الحجہ ۲۳ھ کو ۶۳ سال کی عمر میں مغیرہ بن شعبہ کے ایرانی غلام ابو لولو کے ہاتھ سے زخمی ہو کر یکم محرم ۲۴ھ کو انتقال کیا۔ صہیب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت ابوبکر کے پہلو میں دفن ہوئے ساڑھے دس سال خلافت کی۔ مدینہ دار الخلافت تھا۔ مرتے وقت خلافت کو شوریٰ پر چھوڑا۔ آپ کے صاحبزادگان عبد اللہ۔ عاصم۔ عبد الرحمٰن۔ زید۔ محمد تھے۔ جناب حفصہ اور رقیہ آپ

کی دختران تھیں۔

۳۔ حضرت عثمان بن عفان۔ (۲۴ھ تا ۳۵ھ) آپ کا نام عثمان والد کا نام عفان۔ قریش کی شاخ بنی امیہ سے تھے۔ ۳۴ سال کی عمر میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے آنحضرتؐ سے چھ سال سن میں چھوٹے تھے پیشہ تجارت تھا حضرت عمر کی مقرر کردہ کمیٹی نے آپ کو خلیفہ نامزد کیا اس کمیٹی میں تین دن برابر جھگڑا رہا اس کے بعد آپ کا نام تجویز ہوا تاریخ اسلام میں اس واقعہ کو یوں تحریر کیا گیا ہے۔

"حضرت عمرؓ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مقداد نے چھوؤں آدمیوں کو مسور بن مخرمہ کے گھر میں یکجا کیا مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ انتخاب کی صورت یہ ہے کہ چھ کی تعداد کو اور کم کر دیا جائے اور جو شخص جسے زیادہ اہل سمجھتا ہو اس کا نام پیش کر دے اس تجویز پر حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمٰن کا نام پیش کیا لیکن آپ نے اپنا نام واپس لے لیا اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کا اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؑ کا نام پیش کیا اس تحریک پر حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ صرف دو نام رہ گئے ہیں ان دونوں میں سے جو شخص کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور سنت شیخین پر عمل کرنے کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اگر آپ دونوں حضرات اس کا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دیں تو زیادہ مناسب ہے دونوں راضی ہو گئے ان سے اجازت لینے کے بعد انھوں نے مسجد نبوی میں مسلمانوں کو جمع کر کے ایک موثر تقریر کی اور حضرت

عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی"۔ (تاریخ اسلام ندوی صفحہ ۲۴۸)

آپ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی اپنے حسب دلخواہ قوانین و ضوابط کو جاری کرنا شروع کردیا جو مسلمانوں پر ایک قسم کا بار ہوا اور اس سے ناگواری بڑھنے لگی جس سے اسلام میں انتشار پیدا ہوگیا اور آپ کے خلاف بہت سے الزامات عائد کیئے گئے جس کی تفصیل تاریخ اسلام میں حسب ذیل عنوان سے درج ہے۔ "حامیان انقلاب کی جانب سے جو اعتراضات حضرت عثمانؓ کے خلاف کیئے جاتے تھے وہ یہ ہیں۔

۱۔ کبار صحابہ کو معزول کرکے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا مثلاً مغیرہ بن شعبہ۔ ابوموسیٰ اشعری۔ سعد بن ابی وقاص عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن ارقم اور عمرو بن العاص کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا گیا۔

۲۔ بعض اکابر صحابہ مثلاً ابوذر غفاری۔ عمار یاسر اور عبداللہ ابن مسعود کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔

۳۔ بیت المال کا روپیہ بیجا طور سے صرف کیا اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمیں دیں مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دے دیا، عبداللہ بن ابی سرح کو خمس کا پانچواں حصہ عطا کیا عبداللہ بن خالد کو پچاس ہزار دیئے۔

۴۔ بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کرلیا اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا۔

۵۔ اموی عمال کی بے عنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں کیا۔

۶۔ حدود کے اجراء میں تغافل برتا۔

۷۔ ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلا ڈالے۔

۸۔ بعض نئی بدعتیں جاری کیں مثلاً سنت رسول اور سنت شیخین کے خلاف منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی۔

۹۔ حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کردیا تھا دوبارہ مدینہ بلالیا۔

۱۰۔ مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی۔" (تاریخ اسلام ندوی ۲۶۹)

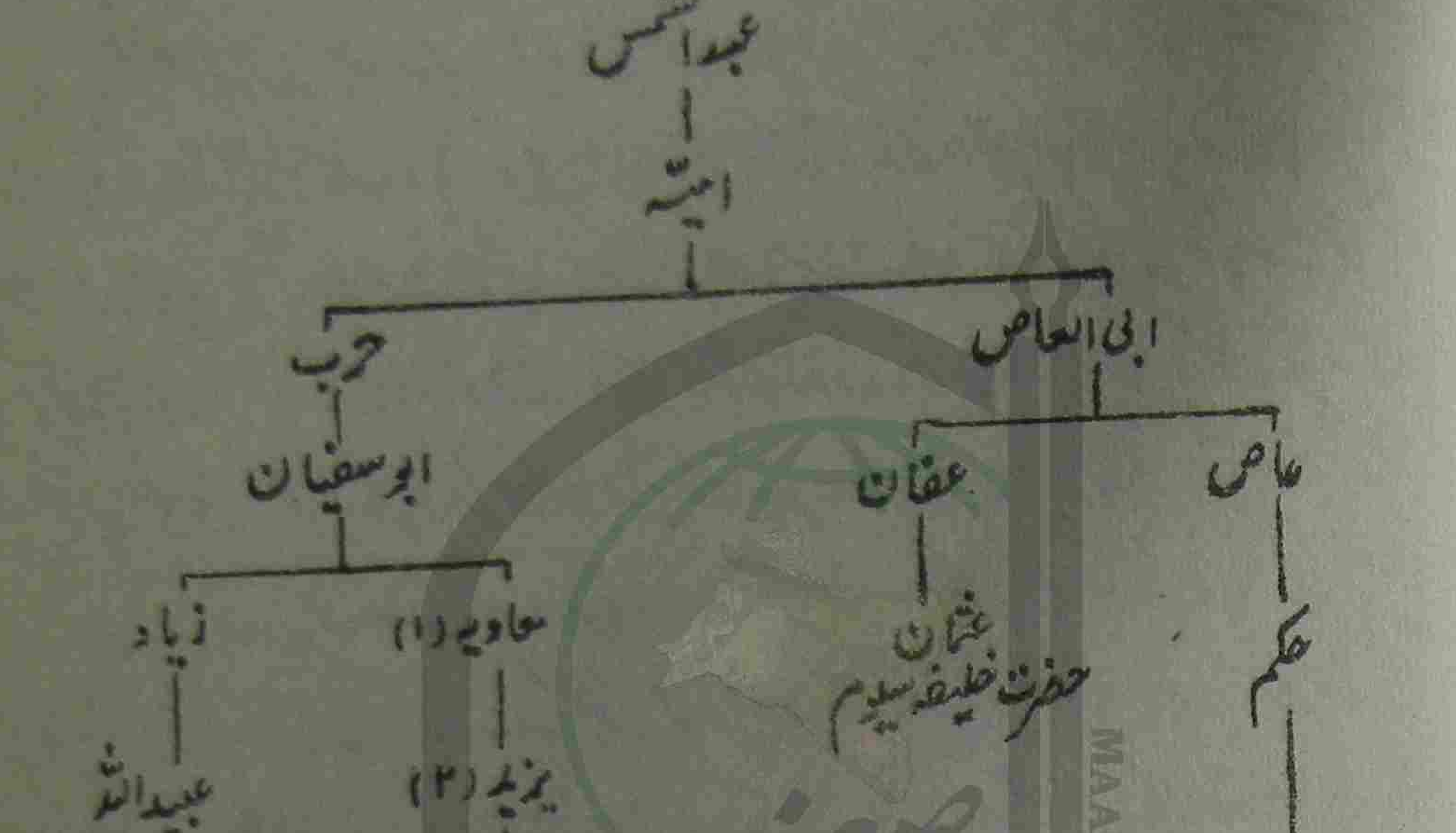
مذکورہ بالا بدعنوانیوں کی وجہ سے مسلمان برگشتہ ہوگئے اور جب ان کی شنوائی نہ ہوئی تو ایک دن آپ کے مکان کا محاصرہ کرلیا اور حملہ آور ہوئے۔ "جب انھیں اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انھوں نے پھاٹک میں آگ لگادی اور کچھ لوگ قصر خلافت کے متصل دوسرے مکانوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہوگئے۔ حضرت عثمان تلاوت میں مصروف تھے لیکن ہمت نہ پاکر لوٹ آئے اس کے بعد محمد بن ابی بکر نے جو حضرت عثمان کے بڑے دشمنوں میں تھے بڑھ کر ریش مبارک پکڑلی اور گستاخانہ کلمات زبان پر لائے حضرت عثمان نے فرمایا۔ بھتیجے اس کو چھوڑ دو تمھارے والد کبھی ایسا نہ کرتے اگر وہ دیکھتے تو ان کو تمھارا یہ فعل کبھی پسند نہ آتا۔" (تاریخ اسلام ندوی صفحہ ۲۸۶)

"کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹ ماری کہ حضرت عثمان تیورا کر پہلو کے بل گر پڑے...... اس کے بعد ہی عمرو بن الحمق نے لپک کر شہید کردیا۔" (تاریخ اسلام ندوی صفحہ ۲۸۶)

یہ حادثہ جمعہ کے دن ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا بدامنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی دو

دن تک لاش مبارک بے گور و کفن پڑی رہی دوسرے دن یعنی سنیچر کی شام کو چند آدمیوں نے جان پر کھیل کر تجہیز و تکفین کی ہمت کی۔۔۔۔ سترہ آدمیوں کی مختصر جماعت نے خفیہ جنت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپا دیا شہادت کے وقت ۸۲ سال کی عمر شریف تھی مدت خلافت چند دن کم بارہ سال"۔ (تاریخ اسلام ندوی صفحہ ۲۸۷) مدینہ منورہ دار الخلافت تھا۔ آپ کے ایک صاحبزادے عبد اللہ تھے اور ان کے علاوہ اٹھارہ اولادیں اور تھیں۔

شجرہ خاندان بنی امیہ



نوٹ۔ جس ترتیب سے خلیفہ ہوئے وہ نمبر نام کے آگے درج ہے۔

خلفاء بنی امیہ

خلفاء بنی امیہ نے ۹۱ سال حکومت کی اور انکا دور حکومت سنہ ۴۱ھ سے لے کر سنہ ۱۳۲ھ تک رہا۔ ذیل میں ان خلفاء کے مختصر حالات لکھے جارہے ہیں

۱۔ معاویہ بن ابوسفیان۔ (سنہ ۴۱ھ۔ سنہ ۶۰ھ) بنی امیہ کی حکومت قائم کرنیوالا اور اس کا پہلا بادشاہ ہے۔ خلیفہ اول کے زمانہ میں دمشق کا عامل تھا۔ خلیفہ سیوم کا چونکہ خاندانی تھا لہذا انھوں نے اس کو شام کا گورنر کردیا وہاں اس نے خوب دولت جمع کی اور ساتھ ہی ساتھ فوج بھی بڑھاتا رہا۔ خلیفہ سیوم کی وفات کے بعد خود خلیفہ ہونا چاہتا تھا۔ لہذا حضرت علیؑ کے خلاف کافی شورش پیدا کی اور حضرت عثمان کے قتل کا اتہام لگایا۔ جس کے نتیجہ میں صفین کی جنگ ہوئی اور بعد میں دمشق میں اپنی خلافت کا اعلان کردیا۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ سے لڑا آپ نے مسلمانوں کو قتل عام سے بچانے کے لئے صلح کرلی اس طرح سے معاویہ نے کل اسلامی حکومتوں پر اپنا قبضہ جمالیا۔ دمشق کو دار السلطنت قرار دیا۔ عراق وایران کی طرف سے اس کو اطمینان نہ تھا کیونکہ وہاں اہلبیتؑ کے ماننے والے بہت تھے لہذا اس نے تمام افسران کو برخاست کرکے اپنے چنے ہوئے لوگوں کو مقرر کیا۔ حکومت کے معاملات میں ہر بات کو جائز خیال کرتا تھا۔ خواہ وہ کسی طرح سے پوری ہو۔ جو صلح امام حسنؑ سے ہوئی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ معاویہ اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نہ مقرر کرے گا۔ اس کی بالکل پابندی نہیں کی اور یزید کو ولیعہد مقرر کردیا

اور لوگوں سے بیعت لینا شروع کردی مدینہ خود گیا اور امام حسینؑ
عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن عباس۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ
بن زبیر سے بیعت یزید کے لیے کہا مگر سب نے انکار کردیا اگرچہ
اس نے ہر طرح کا دباؤ ڈالا اس ناکامی کے بعد اس نے اعلان کردیا
کہ لوگوں نے بیعت کرلی ہے مگر جلد ہی لوگوں کو اصلیت معلوم
ہوگئی جس کی وجہ سے لوگ اس سے بیحد ناراض ہوگئے اور یہ دمشق
واپس چلا گیا۔ ۵ رجب سنہ ۶۰ھ میں وفات ہوئی۔

۲۔ یزید بن معاویہ۔ (سنہ ۶۰ھ لغایت سنہ ۶۴ھ) معاویہ بن ابوسفیان
کا بڑا بیٹا تھا۔ سنہ ۶۰ھ میں معاویہ کے مرنے کے بعد دمشق کے تخت پر
بیٹھا۔ نہایت بدصورت چہرہ پر نہایت بدنما چیچک کے داغ تھے حکومت
کے کاموں سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ دن رات شراب کے نشہ میں چور عورتوں
کے درمیان پڑا رہتا تھا۔ بندر، کتوں، اور موسیقی کا بہت شائق تھا۔
شراب کی زیادتی نے عقل کھودی تھی۔ زیادہ وقت سیر و شکار ناچ و
گانے کی صحبتوں میں گذارتا تھا۔ اس کی بدکاری کی عام شہرت تھی۔
لہٰذا جب یہ تخت پر بیٹھا ہر طرف بغاوت کی آگ بھڑک گئی۔ معاویہ اس
کو اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے بعد ملک کی کیا حالت ہوگی لہٰذا اس نے
اپنی زندگی میں ایسے حاکم مقرر کردیئے تھے جو شورش کو دبا سکیں۔ یزید
کو سب سے پہلے امام حسینؑ سے بیعت لینے کی فکر ہوئی چنانچہ اس نے حاکم مدینہ
ولید ابن عقبہ کو بیعت کے لیے لکھا اور حکم دیا کہ اگر انکار کریں تو سر حسینؑ
قلم کرکے میرے پاس بھیج دو۔ اس حکم کے ملتے ہی ولید نے حضرت امام
حسینؑ و عبداللہ ابن زبیر و عبداللہ ابن عمر کو بلایا امام حسینؑ سمجھ گئے چند

ہمراہیوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ عبد اللہ ابن عمر نے فوراً بیعت کر لی۔ مگر امام حسینؑ اور عبد اللہ ابن زبیر نے انکار کر دیا جب آپ وہاں سے چلنے لگے اس وقت مروان بن الحکم جو خلیفہ سیوم کا سکریٹری تھا وہاں موجود تھا اس نے کہا اے ولید اگر اس وقت تو نے حسینؑ کو جانے دیا تو پھر کبھی ایسا موقع تجھے نہ ملے گا۔ ان سے بیعت لے یا ان کو قتل کر۔ یہ گفتگو سن کر امام حسینؑ نے غصہ میں مروان کو ڈانٹا اور مروان گھبرا گیا اور ولید خاموش ہو گیا۔ آپ مکان پر تشریف لائے اور مکہ جانے کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ عبد اللہ ابن زبیر رات ہی کو مدینہ سے مکہ کے لیے روانہ ہو گئے اس کے دو دن بعد امام حسینؑ بھی معہ اہل و عیال کے مدینہ سے بقصد مکہ روانہ ہو گئے مکہ پہونچ کر جناب مسلم کو کوفہ بھیجا۔ کوفہ میں حضرت مسلم کو یزید کے حکم کے بموجب ابن زیاد نے قتل کرا دیا۔ امام حسینؑ مکہ سے بقصد کوفہ روانہ ہو چکے تھے راستہ میں حضرت مسلم کے قتل کی اطلاع ہوئی مگر آپ نے ارادہ ترک نہیں فرمایا اور کربلا کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس کی اطلاع ابن زیاد کو ہوئی اس نے حر کو ایک ہزار کا لشکر دیکر روانہ کیا کہ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو گھیر کر میرے پاس لے آئے مگر حر کو اس امر میں کامیابی نہ ہوئی یہ قافلہ ۲ محرم کو کربلا پہونچا ۳ محرم کو عمر ابن سعد بھی ایک بڑا لشکر لے کر مقابلہ کے لیے کربلا پہونچ گیا۔ ۹ محرم تک صلح کی بات چیت ہوتی رہی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ۱۰ محرم کو گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں امام حسینؑ بمعہ انصار و اولاد کے شہید کر دیئے گئے اور اہل حرم اسیر کر کے دربدر پھرائے گئے یہ سب یزید بن معاویہ کے منشاء و حکم کے مطابق ہوا۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت اور کل خاندان کی بربادی یہ ایک ایسا اہم اور عظیم واقعہ تھا جس کو مسلمان کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا

کہ تمام ملک میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور مکہ کے لوگوں نے عبداللہ ابن زبیر کو اپنا خلیفہ بنا لیا اور اس کے ساتھ ہو گئے مدینہ منورہ میں بھی سخت شورش برپا ہو گئی جس پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ بنی امیہ کے خلاف ہر طرف شورش ہونے لگی کافی لوگ مارے گئے۔ کچھ لوگوں نے بھاگ کر مروان حاکم مدینہ کی دار الامارت میں پناہ لی۔ جب اس کی اطلاع یزید کو ہوئی اس نے شورش کو دبانے کے لیے کافی فوج روانہ کی تین روز تک فوج یزید نے مدینہ کو خوب لوٹا اور برباد کیا۔ یہ واقعہ ۶۳ھ کا ہے۔ مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد فوج یزید مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئی جس وقت اس کی اطلاع عبداللہ بن زبیر کو ہوئی وہ فوج لے کر یزید کی فوج کے مقابلہ میں آگئے دونوں لشکروں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی مکہ کے باشندوں نے حرم میں پناہ لی تھی لہذا فوج یزید نے کعبہ پر بھی حملہ کر دیا اور دیوار گرا دی مگر عبداللہ بن زبیر نے سخت مقابلہ کر کے فوج یزید کو پیچھے ہٹا دیا۔ چالیس دن تک لڑائی ہوتی رہی فوج یزید کو کامیابی نہ حاصل ہوئی۔ یزید کا خیال تھا کہ بعد قتل امام حسینؑ وہ اطمینان و سکون کی زندگی گذارے گا اور مملکت اسلام پر اس کی حکومت ہوگی مگر نتیجہ اس کے برعکس ہوا کیونکہ ہر جگہ بغاوت شروع ہو گئی اور لوگ یزید کو کھلم کھلا برا کہنے لگے اور اس کے خاص پایۂ تخت شام میں یزید کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اور اس کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے شراب میں زہر ملا کر دے دیا گیا جس کے اثر سے وہ ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو ۳۸ سال کی عمر میں ۳½ سال حکومت کرنے کے بعد ہلاک ہو گیا۔ یزید کی موت کے بعد فوج یزید نے مکہ کا محاصرہ ختم کر دیا۔

عظیم المرتبت و برگزیدہ بندوں کا قتل۔ مدینہ رسول کی غارتگری ہزاروں عورتوں کی عصمت دری۔ مسجد رسول و قبر نبی کی بے حرمتی، خانہ خدا پر آتش باری، اعلانیہ شراب خواری و قمار بازی کلام الٰہی پر تیروں کی بوچھار، جھوٹی حدیث تراش کر دین کی بربادی کی فکر اس کے علاوہ لاتعداد واقعات سینہ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ جن سے یزید کے کیریکٹر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

۳۔ معاویہ بن یزید (سنہ ۶۳، ۶۴ھ) یزید کے مرنے کے بعد تخت حکومت پر بیٹھا۔ مدت حکومت چھ ماہ۔ اپنے باپ کے زمانہ حکومت کو پسند نہ کرتا تھا۔ جب اس کو تخت ملا تو مسلمان بھی یزید کی اولاد کو حکومت دینا نہیں چاہتے تھے۔ ہر طرف نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس رنگ کو دیکھکر اس نے تخت خلافت کو بلا کسی کو خلیفہ مقرر کیئے چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا اور معاویہ کے خاندان سے ہمیشہ کے لیے بادشاہت ختم ہو گئی۔

۴۔ مروان بن الحکم (سنہ ۶۴ھ تا سنہ ۶۵ھ) وفات رمضان سنہ ۶۵ھ مدت حکومت دس ماہ۔ یزید جب مرا اس وقت یہ حاکم مدینہ تھا۔ جب عبداللہ بن زبیر مدینہ میں خلیفہ ہو گئے تو انھوں نے اس کو مدینہ سے نکلوا دیا اور یہ دمشق چلا گیا۔ وہاں جب معاویہ بن یزید نے خلافت چھوڑ دی تو اس نے بنی امیہ سے کہا کہ دمشق کے تخت پر بنی امیہ ہی کے کسی فرد کو بیٹھنا چاہیئے ورنہ عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھوں بنی امیہ کا خاتمہ ہو جائے گا چونکہ یہ سن میں سب سے زیادہ تھا لہذا اسی کو تخت خلافت دیا گیا۔

۵۔ عبدالملک بن مروان۔ (سنہ ۶۵ھ۔ سنہ ۸۶ھ) وفات شوال

سنہ ۶۵ھ۔ جب یہ تخت خلافت پر بیٹھا تو عبداللہ ابن زبیر کی حکومت مکہ میں قائم تھی۔ اور شیعیان علیؑ نے جناب مختار کی معیت میں قاتلان حسینؑ کو چن چن کر قتل کر دیا تھا۔ اور یہ کل آدمی بنی امیہ کے طرفدار تھے جس کی وجہ سے یہ بیحد پریشان تھا۔ کیونکہ ابن زیاد کے قتل کے بعد جناب مختار کی حکومت عراق پر قائم ہو چکی تھی جو بعد میں عبداللہ ابن زبیر نے ختم کر دی۔ اور اپنے بھائی مصعب کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ عبدالملک عراق پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر اس کو دمشق کے خانگی جھگڑوں سے فرصت نہ ملتی تھی جب دمشق سے اطمینان ہوا تو عراق پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد مکہ پر حملہ کیا عبداللہ ابن زبیر نے خانہ کعبہ میں مورچہ قائم کیا۔ حجاج بن یوسف جو فوج کا سپہ سالار تھا اس نے کعبہ پر پتھر برسائے عمارت کو کافی نقصان پہنچا آخر مکہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد مدینہ پر حملہ کیا وہاں تیس دن تک قتل عام ہوتا رہا۔ اسباب لوٹا گیا عورتوں کے ساتھ زنا کی گئی جس کی وجہ سے ہزاروں عورتیں حاملہ ہو گئیں۔ مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے۔ ہر طرح سے اس محترم عمارت کی بے حرمتی کی گئی۔ اس فتح کے سلسلہ میں حجاج بن یوسف کو گورنر مقرر کیا گیا جس نے بیحد مظالم کیئے جس سے تاریخ کے صفحات رنگین ہیں۔

۶۔ ولید بن عبدالملک۔ (۸۶ھ تا ۹۶ھ) وفات جمادی الثانی ۹۶ھ بمقام دیر مرآن اسی نے امام زین العابدینؑ کو زہر دیکر شہید کرایا۔

۷۔ سلیمان بن عبدالملک (۹۶ھ تا ۹۹ھ) مدت حکومت دو سال پانچ ماہ اپنے بعد عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۸۔ عمر بن عبدالعزیز۔ (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) مروان بن حکم کے پوتے اور

حضرت عمر کی پوتی ام عاصم کے بیٹے تھے۔ سب سے زیادہ نیک اور انصاف پسند بادشاہ تھا اس نے فدک کی کل جائیداد جس پر بنی امیہ قابض تھے خاندان بنی ہاشم کو واپس کر دی اس کے علاوہ وہ تمام جائدادیں جو خلفائے بنی امیہ نے بنی ہاشم سے لے لی تھیں وہ سب واپس کر دیں جس کی وجہ سے مخالفین بنی ہاشم نے کافی شورش اس کے خلاف کی اور اس کو زہر دیکر ختم کر دیا۔

۹۔ یزید بن عبد الملک (سنہ ۱۰۱ھ تا سنہ ۱۰۵ھ) مدت خلافت چار سال پانچ ماہ۔

۱۰۔ ہشام بن عبد الملک (سنہ ۱۰۵ھ تا سنہ ۱۲۵ھ) مدت حکومت اٹھارہ سال آٹھ ماہ۔ محبان اہلبیتؑ جنھوں نے زید بن علی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان پر فوج کشی کی اور قتل عام کیا۔ حضرت زید کو شہید کیا اور لاش کو ایک مقام پر لٹکوا دیا۔ جو کافی عرصہ تک لٹکتی رہی امام محمد باقرؑ کو سنہ ۱۱۴ھ میں زہر سے شہید کیا۔

۱۱۔ ولید ثانی بن یزید بن عبد الملک (سنہ ۱۲۵ھ تا سنہ ۱۲۶ھ) نہایت عیاش ظالم، جابر تھا جس کی وجہ سے ملک میں کافی شورش رہی اور ظلم کی وجہ سے اس کو قتل کر دیا گیا۔

۱۲۔ یزید بن ولید۔ (سنہ ۱۲۶ھ) مدت خلافت چھ ماہ۔

۱۳۔ ابراہیم بن ولید۔ (سنہ ۱۲۶ھ) مدت خلافت دو ماہ دس یوم اس کے چچا مروان بن محمد نے بغاوت کر دی اس کی فوج مروان سے مل گئی اور یہ خلافت چھوڑ کر بھاگ گیا۔

۱۴۔ مروان ثانی بن محمد۔ (سنہ ۱۲۷ھ تا سنہ ۱۳۲ھ) خاندان بنی امیہ کا آخری

بادشاہ۔ ملک کی حالت بے حد خراب تھی جگہ جگہ شورش پھیلی ہوئی تھی جس پر یہ قابو نہ پا سکا۔ بنی عباس حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے لہذا انھوں نے یہ شہرت دی کہ وہ بنی امیہ کو ہٹا کر آل محمدؐ کو سلطنت دلوانا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے تمام لوگ بنی عباس کے ساتھ ہو گئے اور بنی امیہ کو بنی عباسیوں نے شکست دی اور اس کو مار ڈالا۔ اس صورت حال سے ۹۱ سال کے بعد بنی امیہ کی ظالم حکومت کا خاتمہ ہوا۔

آتش مزاج تھا اس نے امام محمد تقی علیہ السلام کو ام الفضل بنت مامون کے ذریعہ زہر دلوادیا۔

9. واثق بن معتصم (۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ) اہلبیتؑ کے ساتھ اس کا رویہ نازیبا رہا۔

10. متوکل بن معتصم (۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ) یہ بڑا ظالم شرابی اور عیاش تھا اس کے دربار میں ہزل اور مسخرا پن کا کافی چرچا رہتا تھا۔ اولاد حضرت علیؑ سے کافی دشمنی رکھتا تھا سادات جلاوطن کیے گئے کربلا معلیٰ کے روضے مسمار کرا دیئے لوگوں کو زیارت سے منع کیا روضوں کو ہموار کرا کے ان پر زراعت کرانی چاہی نہر کا پانی چھوڑا گیا مگر پانی شہدائے کربلا کی قبور پر جاری نہ ہوا جس سے لوگوں کو عبرت ہوئی اور اسی وقت سے اس کا نام حائر قرار پایا۔ متوکل کی ان حرکتوں سے لوگوں کو سخت تکلیف پہونچی۔ بنی فاطمہ سے باغ فدک پھر چھین لیا۔ اس زمانے میں بڑے بڑے زلزلے آئے زمینیں دھنس گئیں آگیں لگیں آسمان سے ہولناک آوازیں سنائی دیں باد سموم سے بہت سے آدمی اور جانور ہلاک ہوئے۔

11. منتصر بن متوکل (۲۴۷ھ تا ۲۴۸ھ) منصف مزاج۔ فیاض عقیل وفہیم اور شجاع تھا۔ متوکل نے حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کے روضے جو مسمار کرا دیئے تھے اس نے دوبارہ تعمیر کرا دیئے فدک اور سادات کی دوسری جائیدادیں جو ضبط کرلی گئی تھیں ان کو اس نے واپس کر دیا جو سادات جلاوطن کر دیئے گئے تھے وہ واپس بلائے گئے۔

12. مستعین بن معتصم (۲۴۸ھ تا ۲۵۲ھ) جناب زید شہید کے

پوتے جناب یحییٰ کو قتل کرا دیا۔

۱۳۔ معتز بن متوکل (۲۵۲ھ۔ ۲۵۵ھ) اس نے امام علی نقیؑ کو زہر دلوایا۔

۱۴۔ مہتدی بن واثق۔ (۲۵۵ھ تا ۲۵۶ھ)

۱۵۔ معتمد بن متوکل (۲۵۶ھ۔ ۲۷۹ھ) متلون مزاج۔ عیش پسند شراب نوش تھا امام حسن عسکریؑ کو زہر دیکر شہید کرا دیا۔

امام حسن عسکریؑ کے صاحبزادے امام مہدی آخر الزماںؑ نے اسی کے عہد میں بحکم خدا غیبت اختیار کی۔

چند مخصوص اصحاب رسولؐ و علیؑ

۱۔ جناب ابوذر۔ آپ کا نام جندب، باپ کا نام جنادہ بن شعبان، قبیلہ غفار کی فرد تھے۔ آنحضرت جب مکہ میں تھے اس وقت آپ مسلمان ہوئے۔ تمام زندگی دنیاوی معاملات سے علیحدہ رہے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے آنحضرت کو اسلامی سلام کیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اپنی قوم میں واپس گئے۔ جب آنحضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ بدر و احد کی جنگ میں شریک ہوئے اس کے بعد مدینہ میں مقیم ہو گئے۔ آنحضرت کی وفات کے کچھ دنوں بعد شام چلے گئے جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو معاویہ نے لکھا کہ ابوذر کو یہاں سے بلوا لیا جائے۔ ان کا قیام یہاں مناسب نہیں ہے۔ لہذا خلیفہ وقت نے طلب کیا اور یہ حکم دیا کہ کسی تیز اونٹ پر بلا کاٹھی کے بھیجے جائیں۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا جس کی وجہ سے آپ کی رانوں کا گوشت کٹ گیا۔ جب مدینہ میں دربار خلافت میں پیش ہوئے تو جلا وطنی کا حکم دیا گیا۔ اور ربذہ جو مدینہ سے تیس میل کے فاصلہ پر ایک جنگل ہے وہاں رہنے کا حکم دیا گیا وہاں کچھ عرصہ بعد آپ علیل ہوئے اور جب نزعی حالت ہوئی تو آپ کی لڑکی بے حد پریشان ہوئی کہ اس جنگل میں کیونکر تجہیز و تکفین ہو گی اس وقت آپ نے فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد تم سرِ راہ جا کر بیٹھنا چند لوگ ادھر سے گذریں گے تم ان سے کہہ دینا وہ آکر غسل و کفن دیکر دفن کر دیں گے۔ چنانچہ لڑکی نے ایسا ہی کیا

چند سوار نظر آئے۔ اور اگر غسل وغیرہ دیا دفن کیا اس کے بعد لڑکی کو لے کر اپنے ساتھ مدینہ گئے آپ کی وفات ۲۲ھ میں ہوئی۔ آپ کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا کہ زمین نے اٹھایا نہیں کسی کو آسمان نے سایہ نہیں ڈالا کسی ایسے شخص پر جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو۔

۲۔ جناب سلمان فارسی۔ کنیت ابوعبداللہ لقب سلمان۔ آنحضرت کے خاص غلام فارس کے رہنے والے آگ کے پوجنے والے تھے باپ کے حکم کے بموجب اپنی زراعت پر گئے تھے راہ میں نصرانیوں کو گرجہ میں نماز پڑھتے دیکھا اس طرف رجوع ہو گئے مکان واپس آکر باپ سے تعریف کی۔ انھوں نے سمجھانے کی کوشش کی مگر آپ نہ مانے اس پر اس نے آپ کو قید کر دیا مگر آپ کسی صورت سے نکل کر نصرانیوں کے پاس پہونچ گئے کچھ دن ان کے ساتھ رہے اس کے بعد ان لوگوں نے آپ کو ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا وہ آپ کو مدینہ لایا۔ جب آنحضرتؐ مدینہ تشریف لائے تو آپ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اس وقت آنحضرتؐ نے یہودی کو معاوضہ دے کر آپ کو آزاد کرا دیا۔ ہر غزوہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کا مشورہ آپ ہی نے دیا تھا جو بعد میں جنگ خندق کے نام سے مشہور ہوئی آپ بڑے مقدس و خدا رسیدہ صحابی تھے آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ "سلمان ہم اہلبیت میں سے ہیں"۔ آپ کو جو وظیفہ ملتا تھا اسے آپ تقسیم کر دیتے تھے اور اپنے ہاتھ سے محنت کر کے جو رقم ملتی تھی اس پر بسر کرتے تھے جب آپ مدائن کے حاکم تھے اس وقت کھجور کی پتی جمع کر کے اس کو فروخت کرتے تھے اور اس سے اپنے کھانے کا انتظام کرتے تھے آپ کے پاس

صرف ایک چادر تھی جس کو نصف اوڑھتے تھے اور نصف بچھاتے تھے کوئی مکان نہ تھا درختوں کے سایہ میں زندگی بسر کی۔ کافی طویل عمر کے بعد ۳۵ھ میں وفات پائی زندگی بھر حضرت علیؑ کو اپنا امام خیال کیا اور انھیں کے احکامات پر عمل کیا۔

۳۔ جناب عمار۔ باپ یاسر، ماں سمیہ یمن کے رہنے والے تھے چھ تھے نمبر پر مسلمان ہوئے جس کی وجہ سے قریش آپ کو جلتی زمین پر لٹا کر اس قدر مارتے تھے کہ آپ بیہوش ہو جاتے ماں کو ابو جہل نے اس قدر مارا کہ ہلاک ہو گئیں ایک دن کفار اس وقت تک مارتے رہے جبتک آنحضرت کی برائی اپنے معبودوں کی تعریف نہ کرائی جب وہاں سے چھوٹے تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ دل تو ایمان پر قائم رہا۔ آپ نے عرض کیا بیشک وہ اس وقت آنحضرت نے فرمایا کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی کفار آپ کو برابر پریشان کرتے رہے اور آپ تمام سختیاں برداشت کرتے مگر ایمان میں فرق نہ آتا تھا۔ آپ مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں شریک تھے۔ جنگ جمل و جنگ صفین میں بڑے کارنمایاں کیے۔ جنگ صفین میں آپ حضرت علیؑ کی فوج میں تھے اور حضرت ہی کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے ۹۴ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ عمار کو گروہ باغی قتل کرے گا۔

۴۔ جناب مقداد۔ عمرو کے لڑکے تھے بہت قبل میں اسلام لائے ہجرت کرکے حبش گئے جب واپس ہوئے تو مکہ میں قیام رہا اور بعد کو مدینہ پہونچ گئے۔ غزوہ بدر و احد اور کل لڑائیوں میں شریک رہے آنحضرت نے چار شخصوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے جن کے اسماء علیؑ۔ ابوذر سلمان، و مقداد ہیں ۳۳ھ میں بمقام حرف بزمانہ خلافت سیوم

انتقال فرمایا اور لاش مدینہ میں لاکر دفن ہوئی۔

۵۔ جناب جابر بن عبد اللہ انصاری۔ آپ مدینہ کے رہنے والے تھے علاوہ بدر کے ہر غزوہ میں شریک رہے آنحضرت کے نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ پانچ اماموں کا زمانہ دیکھا اور ان کی صحبت میں رہے یعنی حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ۔ و امام حسینؑ، امام زین العابدینؑ امام محمد باقرؑ۔ آنحضرت کی بکثرت حدیثیں نقل کیں۔ جنگ صفین میں شریک تھے۔ ہمیشہ دامن اہلبیتؑ سے متمسک رہے۔ سب سے پہلے زائر قبر حسینؑ کے ہیں جب کربلا کا لٹا ہوا قافلہ شام سے واپس کربلا پہونچا تو امام زین العابدینؑ نے آپ کو دیکھکر بیحد گریہ فرمایا۔ دور آخر میں مسجد نبویؐ میں بیٹھے رہتے اور اے علم کے باقر اے علم کے باقر پکارا کرتے اس پر لوگ کہتے کہ جابر جہل بکا کرتے ہیں۔ جس کا جواب آپ دیا کرتے کہ خدا کی قسم لغو نہیں کہتا ہوں بلکہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اے جابر تم میرے اہلبیتؑ کے ایک فرزند سے ملوگے جس کا نام میرا نام اور جس کی صورت و سیرت میری صورت و سیرت ہوگی۔ وہ کل علموں کا باقر ہوگا ایک دن مدینہ کی گلیوں میں امام محمد باقرؑ سے آپ کی ملاقات ہوگئی آپ نے ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور آنحضرتؐ کا پیغام بیان فرمایا اس کے بعد آپ برابر امام کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے مسجد نبوی میں لوگ آپ سے علوم حاصل کرتے تھے ۹۴ سال کی عمر میں ۷۸ھ میں انتقال فرمایا۔

۶۔ جناب حذیفہ بن یمان انصاری۔ بڑے مقدس صحابی تھے غزوہ بدر و احد میں شریک ہوئے منافقوں کے نام آنحضرتؐ نے سوائے

آپ کے کسی کو نہیں بتائے تھے جب لوگوں نے پوچھا کہ اے حذیفہ منافقین کے نام کیونکر آپ کو معلوم ہوئے تو آپ نے جواب دیا کہ عقبہ میں رسولؐ کی سواری کے ساتھ تھا کہ آنحضرتؐ کو نیند آگئی تو میں نے سنا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آؤ ہم لوگ رسولؐ کو اونٹ سے گرا دیں تاکہ ان کی گردن ٹوٹ جائے اور ہم لوگوں کو نجات مل جائے یہ سن کر میں ان لوگوں کے درمیان ہو گیا اور زور زور سے باتیں کرنے لگا جس پر آنحضرتؐ بیدار ہو گئے اور دریافت فرمایا کہ کون ہے میں نے عرض کیا کہ حذیفہ پھر پوچھا اور کون لوگ ہیں میں نے سب کے نام بتائے اس پر آنحضرتؐ نے کہا یہ سب منافقین ہیں۔ بہت سے لوگ آپ سے منافقین کے نام پوچھا کرتے تھے مگر آپ نے کبھی اس کا اظہار نہیں فرمایا ۳۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۷۔ جناب سعد بن عبادہ۔ مدینہ کے رہنے والے تھے قبیلہ انصار کے سردار تھے غزوات میں قبیلہ انصار کا علم آپ کے ہی ہاتھ میں رہتا تھا انصار میں صاحب دیانت و ریاست تھے۔ آنحضرتؐ نے آپ کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ درود اور رحمت سعد بن عبادہ کی آل پر نازل فرما۔ آنحضرتؐ نے آپ کی غیرت کی مدح فرمائی ہے بعد وفات آنحضرتؐ بیعت کے لیے آپ پر بیحد سختی کی گئی لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے اور روند ڈالا اس پر کچھ جھگڑا ہوا بعد کو آپ مصلحت وقت دیکھتے ہوئے شام کی طرف چلے گئے اور ۱۵ھ میں بمقام حوران انتقال فرمایا۔

۸۔ حجر بن عدی۔ آنحضرتؐ کے صحابی تھے مگر زیادہ زمانہ حضرت علیؑ کے ساتھ گذرا جنگ صفین میں قبیلہ کندہ کے سپہ سالار تھے اور نہروان میں

لشکر کے میسرہ پر تھے۔ جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے ساتھ برابر رہے جب
ابن زیاد عراق کا حاکم ہوا اور اس نے نازیبا حرکتیں شروع کیں اس
وقت آپ نے بیعت فسخ کردی اور شیعیان علیؑ کی ایک جماعت آپ
کی سرپرستی میں تیار ہوگئی ابن زیاد نے معاویہ کو ان کی شکایت لکھی
معاویہ نے آپ کو مع آپ کی جماعت کے دمشق طلب کیا جب یہ لوگ وہاں
پہونچے تو کچھ لوگوں کو چھوڑ دیا اور حجر و نیز ان کے چھ ساتھیوں کے قتل
کا حکم دیا۔ جب جلاد نے قتل کا ارادہ کیا تو پہلے آپ نے دو رکعت
نماز پڑھی اور اس کے بعد کہا کہ میرے ہتھیار نہ اتارنا اور نہ میرا خون
دھونا میں قیامت میں اسی طرح سے ملوں گا آپ کا قتل ۵۱ھ میں ہوا
اور دمشق کے پاس عذرا میں دفن ہوئے۔

۹۔ جناب عبداللہ بن عباس۔ آنحضرت کے چچا کے لڑکے، حضرت علیؑ کے
خاص شاگرد۔ تفسیر قرآن و حساب کے ماہر اور بہت بڑے عالم تھے۔
جب کوئی صحیح بات لوگ معلوم کرنا چاہتے تو آپ ہی سے رجوع کرتے
تھے حدیث قرطاس یاد کر کے روپا کرتے تھے۔ حضرت علیؑ نے بصرہ کا،
حاکم مقرر کیا تھا۔ جنگ صفین میں شریک ہوئے ۶۸ھ میں بمقام طائف
انتقال کیا۔

۱۰۔ جناب قنبر۔ حضرت علیؑ کے غلام جانثار تھے جب لوگ پوچھتے تھے
کہ کس کے غلام ہو تو فرمایا کرتے کہ اس کا غلام ہوں جو دو تلواروں سے جہاد
کرتا ہے دو نیزوں سے لڑتا ہے جس نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی
دو بیعتیں کیں ایک لمحہ کے لیے بھی کافر نہیں رہا حجاج بن یوسف نے آپ
کو گرفتار کرا کے بلایا اور پوچھا کہ تم حضرت علیؑ کی کیا خدمت کرتے تھے آپ

نے بتایا پھر چند سوالات اور ہوئے اور اس کے بعد آپ کو قتل کرا دیا۔

۱۱۔ جناب مالک۔ نام مالک، باپ حارث، لقب اشتر تھا حضرت علیؑ کے مشہور اور وفادار صحابی تھے جنگ جمل میں بڑی بہادری سے لڑے جنگ صفین میں کارہائے نمایاں انجام دیئے مثل بپھرے ہوئے شیر کے حملہ کرتے تھے ہر طرف کشتوں کے انبار لگا دیتے، اور لشکر کو تہ وبالا کر دیتے فتح کے قریب پہونچ چکے تھے کہ عمر عاص نے اپنی چالاکی سے نیزوں پر قرآن بلند کرا دیئے۔ بموجب حکم حضرت علیؑ آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور جنگ ختم ہو گئی۔ جناب امیرؑ نے آپ کو حکم مقرر کرنا چاہا مگر خوارج نے اعتراض کیا کچھ عرصہ بعد جب معاویہ نے مصر پر حملہ کیا تو جناب امیرؑ نے محمد بن ابی بکر گورنر مصر کی مدد کے لیے بھیجا۔ معاویہ کو اس کی اطلاع ہوئی اس نے راستے میں عریش کے زمیندار کے ذریعہ آپ کو زہر دلوا دیا اور اس زمیندار کا تیس ہزار سالانہ خراج معاف کر دیا آپ بڑے بہادر اور شجاع تھے اور ساتھ ہی زیور علم، زہد و تقویٰ سے بھی آراستہ تھے۔

۱۲۔ جناب رشید ہجری۔ حضرت علیؑ نے آپ کا نام رشید البلایا رکھا تھا یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دشمنان دین حضرت علیؑ کی محبت کی وجہ سے سخت تریں تشدد سے قتل کریں گے۔ اور آپ اس مصیبت میں صبر کے جوہر دکھائیں گے۔ حضرت علیؑ نے آپ کو موتوں اور مصیبتوں کا علم تعلیم فرمایا تھا۔ جس میں آپ کو اس قدر ملکہ ہو گیا تھا کہ آپ جس شخص کو چاہتے تھے بتلا دیتے تھے کہ فلاں مقام پر اور فلاں وقت تمہاری موت ہو گی حضرت علیؑ نے آپ کو مطلع کر دیا تھا کہ ابن زیاد تم پر دباؤ ڈالکر میرے اوپر تبرا کرائے گا تم انکار کرو گے۔ وہ تمہارے دونوں ہاتھ، پیر و زبان کٹوا

دے گا اور فلاں درخت کی شاخ میں تم کو سولی دی جائے گی. چنانچہ روزانہ صبح و شام آپ اس کو سینچا کرتے تھے. ایک دن دیکھا کہ اس کی ایک شاخ کٹی ہوئی ہے آپ کو یقین ہو گیا کہ اب وقت موت قریب ہے اس کے بعد ہی ابن زیاد نے آپ کو طلب کیا اور دریافت کیا کہ علیؑ نے تمھارے لیے کیا پیشین گوئی کی ہے آپ نے کل باتیں بتا دیں ابن زیاد نے کہا کہ میں تمھارے ہاتھ پیر دونوں کٹوا دوں گا اور زبان چھوڑ دوں گا تاکہ علیؑ کی پیشین گوئی غلط ہو جائے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اس کے بعد آپ قصر کے باہر لائے گئے آپ نے فضائل امیرالمومنینؑ بیان کرنا شروع کیے بے حد مجمع ہو گیا جب ابن زیاد کو معلوم ہوا تو اس نے زبان بھی کٹوا دی جب زبان کٹنے جا رہی تھی تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ میرے مولا نے فرمایا تھا کیونکر غلط ہو سکتا تھا.

۱۳۱. جناب میثم تمار. آپ کا وطن کوفہ تھا بڑے مشہور خاندان کے تھے جناب امیرؑ کے خاص صحابی تھے کل خاندان شیعیان علیؑ تھا. ایک دن حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے میثم تمھارا کیا حال ہوگا جب بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد تمھیں طلب کرے گا کہ میرے اوپر تبرا کرو. آپ نے عرض کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے جناب امیرؑ نے فرمایا تم قتل کیے جاؤ گے اور سولی پر چڑھائے جاؤ گے. اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تم میرے ساتھ ہو گے. ایک دن میثم نے اپنی قوم کے سردار سے کہا کہ تم مجھے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس پیش کرو گے اور وہ مجھے قتل کر دے گا اس کے علاوہ اور تمام پیشین گوئیاں کیں عمرو بن حارث کے مکان کے متصل ایک درخت تھا آپ جب ادھر سے گذرتے تو آپ اس درخت کو تھپک کر کہتے کہ اے

درخت میں تجھ پر سولی پاؤں گا۔ جب حج کا زمانہ قریب آیا تو آپ مکہ حج کے لیے گئے ابن زیاد نے سردار قوم کو طلب کر کے کہا کہ میثم کو گرفتار کر کے لاؤ اس نے جواب دیا کہ بغرض حج مکہ گئے ہیں کچھ مہلت دی جائے چنانچہ مہلت ملی جب میثم وطن واپس آئے تو ابن زیاد کے سامنے پیش ہوئے اس نے حضرت علی علیہ السلام پر تبرا کرنے کو کہا آپ نے انکار کیا ابن زیاد نے سولی پر چڑھانے کا حکم دیا جس کی تعمیل ہوئی سولی اسی درخت پر دی گئی جس کے لیے حضرت علیؑ نے فرمایا تھا۔ سولی پر چڑھنے کے بعد بھی آپ فضائل حضرت علیؑ بیان فرماتے رہے اور ان باتوں کو بیان کرتے رہے جو قیامت تک ہونے والی تھیں اس خبر کو سنکر ابن زیاد نے ایک شخص کو بھیجا جس نے آکر منھ میں لگام لگا دی اور اس طرح آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

۱۴۔ جناب طرماح۔ آپ عدی بن حاتم کے صاحبزادے تھے۔ جناب امیرؑ کے اصحاب میں تھے۔ نہایت طویل قد و قامت بڑے ڈیل ڈول کے اعلیٰ درجہ کے ادیب۔ فصیح۔ چرب زبان اور حاضر جواب بزرگ تھے۔ جنگ جمل کی واپسی پر معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کو ایک خط بھیجا تھا جس کا جواب حضرت علیؑ نے آپ ہی کی معرفت معاویہ کو دیا تھا۔ خط ملنے پر معاویہ و عمر و عاص اور طرماح میں جو گفتگو ہوئی اور جس فصاحت سے آپ نے گفتگو کی ہے اس سے آپ کی محبت، اطاعت، ادبیت، ذہنیت، حیا کی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۵۔ جناب کمیل بن زیاد۔ حضرت علی کے مشہور صحابی تھے

بڑے مقدس بزرگ تھے اپنے قبیلہ نخع کے رئیس و سردار تھے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک رہے۔ جنگ صفین میں نامور بہادروں میں تھے حضرت علیؑ نے آپ کو تمام حقائق و معارف کی تلقین فرمائی تھی اور عجیب و غریب نصیحتیں کی تھیں حضرت علیؑ کی جانب سے عراق میں حاکم رہے۔ حضرت علیؑ نے آپ کو ایک دعا تعلیم فرمائی تھی جو آج تک مشہور ہے۔ حجاج بن یوسف نے جب عراق پر غلبہ پایا تو اس نے شیعیان علیؑ کو چن چن کر تہہ تیغ کیا۔ جناب کمیل کی بھی تلاش ہوئی جب آپ کو علم ہوا تو آپ حاضر ہو گئے حجاج نے سخت کلامی کی آپ برابر جواب دیتے رہے اور فرمایا کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا میرے مولا نے مجھے خبر دی ہے اس نے کہا ہاں ضرور قتل کروں گا اور فوراً جلاد کو حکم دیا کہ گردن مار دی جائے چنانچہ اسی وقت جناب کمیل قتل کر دیئے گئے۔ آپ کوفہ میں دفن ہوئے۔

۱۶۔ جناب بلال۔ آپ حبش کے رہنے والے تھے مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے آنحضرتؐ نے آپ کو مسجد نبوی کا موذن مقرر فرمایا چونکہ آپ کی زبان میں لکنت تھی اس وجہ سے قرأت صاف نہ تھی۔ لوگ معترض ہوئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم جس کو چاہو مقرر کر لو خدا کی قدرت دیکھئے کہ شب اتنی طولانی ہو گئی کہ صبح نمودار ہی نہ ہوتی تھی وحی نازل ہوئی کہ جب تک جناب بلال اذان نہ دیں گے صبح نہ ہو گی بالآخر آپ ہی موذن رہے۔ آپ کو اہل بیت سے بیحد محبت تھی۔ اور ہمیشہ اپنے کو اہلبیتؑ سے وابستہ رکھا۔ بعد وفات آنحضرتؐ آپ نے مدینہ کی رہائش ترک کر دی تھی کچھ دنوں بعد آپ خانہ جناب معصومہؑ پر تشریف لے گئے معصومہ نے

نہ آنے کی شکایت فرمائی اور اذان کی فرمائش کی۔ بلال نے اذان دینا شروع کی جناب معصومہؑ پر رقت طاری ہوئی جب آنحضرتؐ کا نام آیا تو جناب معصومہ روتے روتے بیہوش ہوگئیں یہ حال سنکر جناب بلال نے اذان بند کردی۔

مشہور علماء زمانہ شاہی

۱۔ جناب مولانا سید دلدار علی صاحب قبلہ المعروف بہ غفراں مآب

آپ کی ولادت سنہ ۱۱۶۶ھ میں قصبہ نصیر آباد ضلع رائے بریلی میں ہوئی چونکہ قصبہ میں کوئی مدرسہ نہ تھا لہذا آپ قصبہ جائس پیدل روزانہ بغرض تعلیم تشریف لے جاتے تھے اس کے بعد مختلف شہروں میں تعلیم حاصل کی اور بعد کو نواب آصف الدولہ نے آپ کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے عراق بھیج دیا۔ وہاں بڑے بڑے علماء سے درس لیا اور سند اجتہاد حاصل کر کے سنہ ۱۱۹۴ھ میں ہندوستان واپس تشریف لائے اور اپنے وطن میں قیام کیا ایک مسجد تعمیر کرائی اور امام باڑہ بھی بنوایا۔

غفرانمآب جب عراق سے ہندوستان آئے تو سب سے پہلے آپ کی توجہ مذہب شیعہ کی تنظیم کی طرف ہوئی کیونکہ اس وقت تصوف کا رنگ چھایا ہوا تھا۔ چند لوگوں کو چھوڑ کر سارے شیعہ اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پیری مریدی اصل چیز خیال کی جاتی تھی اور یہی نجات کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ غفرانمآب نے اس کی شدت سے مخالفت کی اور اس کی مخالفت میں کئی کتابیں تحریر کیں اور کوشش کر کے شیعوں میں جتنے رسوم صوفی عقائد کے تھے انھیں یک لخت ختم کر دیا اور آپ کی ساری

توجہ علم اصول، فقہ اور کلام پر مبذول ہو گئی اس کے ساتھ تعزیہ داری میں خاص طور سے حصہ لیا۔ لکھنؤ میں عزاداری کا یہ زور شور غفرانمآب ہی کی سعیٔ مشکور اور آصف الدولہ کی توجہ خاص کا خاص نتیجہ ہے قولاً و فعلاً ہر دو عنوان سے تعزیہ داری کو فروغ دیا اور مجالس کا سلسلہ شروع کیا تمام امور شرعیہ کا عملدرآمد بہ آسانی اس کے ذریعہ سے ہونا شروع ہو گیا۔ اور کافی اشاعت ہونے لگی۔ آپ نے ایک امام باڑہ خود تعمیر فرمایا جو اب بھی امام باڑہ غفرانمآب کے نام سے موسوم ہے اور دیگر لوگوں کو ترغیب دی اور اس صورت سے آپ کا مشن ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ اگر یہ کہا جائے تو درست ہو گا کہ ہندوستان میں شیعہ قوم کو صحیح معنوں میں شیعہ کہلانے کا مستحق قرار دیا۔ عوام الناس کو خدا اور رسولؐ کے احکام سے آگاہ کیا شرع کے راستوں پر چلایا۔ عبادت کے طریقوں کو بتایا۔ ضلالت و گمراہی سے بچایا۔ ۱۳ رجب بروز جمعہ سنہ ۱۲۰۰ھ محل نواب حسن رضا خاں میں اور ۲۷ رجب یوم جمعہ کو شیعوں کی پہلی نماز جماعت لکھنؤ میں آپ نے منعقد فرمائی جس کا سلسلہ خدا کا شکر ہے کہ آج تک جاری ہے۔

آپ کا انتقال ۱۹ رجب سنہ ۱۲۳۵ھ میں بہ عمر ۶۹ سال بمقام لکھنؤ ہوا اور اپنے تعمیر کردہ امام باڑہ میں مدفون ہوئے۔

۲۔ جناب مولانا سید محمد صاحب قبلہ المعروف بہ سلطان العلماء

آپ غفرانمآب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے، ۱۷ صفر سنہ ۱۱۹۹ھ کو بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے غفرانمآب کے بعد مسند اجتہاد پر جلوہ افروز ہوئے اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ امجد علی شاہ کو آپ سے بیحد عقیدت تھی اور آپ کو اسی بنا پر قاضی القضاۃ

مقرر کیا گیا تمام اہم مقدمات کا فیصلہ آپ ہی فرماتے تھے۔ آپ کی کوششوں سے بادشاہ نے شیعہ لڑکوں کے لیے ایک مدرسہ قائم کر دیا اور تمام سلطنت میں مفتی بغرض تعلیم مقرر ہوئے۔ ہر امر میں بادشاہ آپ کا مشورہ حاصل فرماتے تھے۔ اور آپ ہی کے مشورہ سے آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی سید محمد باقر صاحب جن کا خطاب صفوۃ العلماء اور منصف الدولہ تھا ان کے متعلق محکمہ دیوانی اور آبکاری ہوا۔ اور آپ کے دوسرے صاحبزادے مولوی سید محمد مرتضیٰ صاحب جن کا خطاب خلاصۃ العلماء تھا ان کے سپرد محکمہ پولیس اور فوجداری ہوا۔ ان حضرات کے علاوہ اور بھی علماء امور سلطنت میں دخیل تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کس قدر قدر و منزلت کی نگاہ سے آپ کو دیکھتا تھا۔

آپ کی وفات ۱۲۸۴ھ میں ہوئی اور امام باڑہ غفرانمآب میں دفن ہوئے آپ کا خطاب سلطان العلما تھا بعد وفات رضوان مآب کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ نے مثل اپنے پدر بزرگوار کے مذہبی امور میں خاص دلچسپی لی۔ اور عزائے حسینؑ کی ترقی میں ہر طرح کی سعی فرمائی۔ آپ کے بعد آپ کے دیگر افراد خاندان کا یہی شعار رہا اور آپ کا خاندان جو خاندان اجتہاد کے نام سے مشہور ہے ہر طرح کی دینی خدمت انجام دیتا رہا اور اب تک بزرگوں کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہے۔

❁

مشہور مجتہدین

ا۔ جناب مولانا سید ناصر حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ

ناصر حسین نام، ابوالفضل کنیت، نجم الدین لقب تھا۔ والد بزرگوار کا اسم گرامی جناب علامہ سید حامد حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کنتور ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے اور مصنف عبقات الانوار وغیرہ۔ ۱۹ جمادی الثانی ۱۲۸۴ھ کو ولادت ہوئی پانچویں سال تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا سولہویں سال مرتبہ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔ حضرت فردوس مآب علامہ کنتوری نے آپ کو انتہائی قابلیت کا حامل سمجھ کر صدر المحققین کا خطاب عطا فرمایا۔ عراق کے مجتہد اعظم سرکار مرزا محمد تقی شیرازی طاب ثراہ نے ناصر الملت کا خطاب عطا فرمایا۔ ۲۲ سال کی عمر میں پدر بزرگوار کے ظل عاطفت سے محروم ہو گئے اور تمام و کمال بار اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ آپ کے قومی۔ مذہبی۔ علمی۔ خدمات تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے مستحق ہیں۔ اپنے ہمعصر علماء و مجتہدین کے اشتراک عمل سے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی تشکیل فرمائی۔ شیعہ کالج۔ شیعہ عربی کالج آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ کے ایسے ادارے قائم کرائے۔ عزائے سید الشہداء کی توسیع مجالس میں ضعیف روائیتوں کے بیان کی ممانعت اور روایات معتبرہ پڑھنے کی تاکید، بزرگان دین و علماء سابقین کے عظیم الشان

کارناموں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش ایسی خدمات ہیں جو کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں ہیں. علم کے ساتھ ساتھ عملی پہلو بھی نہایت روشن تھا قبل میں تمام اہل شہر کے تعزیے کربلائے تالکٹورہ بغرض تدفین جاتے تھے اور وہاں میلہ کی صورت ہوتی تھی جس کو آپ عزائے حسینؑ کے سلسلہ میں غیر مناسب خیال فرماتے تھے آپ نے اس کی اصلاح کی اور یہ صورت نکالی کہ محلہ محلہ دورہ فرمایا اور وہاں پر ماتمی انجمنیں قائم کیں اور ان سے خواہش کی کہ ایام مخصوصہ میں وہ اپنے دستے لے کر ماتم کرتے ہوئے کربلا جائیں. راہ میں کوئی بات جو منافیٔ عزا ہو عمل میں نہ لائیں. آپ اس میں کامیاب ہوئے اور اس کے بعد تالکٹورہ میں جو میلہ کی صورت تھی وہ ختم ہو گئی. صرف ان اشیا کے فروخت کی اجازت دی گئی جن کا تعلق نذر و نیاز سے تھا. اس کا اثر باہر والوں پر یہ پڑا کہ وہ صحیح طور پر عزا سے فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے اپنے مقام سے لکھنؤ پہونچنے لگے. اور یہ سوگوارانہ منظر پورے طور پر کربلا کے پُر غم میدان کی نقشہ کشی کرنے لگا. ہر طرف سے صدائے واحسینا نے احتجاج کے عام طور پر اپنے پرائے سب کو غم خوار بنا دیا. شہادت کے بعد اسیری اہلبیت کا جو دردناک سماں تھا ہو بہو کربلائے تالکٹورہ کا ویسا ہی حسرتناک منظر نظر آنے لگا آپ کی گرانقدر تصانیف بہت کافی ہیں. یکم رجب ۱۳۶۱ھ کو رحلت فرمائی اور نعش کربلائے امین الدولہ میں سونپی گئی بعد کو بڑے اہتمام کے ساتھ ذریعہ اسپشل ٹرین مزار شہید ثالث رح آگرہ پرلے جائی گئی. اور وہاں پھاٹک کے داہنی طرف جو چودھری حاجی سید ارشاد حسین صاحب طاب ثراہ کے بنوائے ہوئے دو کمرے تھے جن کو ایک کر دیا گیا ہے اسی میں

سپرد لحد کی گئی۔ آپ نے رحلت کے وقت دو نامور صاحبزادے چھوڑے تھے جن کے حالات درج ذیل کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان مرحومین نے تمام ان امور پر عمل کیا جو آپ کے جد اعلیٰ اور پدر بزرگوار کے مدنظر رہا کرتے تھے۔

الف۔ مولانا سید محمد نصیر صاحب قبلہ مرحوم و مغفور

آپ سرکار ناصر الملت کے بڑے صاحبزادے تھے اور سرکار نصیر الملت کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کی ولادت ۹ رجب ۱۳۱۲ھ بمقام لکھنؤ ہوئی بے حد قابل تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے جد امجد و والد مرحوم سے حاصل فرمائی اور پھر بغرض تعلیم عراق تشریف لے گئے وہاں سے واپسی پر اپنے والد بزرگوار کے شریک کار رہے مگر کبھی اپنے علم کا اظہار نہ فرمایا البتہ قومی خدمات کے سلسلہ میں بہ اجازت سرکار ناصر الملت نمایاں طور پر سامنے آنے لگے حکومت وقت آپ کی قومی خدمات کے پیش نظر آپ کی طرف قومی معاملات میں رجوع ہونے پر مجبور ہوئی۔ محاذ حسینی کے سلسلہ میں جو امور آپ نے انجام دیئے وہ اوراق تاریخ پر سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے اتنے خدمات ہیں جن کے بیان کے لیے ایک دفتر چاہیئے۔ شیعہ لیڈر کی حیثیت سے سترہ سال تک آپ ایم۔ ایل۔ سی رہے۔ بڑی بڑی کمیٹیوں کے ممبر رہے قومی تمام اداروں میں آپ بحیثیت صدر و سرپرست ممتاز عہدے پر فائز رہے۔ آپ کا انتقال ۱۹ محرم ۱۳۸۶ھ کو بمقام لکھنؤ ہوا ایک سال بعد آپ کی نعش بڑے اہتمام کے ساتھ سرکار سعید الملت کی نگرانی میں آگرہ لے جائی گئی اور آگرہ سے کربلائے معلیٰ بغرض تدفین گئی۔ وہاں پر حکومت کی جانب سے نعش کا استقبال ہوا اور تدفین کے وقت تمام اسلامی ممالک

کے سفیر گورنر، علامہ محسن حکیم دبڑے بڑے جلیل القدر علما، شریک ہوئے۔

ب۔ سرکار سعید الملت قبلہ مرحوم و مغفور

آپ کا اسم مبارک سید محمد سعید المعروف بہ سرکار سعید الملت ناصر الملت اعلی اللہ مقامہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۱۴ء کو بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم بموجب روایت خاندانی اپنے بزرگوں سے حاصل کی اس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی کے علوم مشرقیہ کے امتحانات دیکر سندیں حاصل کیں ۱۹۳۲ء میں بغرض تعلیم عراق تشریف لے گئے۔ اور آقائے رشتی اور آقا ضیاء و علامہ اصفہانی کے درس میں شریک ہوتے رہے اور ۱۹۳۷ء میں اجازہ اجتہاد لے کر ہندوستان واپس ہوئے۔ اور سرکار ناصر الملت کی خدمت میں رہ کر تمام امور انجام دینے لگے۔ آپ کی ذہانت اور قابلیت کے پیش نظر سرکار مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں تمام امور متعلق فرما دیئے تھے پھر بھی آپ تمام اہم مسائل میں بلا مشورہ حاصل کیئے کوئی امر انجام نہیں دیتے تھے۔ سرکار ناصر الملت کے انتقال کے بعد سرکار نصیر الملت نے آپ ہی کو باپ کا جانشین بنادیا اور بے حد احترام و تعظیم کرتے تھے ایک مذہبی پیشوا کی طرح سے ان تمام امور پر عمل کرتے تھے جن کے لیے سرکار سعید الملت فرمایا کرتے تھے آپ مذہبی خدمات کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ قومی ترقیاتی اداروں کے ساتھ بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے ۱۹۳۹ء کے ایجی ٹیشن میں دو بار جیل گئے شہید ثالث کے مزار کی طرف خاص طور پر توجہ رکھی اور پدر بزرگوار نے جو سلسلہ قائم کیا تھا اس میں چار چاند لگا دیئے۔ روضہ شہید ثالث از سر نو آپ ہی کی کوششوں سے شبیہ روضہ ہائے مقدسہ کے مطابق

تعمیر ہونا شروع ہوا، کام پایہ تکمیل کو نہ پہونچا تھا کہ دفعۃً آپ کو تعمیر جنت البقیع کی کوششوں کے لیے سفر دہلی اختیار کرنا پڑا اور صدر جمہوریہ ہند اور وزیر اعظم ہندوستان سے گفتگو کی اور کامیابی کے ساتھ واپس ہو رہے تھے دفعۃً اثنائے راہ میں ۱۱ر جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ کو درمیان ہاپڑ و مرادآباد ٹرین پر داعی حق کو لبیک کہا۔ نعش لکھنؤ لائی گئی ایک بڑے مجمع نے اسٹیشن پر استقبال کیا شریعت کدہ پر ہوتے ہوئے امین الدولہ کی کربلا میں نعش سپرد کی گئی اور ۲۴ر رجب ۸۸ھ کو بڑے اہتمام کے ساتھ آگرہ لے جائی گئی اور وہاں ۲۵ر رجب ۸۸ھ کو اپنے پدر بزرگوار کے پہلو میں یوم شہادت امام موسیٰ کاظمؑ دفن کیے گئے۔ یہ تاریخ دفن اس وجہ سے تجویز کی گئی کہ آپ موسوی سادات میں سے تھے۔ افسوس کہ قوم ایسے متبرک شخص سے جو فقیہہ بھی تھا، عالم بھی تھا، مقرر بھی تھا واعظ بھی تھا خطیب بھی تھا ذاکر بھی تھا کریم النفس بھی تھا مصلح بھی تھا ہمدرد قوم بھی تھا فیض حاصل کرنے سے محروم ہو گئی۔ آپ کی ایک مخصوص خصوصیت یہ تھی کہ باوجود مذہبی معاملات میں سخت ہونے کے آپ کے طرز عمل سے اغیار بھی آپ سے محبت رکھتے تھے افسوس کہ تعمیر مزار شہید ثالث آپ کی حیات میں پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکی اور نہ جنت البقیع کے بارے میں جو سعی فرما رہے تھے اس کا تکملہ ہو سکا آپ کے بڑے صاحبزادے سید علی ناصر سعید المعروف بہ روح الملت جانشین ہوئے اگرچہ آپ کا سن ابھی بیس سال کا ہے مگر ماشاء اللہ، خاندانی روایات کو اجاگر کیے ہوئے ہیں کتب خانہ ناصریہ خاص توجہ کا مرکز ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ذاکری سے بے حد شغف ہے اور اس کمسنی ہی میں اس میدان میں شہرت کے حامل ہو گئے ہیں۔

۲۔ جناب مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

آپ مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ مجتہد المعروف بہ ابو صاحب قبلہ کے صاحبزادے تھے۔ باقر العلوم لقب تھا۔ ۷ صفر ۱۲۸۵ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ آیندہ آپ ایک جلیل القدر عالم ہوں گے سوائے علمی مشاغل کے کوئی دوسرا شغل نہیں رکھتے تھے ۱۲۸۹ھ سے تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا ۱۳۰۱ھ تک لکھنؤ میں مختلف اساتذہ سے تحصیل علم فرمائی فقہ و اصول کی منزلیں اپنے والد ماجد سے طے فرمائیں بیس سال کی عمر میں علم و فضل سے کافی بھرپور ہو کر تکمیل علوم کے لیے عراق تشریف لے گئے۔ بارہ سال تک وہاں تعلیم حاصل فرماتے رہے اس کے بعد صاحب اجتہاد پر فائز ہو کر ہندوستان واپس آئے اور یہاں اپنے والد صاحب قبلہ کی جگہ پر سلطان المدارس میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے اور اس مدرسہ کو رفتہ رفتہ جامعہ کی صورت میں پہونچا دیا اور اس کے لیے ایک نہایت خوبصورت عمارت حسین آباد ٹرسٹ سے بنوائی طلاب کی سہولتوں کا کافی انتظام فرمایا۔

آپ کی ہمہ وقت یہ توجہ رہتی تھی کہ اس ادارے سے بہترین ذاکرین مجلس جو ملک میں و نیز بیرون ملک نام حسینؑ کو روشناس کرائیں اور خدا کے فضل سے آپ اپنے اس مشن میں کامیاب ہوئے۔ کیونکہ ایسے ایسے قابل قدر واعظین و ذاکرین اسی تعلیم گاہ سے نکلے جنھوں نے تمام دنیا میں اپنی درس گاہ اور اساتذہ کو مشہور کیا۔ آپ خود بھی اپنے جاذب قلوب مواعظ میں عزائے حسینؑ کی اشاعت و ترقی کے لیے تلقین فرماتے رہتے تھے اور اپنے ہمعصر علماء کے ساتھ خدمات دینی میں منہمک رہتے تھے اور اہم سے اہم

معاملات میں مفید ترین مشورے دیا کرتے تھے نام و نمود کو بالکل پسند نہ فرماتے تھے. خاموش زندگی گذارنے کے عادی تھے. ریاضت نفس، زہد و تقویٰ. خضوع و خشوع. صبر و تحمل کے بادشاہ تھے. یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری، مساکین کی حاجت روائی، طلاب علوم دینی کی کفالت آپ کے خاص خصوصیات میں تھے اہلبیت طاہرینؑ کی تاسی کا کامل ترین نمونہ تھے جو حضرات زیارت سے مشرف ہوتے تہذیب ائمہ ان کے پیش نگاہ ہو جاتی. پردہ ہائے شب میں عبادت الٰہی کرنا، گریہ و زاری میں شب بسر کرنا درد مند کو دیکھکر متاثر ہونا یہ آپ کے خاص خصوصیات تھے تمام عمر لکھنؤ میں رہ کر دینی خدمت انجام دی. مرنے کے لیے کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے یہ بھی پدر بزرگوار سے وراثت ملی تھی آپ کا انتقال ۱۶ر شعبان ۱۳۴۶ھ یوم پنجشنبہ کو کربلائے معلیٰ میں ہوا اور حجرہ نواب نوازش علی خاں میں اپنے پدر بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے جو روضۂ امام حسینؑ میں در زینبیہ سے متصل ہے. جناب کے انتقال کے وقت آپ کے بڑے صاحبزادے جناب مولوی سید محمد صاحب قبلہ مجتہد عراق میں تحصیل علم فرما رہے تھے. فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہندوستان آکر اپنے والد ماجد کی جگہ سلطان المدارس کے پرنسپل ہوئے اور اس وقت تک یہ فرائض اس حسن و خوبی سے انجام دے رہے ہیں کہ اکابرین ثنا خواں نظر آتے ہیں اور اس وقت بھی جامعہ سلطانیہ کی روح رواں جناب ہی کی ذات ہے. آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے چھوٹے بھائی جناب مولوی سید علی صاحب قبلہ پرنسپلی کے فرائض انجام دیتے ہیں. اس کل خاندان کی توجہ ہمیشہ ترقی عزائے حسینؑ کی طرف مبذول رہتی ہے. جناب باقر العلوم کے انتقال کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی ہادی الملت

جناب مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ عارضی طور سے مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے اور جب جناب مرحوم کے بڑے صاحبزادے مولانا سید محمد صاحب قبلہ عراق سے تکمیل علوم کر کے ہندوستان تشریف لائے تو آپ نے اپنی بزرگانہ محبت اور دین دارانہ سیرت سے آپ کی موروثی جگہ آپ کے حوالے کر کے خود نائب مدرس اعلیٰ کے فرائض انجام دینے لگے کافی عرصہ تک اس جگہ پر کام کیا اس کے بعد عراق تشریف لے گئے اور وہیں پدر بزرگوار اور برادر نامدار کی طرح انتقال فرمایا اور نجف اشرف میں باب طوسی کے متصل حجرہ آغا سید محمد فیروز آبادی میں دفن ہوئے۔ جناب ہادی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے تین صاحبزادے تھے جس میں سب سے بڑے جناب مولانا سید احمد صاحب قبلہ ہیں جو پہلے سلطان المدارس میں مدرس تھے اور اب پنشن ہو گئی ہے۔ دوسرے صاحبزادے جناب مولوی سید محمد حسن صاحب قبلہ مجتہد جو پدر بزرگوار کی جگہ پر نائب مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دینے لگے آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی محمد مہدی صاحب جو نجف اشرف میں بغرض تعلیم مقیم تھے۔ وہاں ان کا انتقال مارچ ۱۹۴۹ء میں ہو گیا آپ پر اس سانحہ عظیم کا بے حد اثر ہوا اور بغرض تسکین قلب عراق تشریف لے گئے اور خیال تھا کہ جلد واپس آئیں گے مگر آپ کو اس قدر سکون وہاں حاصل ہوا کہ وہیں مستقلاً بود و باش اختیار کر لی وہاں کے مخصوص علماء میں شمار کئے جاتے ہیں حرم محترم کے اندر نماز جماعت پڑھاتے ہیں جو وہاں کا بہت بڑا اعزاز خیال کیا جاتا ہے۔ آپ کے عراق تشریف لے جانے کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی جناب مولوی سید محمد حسین صاحب قبلہ مجتہد آپ کی جگہ پر نائب مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے

چند سال اسی جگہ پر کام کیا اس کے بعد علیل ہو گئے اور آپ کی جگہ پر آپ کے بڑے صاحبزادے جناب مولوی سید محمد صادق صاحب قبلہ مقرر ہوئے جو اس وقت تک فرائض منصبی انجام دے رہے ہیں۔ جناب مولوی سید محمد حسین صاحب قبلہ کا ۲۴/ جمادی الاول ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۱/ ستمبر ۱۹۶۵ء یوم سہ شنبہ کو انتقال ہوا اور امام باڑہ جناب غفرانمآب میں دفن ہوئے اور اسی امام باڑہ میں ۲۸/ اکتوبر ۱۹۶۵ء یوم یکشنبہ کو چہلم کی مجلس ہوئی۔ آپ کی جانب مومنین شہر و بیرونجات کا رجحان بے حد تھا اور دینی مسائل زیادہ تر لوگ آپ ہی سے دریافت کرتے تھے۔

۲۔ جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد

آپ کی ولادت ۱۲۸۰ھ میں ہوئی آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید اکبر حسین صاحب تھا جو امروہہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کے پدر بزرگوار نے آپ کو باکمال اساتذہ کے سپرد کیا سب نے آپ کی ذہانت دیکھکر آپ کی تعلیم پر خاص توجہ فرمائی اور آخر میں جناب مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ مجتہد سے تعلیم حاصل کی۔

جناب مفتی صاحب ایسے جلیل القدر عالم آپ کی بڑی توقیر کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کو اپنا داماد بنا لیا اور مفتی صاحب کے بعد آپ ان کے جانشین قرار پائے۔ آپ میں ادبی قابلیت اور انتظامی صلاحیت بہت کافی موجود تھی آپ دینی خدمات اور تبلیغ مذہب میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے گورنمنٹ برطانیہ نے آپ کے اعزاز میں آپ کو "شمس العلماء" کا خطاب دیا اور حاضری عدالت سے مستثنیٰ کیا آپ نے اشاعت مذہب و تعلیم کے لیے

مدرسۃ الواعظین۔ مدرسہ ناظمیہ۔ انجمن موید العلوم ایسے مفید ادارے قائم کئے الواعظ اور مسلم ریویو ایسے مقتدر رسالے واعظین سے نکالے جس کی وجہ سے تبلیغی کام کی انجام دہی میں بے حد مدد ملی مدرسۃ الواعظین ایسا مفید ادارہ ہے جس نے ہزاروں ذاکرین اور واعظین تیار کر دیئے۔ جو ہندوستان اور افریقہ کے ہر گوشہ میں تبلیغی کام انجام دے رہے ہیں اور اس سے قوم کو بے حد فائدہ پہونچا۔ اور ماشاء اللہ آج بھی یہ ادارہ اپنے فرائض بہ حسن و خوبی پورے کر رہا ہے اور اپنے بانیان کی ارواح کو مسرور اور قوم کو شاد کیے ہوئے ہے۔ کیونکہ اس نے گوشہ گوشہ میں شیعیت کو پہونچایا اور ناواقف لوگوں کو مذہب امامیہ سے روشناس کرایا۔ شیعہ کانفرنس کے کئی بار آپ صدر مقرر ہوئے اور اپنی طرف سے یہ عہدہ رؤسائے ملت کی طرف منتقل کر دیا۔ آپ بڑے زاہد، متقی، عالم باعمل تھے عبادت کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ جب آنکھوں میں موتیابند کا پانی اتر آیا اور تلاوت کلام پاک و قرات ادعیہ سے معذور ہو گئے تو ایک شخص کو مقرر فرمایا کہ وہ تلاوت قرآنی اور دعائیں پڑھکر آپ کو سنائے اور آپ اس کو برابر پڑھا کرتے تھے۔ عشرہ محرم میں اکثر اپنے امام باڑہ میں خود ذاکری فرماتے تھے جس میں خوش کن جملے کم ہوتے تھے عذاب جہنم کا تذکرہ زیادہ ہوتا تھا اور نواہی سے برات کرنے کے متعلق دہشت انگیز الفاظ کے ساتھ تلقین کرتے تھے اور بہت گریہ فرماتے تھے جس سے سامعین پر کافی اثر ہوتا تھا مدح صحابہ اور تبرا کا جھگڑا ہوا اور السپ کمیٹی کے سامنے آپ کا بیان ہوا تو لائق ممبران کمیٹی آپ کے بیان سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کی قابلیت کا لوہا مان گئے باوجود انتہائی کوشش کے جرح میں کہیں سے کوئی خامی پیدا نہیں

ہونے پائی اور ایک لفظ کی بھی گرفت نہ ہوسکی جس دن آپ کا بیان ہونے والا تھا اس دن قوم کے لوگ بڑی بے چینی کے ساتھ خدا سے لو لگائے ہوئے بیٹھے تھے اور سرکار ناصر الملت امام باڑہ غفرآنماب میں الحاح وزاری سے آپ کی کامیابی کے لیے دعا میں مشغول تھے عجب اتفاق ہے کہ جس دن آپ کا بیان ہونے والا تھا اس دن آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی وکلاء صاحبان کی رائے ہوئی کہ میڈیکل سرٹیفکٹ داخل کرکے آیندہ کے لیے تاریخ لے لی جائے مگر جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں تو دینی خدمت کرنے کے لیے پیدا ہوا ہوں بیماری مانع نہیں ہوسکتی ہے چنانچہ اسی حالت میں آپ کا بیان شروع ہوا اور ایسے ایسے لاجواب جوابات دیئے کہ جن کی تعریف لفظوں میں ممکن نہیں اور آج تک لوگ اس بیان کو یاد کرتے ہیں آخر وقت تک آپ دینی خدمات کے سرانجام دینے میں منہمک رہے اور بتاریخ ۱۷ صفر ۱۳۶۱ھ داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور مدرسۂ ناظمیہ کے ایک حجرہ میں دفن کیے گئے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے ایک مولوی سید محمد صاحب قبلہ اور دوسرے مولوی سید محمد کاظم صاحب قبلہ یہ دونوں حضرات آپ کے فضل وکمال کے درخشاں شمس وقمر تھے۔ بڑی محنت کے ساتھ آپ نے اپنے ان دلبند جگر گوشوں کو تعلیم دی تھی اور باکمال بنایا تھا مگر افسوس کہ وہ اپنے جوہر علمی کو دکھانے کا موقع نہ پاسکے اور عین شباب کے عالم میں راہی جنت ہوگئے اس وقت جناب مرحوم کا صبرو استقلال دیکھنے کے قابل تھا ان دونوں مرحومین کی اولادیں اس وقت بھی ماشاءاللہ موجود ہیں اور فرائض دینی ادا کررہی ہیں۔

*

۴۔ جناب مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ

لقب قدوۃ العلماء۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے سن شعور کو پہنچ کر اپنے خاندانی اثرات اور اس کے ماحول کی بنا پر شائق تحصیل علم نظر آنے لگے خاندانی علماء اور فضلاء سے تکمیل علوم فرمایا اس کے بعد عراق تشریف لے گئے اور وہاں سے بھی فارغ ہو کر لکھنؤ تشریف لائے اور اپنے چشمہ علوم سے تشنہ کامان علم کو سیراب کرنے لگے قومی خدمات کی طرف فطرتاً لگاؤ تھا۔ نہایت منکسر مزاج تھے لباس و طعام میں بڑی سادگی تھی قومی ہمدردی کا جذبہ بہت نمایاں تھا۔ بڑے عبادت گزار تھے ہر دردمند کی حالت سے بہت جلد متاثر ہو جاتے تھے اور امکانی سعی اس کی بہبودی کے لیے صرف فرماتے تھے شریعت کدہ حاجت مندوں سے بھرا رہتا تھا کسی کو اس شکایت کا موقع نہیں ملتا تھا کہ اس کی طرف اعتناء نہیں کی گئی۔ نہایت کشادہ پیشانی اور بڑی محبت کے ساتھ ہر شخص سے ملاقات فرماتے تھے جس کا گہرا نقش دلوں پر بیٹھ جاتا تھا آپ کی سیرت مبارکہ ائمہ طاہرین کی سیرت مقدسہ کی آئینہ دار تھی۔ آپ بیواؤں اور یتیموں لاچار و بیکسوں کی حتی الامکان امداد میں منہمک رہتے تھے۔ اپنی راحت و آرام پر ان کی آسودگی کو مقدم کرتے تھے۔ رات کے سناٹوں میں ضرورت مندوں کو ضروریات زندگی پہنچایا کرتے تھے جس میں کوئی دوسرا معین نہیں ہوتا تھا خود بہ نفس نفیس سامان اپنے کاندھوں پر اٹھا کر لے جاتے تھے۔ پانیوالوں کو زندگی میں اس کا بہت کم علم ہو سکا کہ وہ آپ کے ہاتھوں سے پا رہے ہیں۔ یہ راز انتقال کے بعد کھلا ضعفاء اور پردہ نشین لاوارث عورتوں کی خدمتیں بھی بجالاتے رہتے تھے بازار سے سب کا سودا وغیرہ خرید کر عبا کے دامن میں رکھے ہوئے بغل میں دبائے ہوئے بڑی،

انکساری کے ساتھ لوگوں تک پہونچادیا کرتے تھے۔ مسجد آصفی میں حسین آباد ٹرسٹ کی جانب سے امام جمعہ و جماعت تھے نماز جمعہ کے بعد اکثر نہایت پراثر مواعظ فرمایا کرتے تھے ترویج عزاداری کو اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھتے تھے وعظ کے بعد مصائب کے الفاظ ضرور استعمال کرتے تھے خود بھی روتے تھے اور دوسروں کو بھی رولاتے تھے تعزیہ داروں کی، دشواریوں کو دور کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے تھے امام باڑہ آصفی کی مجلسوں کو کامیاب تر بنانے میں کوشاں رہتے تھے انجمنہائے ماتمی کی تنظیم و توسیع کا بھی خاص لحاظ فرمایا کرتے تھے بیت المال کا عشرہ بسلسلہ عزائے جنت البقیع ایسا شاندار قائم کر گئے کہ جو آج تک ان کے خلوص نیت کے باعث سال بسال ترقی ہی کرتا جارہا ہے شیعہ کانفرنس آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے عالم وجود میں آئی یہ قومی شیرازہ بندی اور فلاح و بہبود کا بہترین ادارہ قائم فرمایا جس سے قوم دینی و دنیوی دونوں ترقیاں حاصل کر سکتی ہے جس کے ذریعہ سے عزاداری کے بہت اُلجھے ہوئے مسئلے روبہ اصلاح ہو گئے اس کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ عزائے حسینی سے شغف اور اس کی اشاعت میں سعی کا روشن ثبوت آپ کے لائق صاحبزادے عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کا ناقابل انکار انہماک عزاداری ہے جس کا ذکر موصوف کے حالات زندگی میں کیا گیا ہے۔ آپ کا انتقال ۷ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ میں ہوا اور امام باڑہ غفرانمآب میں دفن ہوئے۔

۵۔ مولوی سید کلب حسین صاحب قبلہ المعروف مولوی کبّن صاحب

آپ خاندان اجتہاد کی قابل فخر فرد تھے آپ کی ولادت بمقام جوہری

محلہ لکھنؤ ۶ شعبان ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۸۹۴ء کو ہوئی اور ۹ جمادی الاول ۱۳۸۳ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو لکھنؤ میں وفات ہوئی۔
آپ کے والد ماجد قدوۃ العلماء جناب مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد تھے جو اپنے عہد کے مقتدر مجتہدوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کی تعلیم کا آغاز گھر ہی سے ہوا جس کے بعد سلطان المدارس سے فارغ التحصیل ہو کر عراق تشریف لے گئے وہاں سے واپسی کے بعد اپنے پدر بزرگوار کے جانشین مقرر ہوئے اور امام جمعہ مسجد آصفی قرار پائے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ نے واعظ کہنا شروع کیا اور یہیں سے آپ کی ذاکری کی بنیاد قائم ہوئی محراب سے منبر پر پہونچے اور اس خوش اسلوبی سے ذاکری کو اپنایا کہ ہر شخص آپ کا گرویدہ نظر آنے لگا آپ کے بیان میں خاص خصوصیتیں تھیں آپ کے جملے نہایت سلیس برمحل اور آسان ہوا کرتے تھے جس کی وجہ سے لطف زبان کافی حاصل ہوتا تھا منبر پر متانت کا یہ عالم تھا کہ کوئی غیر معمولی انداز پیدا نہیں ہونے پاتا تھا ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے بات چیت فرما رہے ہیں آغاز کا یہ انداز تھا کہ از ابتدا تا انتہا ایک ہی صورت پر قائم رہتی تھی شور گریۂ مجلس آپ کی آواز پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں آپ کو مقبولیت عام حاصل تھی۔ ہر ہر دیہات اور قصبوں اور شہروں سے آپ کو دعوت دی جاتی تھی اور آپ خندہ پیشانی کے ساتھ اخلاق عمومی سے ہر مقام پر پہونچنے کی کوشش فرماتے تھے اور جہاں تشریف لے جاتے تھے اپنی سادگی مزاج کی بناء پر کسی کے لیے بار نہیں ہوتے تھے۔ ہر شخص اپنی کمی خدمت کا معترف نظر آتا تھا امام جمعہ ہونے کی حیثیت سے مذہبی امور کا مرکز بنے ہوئے تھے عوام اور خواص ہر شخص آپ کی طرف

رجوع کرتا تھا حکومت وقت امور مذہبیہ میں آپ کی رائے حاصل کرتی تھی مذہب کے معاملہ میں آپ رو رعایت نہیں فرماتے تھے۔ مسافروں کے لیے آپ کا شریعت کدہ ہر وقت کھلا رہتا تھا کوئی سائل آپ کے در سے محروم نہیں پھرتا تھا کچھ نہ کچھ اعانت ضرور فرمایا کرتے تھے جس طرح امراء سے ملتے تھے وہی طریقہ غرباء کے ساتھ تھا خلق عام آپ کا آبائی شعار تھا لکھنؤ میں کہیں بھی خوشی یا غم کی تقریب کیوں نہ ہو اگر اس میں آپ مدعو ہیں تو ضرور شرکت فرماتے تھے اور سب کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے لباس نہایت سادہ غذا بہت معمولی ہوتی تھی عابد شب زندہ دار تھے محراب و منبر دونوں کی زینت تھے زندگی میں آپ کی ہر دلعزیزی اتنا محسوس نہیں ہو سکی جتنی مرنے کے بعد ظاہر ہوئی آپ کے جنازہ کے ساتھ زن و مرد کا شور گریہ و بکا کے ساتھ جتنا مجمع دیکھا گیا سن رسیدہ حضرات کا بیان ہے کہ ایسا مجمع کبھی اور نہیں دیکھا گیا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جو شریک غم نہ ہوا ہو آپ کی اس شہرت کا بہت بڑا راز شام غریباں کی ایجاد اور اس کی ذاکری ہے جو تمام عالم میں ریڈیو کے ذریعہ نشر ہوتی ہے اور اس کو سب سے روشناس کرا دیا آپ بہت سے اوقاف کے متولی بھی تھے دینی خدمات میں آپ کا انہماک نمایاں حیثیت رکھتا تھا خصوصاً تعزیہ داری کی اشاعت میں آپ کافی حصہ لیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی یادگار اپنا مثل اپنے بڑے صاحبزادے جناب مولوی کلب عابد صاحب قبلہ کو چھوڑا جنھوں نے جانشینی کے فرائض اس طرح سے انجام دیئے کہ مولانا مرحوم کی مفارقت کا غم تو ضرور ہوا مگر جو امور آپ سے متعلق تھے اس میں کوئی کمی محسوس نہ ہو سکی آپ کے اور بھی صاحبزادگان ہیں جن میں مولوی

سید کلب صادق صاحب قبلہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ جو ذاکری بھی خوب فرماتے ہیں اور موجودہ زمانہ کی نزاکتوں کا خیال رکھتے ہوئے اس کو اپنے بیان میں نہایت خوبصورتی سے سمو دیتے ہیں۔

۶۔ جناب مولانا مفتی سید احمد علی صاحب قبلہ مجتہد۔

آپ مولانا مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے تھے لکھنؤ میں ۱۸۸۴ء میں ولادت ہوئی عالم طفلی میں باپ کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ جناب نجم الحسن صاحب قبلہ نے اولاد کی طرح سے آپ کی پرورش و تعلیم و تربیت میں بے حد سعی فرمائی لکھنؤ میں چند سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ اپنی والدہ معظمہ کے ساتھ عراق تشریف لے گئے اور گیارہ سال وہاں مقیم رہ کر افاضل علماء سے تحصیل علم فرمایا اس کے بعد سند اجتہاد لے کر وطن واپس تشریف لائے جناب نجم الملت قبلہ نے مدرسہ سید المدارس امروہہ ضلع مرادآباد میں مدرس اعلیٰ مقرر کرا دیا وہاں کچھ عرصہ تک آپ نے فرائض منصبی کو بڑی خوبی سے انجام دیا بعد کو حسب منشاء سرکار نجم الملت امروہہ سے مستعفی ہوگئے اور مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں جناب نجم الملت نے اپنا نائب مقرر کر دیا اور بعد وفات نجم الملت آپ مدرسہ ناظمیہ کے مدرس اعلیٰ مقرر ہوگئے جس کو آپ نے آخر وقت تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا باوجود شدید مالی مشکلات اقتصادی رکاوٹوں کے ہمت سے کام لے کر مدرسہ کے اخراجات کے لیے کسی نہ کسی عنوان سے سرمایہ فراہم ہی فرماتے رہے اور مدرسہ کے وقار پر کسی طرح کی آنچ نہ آنے دی۔ آپ کی ساری زندگی درس و تدریس میں گذری فقہ میں آپ کا بہت بڑا درجہ تھا اصول فقہ کی تعلیم بڑی روانی سے دیتے تھے۔ فقہ میں دسترس کامل رکھنے کے

سبب سے مفتی اعظم کے ممتاز لقب سے شہرت پائی عربی شاعری میں بھی آپ کو بڑی دستگاہ حاصل تھی بڑی روانی سے اشعار کہتے تھے ۶ر مارچ ۱۹۶۹ء یوم پنجشنبہ کو انتقال فرمایا اور مدرسہ ناظمیہ میں اپنے استاد و مربی جناب نجم الملت قبلہ مرحوم کے قریب دفن ہوئے۔ آپ کے پدر بزرگوار جناب مولانا مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ مرحوم ہندوستان کے عظیم مجتہد اور باکمال عالم تھے اپنے عہد میں اپنی نظیر آپ ہی تھے ممدوح کی خوبیوں اور صفات حمیدہ کا تذکرہ مختصر لفظوں میں نہیں کیا جا سکتا ہے آپ کی تصانیف آپ کی علمی جلالتوں کا نمونہ ہیں۔

جناب مولانا مفتی سید محمد علی صاحب قبلہ آپ کے بڑے بھائی تھے جو کافی عرصہ تک شیعہ عربی کالج لکھنؤ کے پرنسپل رہے نہایت قابل قدر بزرگ تھے اور اپنے پدر بزرگوار کے محاسن کا پرتو تھے آپ کے دو صاحبزادے جناب مولانا طیب آغا صاحب قبلہ جو اس وقت پاکستان میں دینی خدمت بعد فراغت تعلیم نجف اشرف انجام دے رہے ہیں دوسرے صاحبزادے جناب طاہر آغا صاحب مرحوم تھے جن کا عین عالم شباب میں انتقال ہو گیا۔ یہ مفتی احمد علی صاحب قبلہ کے زیر تربیت تھے اس سانحہ کا اثر جناب مفتی اعظم پر بے حد ہوا مگر صبر و استقلال کے ساتھ آپ نے اس صدمہ کو برداشت کیا۔ چونکہ آپ کے اولاد ذکور میں سے کوئی نہ تھا اس لیے مفتی اعظم جناب طاہر آغا مرحوم کو مثل اپنے بیٹے کے رکھتے تھے۔

۷۔ جناب مولانا سید ظہور الحسن صاحب قبلہ مجتہد

پدر بزرگوار کا نام میر فرزند علی صاحب قبلہ تھا ۱۲۸۴ھ میں موضع میرانپور ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ منصبیہ میرٹھ

میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد لکھنؤ میں مختلف اساتذہ سے تحصیل علم کیا۔ مدرسہ عالیہ محمود آباد میں کافی عرصہ تک مدرس اعلیٰ رہے اس کے بعد ریاست رام پور و حیدرآباد میں علمی خدمات انجام دیئے شرائع الاسلام جو ایک فقہ کی کتاب ہے اس کا اردو میں ترجمہ کیا لکھنؤ کے تمام مدارس کے ممتحن تھے ہر وقت درس و تدریس کا مشغلہ رہتا تھا آپ کے مشہور تلامذہ میں مولوی محمد رضا صاحب قبلہ مرحوم تھے جنھوں نے ذاکری میں کافی شہرت حاصل کی یہ صرف آپ کی توجہ خاص کا نتیجہ تھا آپ کے علاوہ اور بھی بہت سے شاگرد تھے جن میں مولوی فرمان علی صاحب قبلہ بھی ہیں جنھوں نے کلام مجید کا ترجمہ فرما کر قوم کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی اور اس کی وجہ سے ذاکرین کو مجالس کے پڑھنے میں بے حد مدد ملنے لگی آپ کے جس قدر مواعظ ہوتے ان کے آخر میں آپ ذکر شہادت امام حسینؑ ضرور بیان فرماتے اور بیحد گریہ کرتے تھے عربی میں مرثیہ بھی کہتے تھے جو اہل علم کی دلچسپی کے لیے ایک بڑی چیز تھی آپ کی وفات یکم ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ بمقام لکھنؤ ہوئی اور نعش کچھ دنوں تک سونپی رہی اس کے بعد کربلا لے جائی گئی اور روضۂ امام حسینؑ میں دفن ہوئی۔

مشہور ذاکرین

۱۔ مولوی شیخ مقبول احمد صاحب دہلوی

پیدائش ۱۸۷۰ء بمقام دہلی وفات ۲۴ نومبر ۱۹۲۱ء بمقام دہلی والد کا نام پیرجی غضنفر علی تھا جو سنی المذہب تھے آپ نے ابتدائی تعلیم عربک اسکول

دہلی میں حاصل کی آپ بے حد ذہین تھے جس کو ایک بار دیکھ لیا یا مطالعہ کر لیا اس کو کبھی بھولتے نہ تھے سولہ سال کی عمر میں انٹرینس کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۹ء میں انٹرمیجیٹ کا امتحان اول درجہ میں کیا اس کے بعد ریاست پنڈراول میں پرائیوٹ سکریٹری مقرر ہوئے۔ علمی قابلیت بہت کافی تھی کتب بینی کا ذوق بھی ساتھ ہی ساتھ تھا لہذا کتب اسلامیہ کا مطالعہ شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے مذہب اثنا عشری قبول کر لیا اور تحقیقات کو موضوع کلام بنا کر مجلسیں پڑھنا شروع کیں اور میدان مناظرہ کے فاتح شہسوار ثابت ہوئے بجا بجا بیان میں مزاحیہ چاشنی نے آپ کے بیان کو جاذب قلوب بنا دیا اور آپ اس رنگ کے موجد قرار دیائے جب آپ لکھنؤ میں مجلسیں پڑھنے کے لیے تشریف لائے تو اہالیان لکھنؤ نے اپنے قدردان ہونے کا ثبوت پیش کیا اور دلچسپی کے ساتھ آپ کی مجالس کو رونق دینا شروع کیا جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ پرانی کتابی ذاکری کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہو گئی اور ایسے ذاکروں کی مجلسیں آپ کے مقابلہ میں پھیکی پڑنے لگی اور عام مرجعیت آپ کی طرف ہو گئی اسی درمیان میں آپ کو قرآن پاک کا ترجمہ کرنے کا شوق پیدا ہوا جس کو آپ نے بہ احسن وجوہ انجام دیا جو اپنی مقبولیت عام کی بنا پر "مقبول ترجمہ" کے نام سے مشہور ہے جو امور ترجمہ میں واضح نہ ہو سکے تھے ان کو آپ نے ایک ضمیمہ کی شکل میں جو تفسیری شان رکھتا ہے مرتب فرمایا۔

آپ نے بعد اپنے اپنا سچا جانشین جناب مولوی سید محمد صاحب قبلہ دہلوی کو چھوڑا جن کے سبب سے آپ کی یاد آج بھی تازہ ہے تقسیم ہند کے بعد مولوی سید محمد صاحب پاکستان منتقل ہو گئے اور کراچی میں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے وہاں بھی آپ کا رنگ بے حد پسندیدہ ہے اگرچہ بمقابلہ دہلی

دلکھنؤ کے وہاں زمانہ کی افتاد کے مطابق آپ کو بہت کچھ بیان میں احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ باوجود اس معذوری کے بھی آپ کا کمال یہ ہے کہ آپ نے اپنے مذاق کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

۲۔ مولوی سید سبط حسن صاحب قبلہ

آپ کی پیدائش نصیرآباد ضلع رائے بریلی میں ہوئی آپ کے والد کا نام سید وارث حسین صاحب تھا آپ نے سلطان المدارس سے صدر الافاضل اور مدرسہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کی سندیں حاصل کیں سب سے پہلے آپ کو انجمن جلاء الایمان نے دعوت ذاکری دی جس زمانہ میں مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی کا زور وشور لکھنؤ میں تھا تو اس وقت اگر لکھنؤ کے مقتدر ذاکرین کسی مجلس میں بیان فرمانے والے ہوتے تھے اور اسی وقت مقبول احمد صاحب کا بیان شہر میں ہونے والا ہوتا تھا تو تمام لوگ دہلوی صاحب ہی کی مجلس میں چلے جاتے تھے اس لیے آپ نے اپنی ذاکری کو ایسا عام پسند بنانا چاہا کہ موجودہ صورت حال شہر لکھنؤ کی مجالس میں باقی نہ رہنے پائے آپ اپنے اس ارادے میں نہایت شاندار طور سے کامیاب ہوئے اب آپ کی مجلسوں کو اہل شہر بڑے ذوق وشوق سے سننے لگے اور جو درجہ میر انیس کو مرثیہ میں حاصل ہوتا تھا وہی درجہ آپ کو نثر میں اپنے ہمعصر ذاکرین کے مقابلہ میں حاصل ہو گیا۔ آپ کے بیان میں شیرینی فصاحت بلاغت، تاریخی نکات، مناظرانہ استدلال، برجستگی، مضامین کی آمد بہت دلکش و دل نشین ہوتی تھی۔ الفاظ کی فصاحت کے ساتھ ساتھ انداز بیان بھی جاذب قلوب ہوتا تھا اور مجلس پر ایسا قابو حاصل تھا کہ جب چاہتے تھے ہنسا دیتے تھے اور جب چاہتے تھے رلا دیتے تھے کتنے ہی اسباب

ناموافق کیوں نہ ہوں مگر ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ آپ اپنے کمال سے مجلس کا رنگ جما نہ لیتے ہوں مجلسوں کی ذاکری کے علاوہ پبلک جلسوں میں بھی آپ بہترین مقرر ثابت ہوتے تھے اکثر شیعہ کالج کے جلسوں کے ذیل میں جس میں بڑی بڑی ذی علم مقتدر ہستیاں شریک ہوتی تھیں اور اراکین حکومت بھی مدعو ہوتے تھے دفعتاً آپ کو تقریر کی دعوت دی جاتی تھی مگر اس کا احساس بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ پہلے سے تیار نہ تھے یہ آپ کا بڑا کمال اور خصوصیت تھی۔ آپ کے مقبول عام ہونے کی بنا پر برٹش گورنمنٹ نے آپ کو "شمس العلما" کا خطاب عطا کیا تھا آپ مدرسۃ الواعظین ایسے جلیل القدر اور مشہور ادارے کے پرنسپل مقرر کیے گئے عشرہ محرم میں کبھی آپ بیرون شہر تشریف نہیں لے گئے اور لکھنؤ ہی میں شیخ علی عباس صاحب وکیل اور چھوٹی رانی صاحبہ محمود آباد اقبال منزل کے یہاں عشرہ محرم کی مجالس پڑھا کرتے تھے۔ اہل لکھنؤ آپ کی اس وضعداری سے بیحد متاثر تھے اور آپ کو بہت محبوب رکھتے تھے آپ کے تصنیفات بھی آپ کے جوہر کمال کا نمونہ ہیں۔ ایک مثنوی جو آپ نے اپنے سفر عراق کے سلسلہ میں نظم فرمائی ہے وہ اپنی آپ مثال ہے اور سحر البیان مثنوی سے فوقیت لے گئی ہے مگر افسوس کہ اس وقت تک طبع نہ ہو سکی آپ کو اپنی اولاد کو تربیت دینے کا موقع حاصل نہ ہو سکا۔ حالانکہ آپ کے بعد آپ کی اولاد نے مختلف علمی اصناف میں اچھا نام و نمود حاصل کیا۔

دنیا عجب مقام ہے جہاں قدرداں ہوتے ہیں وہاں ناقدر اور دشمن بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ آپ کی بڑھتی ہوئی ترقی کو دیکھکر کچھ لوگوں نے سازش کر کے آپ کو کوئی ایسی مضر چیز کھلادی جس کا اثر آپ کی آواز اور دماغ

پر پڑ گیا اس کے بعد گو علاج سے صحت حاصل ہو گئی مگر پہلی سی بات باقی نہیں رہ گئی۔ ۲۸ محرم ۱۳۵۴ھ کو انتقال فرمایا اور امام باڑہ غفرانمآب میں دفن ہوئے۔

۳۔ مولوی سید محمد رضا صاحب مرحوم

آپ کی پیدائش شمس پور ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی ابتدائی تعلیم مولوی ناصر علی صاحب جونپوری نے دی اس کے بعد بغرض تکمیل تعلیم لکھنؤ سلطان المدارس میں داخل ہوئے اور یہیں سے صدر الافاضل پاس کیا بعد کو سلطان المدارس ہی میں معلم معقولات ہو گئے اسی درمیان میں ذاکری بھی شروع کر دی جو صاحبان علم میں بے حد مرغوب ہوئی کیونکہ بیان فلسفیانہ اور منطقیانہ استدلال سے لبریز ہوتا تھا جس مسئلہ کو اٹھاتے تھے نہایت ہی خوبی کے ساتھ ثابت فرماتے تھے مولوی ظہور الحسن صاحب قبلہ مجتہد سے علاوہ سلطان المدارس کے درس حاصل فرماتے تھے جس کی وجہ سے بیان بے حد ادق ہوتا تھا اور عام فہم نہ تھا مگر پھر بھی عوام کو کافی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اور کوشش کرتے تھے کہ بیان کو سمجھیں۔ اپنے رنگ ذاکری میں آپ بے نظیر خیال کیے جاتے تھے اور آپ کے عہد کے اکابر علما آپ کے ہمعصروں میں آپ کو افضل سمجھتے تھے آپ ذاکری کے سلسلہ میں دہلی عشرہ محرم پڑھنے کے لیے چودھری حاجی سید ارشاد حسین صاحب مرحوم کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور آخر وقت تک وہیں ذاکری کرتے رہے اگرچہ درمیان میں بڑے بڑے روسا نے کوشش کی کہ عشرہ محرم میں ان کے یہاں بیان فرمائیں مگر آپ نے اپنی وضعداری کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا بعض جگہ سے دعوت نامے معہ رقم کثیر کے آئے مگر کوئی التفات اس کی طرف نہ فرمایا یہ سب آپ کے

حسن سیرت کے جلوے ہیں آپ کا بیان سننے کے لیے دور دور سے لوگ عشرہ محرم میں آیا کرتے تھے اور چودھری صاحب موصوف کے مہمان ہوتے تھے۔ آپ کا انتقال ۲۲ر جمادی الآخر ۱۳۴۰ھ بمقام لکھنؤ ہوا اور امام باڑہ غفرانمآب میں دفن ہوئے۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے اور دونوں بروقت انتقال صغر سن تھے بعد کو بڑے لڑکے سید محمد صاحب نے سلطان المدارس سے صدر الافاضل کیا اور مختلف مقامات پر ملازم رہے اس وقت اپنے وطن ہی میں مقیم ہیں۔

دوسرے بیٹے سید علی صاحب نے صدر الافاضل کیا اور ساتھ ہی ساتھ لکھنؤ سے اعلیٰ سندیں علوم مشرقیہ کی حاصل کیں اس کے بعد بی۔ اے کا امتحان پاس کیا اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان تشریف لے گئے اور وہاں اعلیٰ انگریزی ڈگریاں حاصل کر کے بے مثال مقرر اور خوش اسلوب مصنف ہوئے مگر افسوس کہ عین شباب میں انتقال فرمایا۔

افسوس کہ آپ کی اولاد کمسنی کی وجہ سے آپ سے فیض یاب نہ ہو سکی، مگر تشنہ کامان علوم نے اس بحر علوم سے سیرابی حاصل کی، آپ کے باکمال ہونے کا ایک جیتا جاگتا ثبوت یہ موجود ہے کہ آپ نے اپنی ریاضت کا شجر سدا بہار اور اور اپنے گلزار بیان کا گل سرسبد اور چمن مضامین کا بلبل شیریں گفتار اپنے جیسا بے مثال شاگرد رشید مولوی ابن حسن صاحب نونہروی کو اپنی یادگار چھوڑا جنھوں نے آپ کے طریقۂ بیان کو باقی رکھتے ہوئے اس میں اس طرح سے چار چاند لگائے کہ مرحوم کی روح لطف اندوز ہو رہی ہو گی۔

۴۔ مولوی سید ابن حسن صاحب نونہروی

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید محمد سجاد صاحب تھا آپ موضع نونہرہ

ضلع غازی پور میں ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ شروع کی تعلیم موضع ہی میں ہوئی اس کے بعد لکھنؤ میں سلطان المدارس میں تعلیم حاصل کی اپنی ذکاوت اور ذہانت طبعی کی بنا پر طالب علمی ہی کے دوران میں مجلسیں پڑھنا شروع کردی تھیں مضامین جب تیار فرماتے تو اس پر مولوی محمد رضا صاحب سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ مدرسہ میں برابر مجالس ہوا کرتی تھیں اور دوسرے طلاب کی طرح آپ بھی ذاکری فرمایا کرتے تھے جب مولوی محمد رضا صاحب کا انتقال ہو گیا تو جہاں جہاں مولانا مرحوم مجلسیں پڑھا کرتے تھے وہاں کے حضرات نے آپ کو اس بنا پر مدعو کیا کہ آپ مولانا مرحوم کے شاگردوں میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے چنانچہ جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے اپنے انتخاب پر فخر کیا اور اس کی ابتدا چودھری ارشاد حسین صاحب تعلقدار ردولی نے فرمائی اس کے بعد آپ روز بروز ترقی کرنے لگے آپ نے محرم کا پہلا عشرہ ۱۹۲۲ء میں حسینیہ ارشادیہ ردولی میں پڑھا جو مولوی محمد رضا صاحب پڑھا کرتے تھے۔ اس کو آپ نے خوب سنبھالا جو کان مولوی محمد رضا صاحب کا بیان سننے کے عادی تھے مولوی صاحب کا بیان ان پر بار نہیں ہوا اور ویسے ہی دلچسپی حاصل ہوئی جیسے ہوا کرتی تھی۔ اس وقت سے آج تک برابر آپ اپنی وضعداری کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور ماشاءاللہ اس وقت تک چھیالیس عشرے پڑھ چکے ہیں۔ حالانکہ اکثر مقامات سے آپ کو دعوت دی گئی جو کافی منفعت خیز تھی مگر آپ نے کبھی اس پر توجہ نہیں کی ردولی ہی سے آپ کی ذاکری کا شہرا ہر چہار طرف ہونے لگا سلطان المدارس سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہیں آپ معلم مقرر ہو گئے اور سلطان المدارس سے پنشن پانے کے بعد موصوف مدرسۃ الواعظین میں پرنسپل ہوئے اور اس عہدہ پر تادم تحریر فائز ہیں

آپ ذاکری کے سلسلہ میں ہمہ گیر شہرت کے مالک ہیں اور ہر جگہ آپ کی ذاکری کو بے حد پسند فرمایا جاتا ہے آپ مجلس علماء کے صدر بھی ہیں بڑے جلسوں میں جب تک آپ تشریف نہیں لے جاتے ہیں ایک کمی محسوس کی جاتی ہے خدا رکھے آپ کو ایسی مرجعیت حاصل ہے کہ آپ کا ہر جگہ پہونچنا دشوار ہو جایا کرتا ہے آپ کو بڑی دقّت محسوس ہوتی مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ نے آپ کو ایسا بے مثل بیٹا مولوی سید شبیہ الحسن صاحب نونہروی عطا فرمایا ہے۔ کہ جس نے باپ کے ہاتھ کو بڑے اچھے طریقہ سے بٹا لیا اور جو دقتیں دشواری پڑتی تھی وہ دور ہو گئی علامہ نونہروی کی علمی جامعیت محتاج بیان نہیں آپ نے ذاکری کا ایک مخصوص رنگ پیدا کیا جو مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی مولوی سبط حسن صاحب اور مولوی محمد رضا صاحب ان تینوں حضرات کے انداز بیان کا مجموعہ ہے اور آپ کی ہستی ایسی ہے کہ جو تینوں صاحبان کی یاد تازہ کئے ہوئے ہے مذکورہ انداز کو باقی رکھتے ہوئے آپ نے اپنا ایک خاص طریقہ بیان ایجاد کیا ہے یعنی موضوع و محل مجلس سے مناسبت رکھتے ہوئے الفاظ کو مقفیٰ اور مسجّع جملوں میں بڑی شاندار آمد کے ساتھ پیش فرماتے ہیں جو آپ کے خصوصیات ذاکری میں سے ہے۔

۵۔ مولانا سید ابرار حسین صاحب قبلہ پاروی

پارہ ضلع غازی پور کے رہنے والے والد ماجد کا اسم مبارک سید مبارک حسین صاحب تھا۔ ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے بچپن کا زمانہ وطن ہی میں گذرا اور وہیں تعلیم ہوئی اس کے بعد ۱۹۱۸ء میں جامعہ ناظمیہ لکھنؤ میں بغرض تعلیم داخل ہوئے اور اسی ادارے سے ممتاز الافاضل کی آخری سند ۱۹۲۹ء میں حاصل کی اس کے بعد مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ (صوبہ بہار) میں

مدرس ہو گئے اور بعد کو وہاں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے کچھ عرصہ کے بعد حسب مشورہ جناب حکیم صاحب عالم صاحب مالک دواخانہ معدن الادویہ لکھنؤ تشریف لائے اور حکیم صاحب موصوف ہی کی کوششوں سے جامعہ ناظمیہ میں بحیثیت مدرس تقرر ہوگیا اور درجہ قابل و فاضل کو تعلیم دینے لگے۔

ذاکری کا شوق ابتداء تعلیم سے تھا اسی زمانہ سے جناب مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ سے اس سلسلہ میں استفادہ فرماتے تھے چونکہ نہایت ذہین، طباع، شیریں بیان، عنوان نہایت دلچسپ ہوتا تھا۔ اچھے اچھے نکات پیدا کرتے تھے جس سے لوگ کافی متاثر ہوتے ذاکری میں مصائب کا حصہ بھی کافی مقبول ہوتا تھا اسی وجہ سے جب لکھنؤ بسلسلہ ملازمت تشریف لائے تو لکھنؤ والوں نے آپ کی ذاکری کو بے حد پسند فرمایا اور صف اول کے ذاکرین میں شمار کیے گئے ہندوستان کے ہر ہر حصہ میں آپ ذاکری کے سلسلہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے حیدرآباد دکن ایک عشرہ کے سلسلہ میں تشریف لے گئے وہاں قلبی دورہ پڑا اور ۲۷ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ کو وہیں انتقال فرمایا اور شاہی قبرستان مومن کے دائرہ میں سپرد خاک ہوئے۔

اگرچہ آپ کا قیام لکھنؤ میں زیادہ نہیں رہا پھر بھی آپ نے کافی شہرت ذاکری کے سلسلہ میں حاصل کرلی اور آج تک لوگ آپ کی ذاکری کو یاد کیا کرتے ہیں۔ تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر میں بھی کافی مہارت و جاذبیت تھی جس کو لوگ بڑے شوق سے پڑھتے تھے آپ کے دو صاحبزادے ہیں بڑے کا نام سید محمد رضی صاحب ہے جو کواپریٹو سوسائٹی میں ملازم ہیں اور دوسرے کا نام سید محمد مرتضیٰ صاحب ہے جو اس وقت مدرسہ ناظمیہ میں زیر تعلیم ہیں۔

۶۔ مولوی محمد مہدی صاحب زید پوری۔

آپ کی پیدائش ۳؍رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ مطابق ۶؍فروری ۱۸۹۶ء یوم شنبہ بمقام زید پور ہوئی آپ کے والد صاحب کا اسم گرامی سید عطا محمد تھا ابتدائی تعلیم آپ کی اپنے وطن ہی میں ہوئی تحصیل علم کا شوق آپ کو خداداد تھا اور ویسا ہی قدرت نے ذہن بھی دیا تھا غور و فکر اور تحقیقات کے بچپن ہی سے عادی تھے کوئی بات بلا دلیل کے پسند نہیں کرتے تھے حیدرآباد دکن میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سلطان المدارس میں تحصیل علم کرنا شروع کیا تمام اساتذہ آپ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے جناب باقر العلوم کے ارشد تلامذہ میں تھے سلطان المدارس سے فارغ ہونے کے بعد مدرسۃ الواعظین میں داخل ہوئے اور مولانا سید سبط حسن صاحب کا جیسا استاد پاکر آپ کی ذہانت میں اور چار چاند لگ گئے اور وہیں سے آپ کی ذاکری کی ابتدا ہوئی جس کو لوگوں نے بے حد پسند کیا اور روز بروز آپ ارتقائی منزلوں سے گذرتے رہے یہاں تک کہ شہرت عامہ کے حامل بن گئے آپ کے بیان کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ آپ کوئی مجلس بغیر مطالعہ و موضوع، کلام پر دلائل عقلیہ و نقلیہ قائم کئے۔ منبر پر تشریف نہیں لے جاتے ہیں اور جو سرخی بیان کی قرار دیتے ہیں اس پر آخر تک قائم رہتے ہیں۔ اور کوئی نہ کوئی جدید گوشہ ایسا ضرور پیدا کر دیتے ہیں جو سامعین کو محظوظ کر دیتا ہے نہایت منکسر مزاج واقع ہوئے ہیں سادہ زندگی کے عادی ہیں جس کی وجہ سے جاذب قلوب ثابت ہوئے ہیں آپ کا بیان نہایت سلیس اور پر مغز ہوتا ہے زبان کی چاشنی کافی ہوتی ہے۔ تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر بھی بے مثل ہوتی ہے جو مضمون لکھ دیتے ہیں اس کو

قدردان دیکھتے ہی معلوم کر لیتے ہیں کہ آپ کی تحریر کی ہوئی ہے. مختصراً آپ اپنے فاضل استاد مولوی سید سبط حسن صاحب کے شاگرد کہے جانے کے مستحق ہیں. آپ مدرسۃ الواعظین میں کچھ دنوں کے لیے مدرس رہ چکے ہیں فی الحال سلطان المدارس میں مدرس معقولات ہیں آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے مولوی اخلاق مہدی صاحب کو ایسی تعلیم و تربیت دی ہے کہ جو آپ کی نظیر بن سکتے ہیں.

مشہور مرثیہ گویوں کے اذکار

- خاندان مرزا دبیر مرحوم
- خاندان میر انیس مرحوم
- خاندان میر عشق مرحوم
- دیگر مشہور مرثیہ گو ماضی و حال

مشہور مرثیہ گو خاندانوں کے شجرے۔ اور ان کے حالات زندگی

صفحات ما بعد پر ملاحظہ ہوں۔

اور

ساتھ ہی ساتھ آخر میں اُن چند نامور شعرا کے مختصر سوانح حیات بھی لکھے گئے ہیں جنھوں نے مرثیہ گوئی میں نام پیدا کیا

نوٹ: حالات کے لکھنے میں یہ ترتیب قرار دی گئی ہے کہ پہلے اولاد اکبر اور ان کی نسل کے کل افراد کا تذکرہ آخر تک ختم کر کے تب اولاد ثانی کے حالات اسی طرح سے لکھے گئے ہیں اور آخر تک یہی سلسلہ قائم رکھا گیا ہے جن حضرات کے حالات لکھنا مقصود تھے مگر دستیاب نہ ہو سکے ان کے صرف اسماء گرامی ترتیب میں لکھکر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

شجرہ خاندان مرزا دبیرؔ

- ملا ہاشم شیرازی
  - محمد رفیع المتخلص بہ رفیعؔ
    - مرزا غلام محمد
      - مرزا غلام حسین
        - مرزا سلامت علی دبیرؔ
          - دختر
          - مرزا محمد جعفر اوجؔ
            - مرزا محمد طاہر رفیعؔ
              - مرزا محمد ذاکر عرف آغن
                - لاولد فوت
              - مرزا محمد صادق عرف بابو
            - دختر
          - مرزا محمد ہادی حسین عطاردؔ
            - مرزا عبد الحسن شفیعؔ
              - لاولد فوت
            - دختر
              - والدہ مرزا محمد ذاکر آغن پسر محمد طاہر رفیعؔ

(یہ شجرہ حیات دبیرؔ صفحہ ۶ کی تحریروں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے)

خاندان مرزا دبیر

۱۔ ملا ہاشم شیرازی ۔ مرزا دبیر کے جد اعلیٰ تھے "ایران کے مشہور شاعر ملا اہلی شیرازی، صاحب مثنوی سحر حلال کے حقیقی بھائی تھے شیراز سے یہ خاندان دہلی آیا اور سلاطین مغلیہ کے درباروں میں ممتاز عہدوں پر فائز رہا۔"
(دبستان دبیر صفحہ ۱۳۸)

۲۔ مرزا محمد رفیع ۔ المتخلص بہ رفیع ۔ "مرزا صاحب کے پردادا ملا رفیع شاہ دہلی کے میر منشی تھے۔" (دبستان دبیر صفحہ ۱۳۸)

۳۔ مرزا غلام محمد ۔ مرزا دبیر کے دادا تھے اور اپنے عہد کے ذی اقتدار شخصیتوں میں تھے۔

۴۔ مرزا غلام حسین ۔ آپ مرزا دبیر کے پدر بزرگوار تھے "مرزا غلام حسین کا زمانہ آیا تو شوکت مغلیہ کا آفتاب لب بام آچکا تھا خاندان تیموریہ کا چراغ گل ہونے کے قریب تھا دہلی اجڑ رہی تھی شرفا عزت کا سرمایہ کلیجوں سے لگائے حسرت بھری آنکھوں سے دہلی کو الوداع کہتے ہوئے غریب الوطنی کی وادیوں کا رخ کر رہے تھے عروس البلاد ہند کا سہاگ لٹ چکا تھا۔ لا قانونیت قانون کی اور تباہی دستور عام کی حیثیت اختیار کر چکی تھی اس لیے مرزا غلام حسین بھی ننھے ننھے بچوں کو ساتھ لیے وطن سے نکلے اور وارد لکھنؤ ہوئے۔ مرزا

صاحب کی عمر اس وقت سات سال کے لگ بھگ ہو گی" (دبستان دبیر صفحہ ۱۳۸)

۵. مرزا دبیر. مرزا سلامت علی نام تخلص دبیر ۱۱ر جمادی الاول ۱۲۱۸ھ مطابق ۲۹ر اگست ۱۸۰۳ء بمقام بلی ماران دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۳۰ر محرم ۱۲۹۲ھ مطابق ۶ر مارچ ۱۸۷۵ء کو بمقام لکھنؤ انتقال کیا اپنے ہی گھر میں دفن ہوئے جس گلی میں مرزا دبیر کا گھر تھا وہ گلی اب کوچہ مرزا دبیر کے نام سے لکھنؤ میں مشہور ہے۔ اور وکٹوریہ اسٹریٹ پر نخاس کے چوراہے کے کچھ آگے پورب کی جانب واقع ہے مرزا دبیر کے مورث ایران سے دہلی آئے اور شاہان مغلیہ کے یہاں ملازم ہوئے مگر جب آپ کے والد مرزا غلام حسین اس قابل ہوئے کہ ملازمت کریں اس وقت دہلی کی حکومت زوال پر تھی۔

بحالت مجبوری مرزا غلام حسین مع اپنے خاندان کے لکھنؤ آئے۔ اس وقت مرزا دبیر کی عمر سات سال کی تھی یہیں تعلیم و تربیت ہوئی بچپن ہی سے شعر و شاعری سے دلچسپی تھی۔ میلان طبیعت دیکھتے ہوئے پدر بزرگوار مرزا دبیر کو میر ضمیر کے پاس لے گئے اور خواہش کی کہ وہ ان کو اپنا شاگرد بنالیں میر ضمیر نے افتاد طبیعت دیکھکر شاگرد بنا لیا۔ مرزا دبیر نے عربی و فارسی کی مکمل تعلیم حاصل کی تھی اور علماء میں شمار تھا اس قابلیت کی وجہ سے شاعری میں جلد کمال حاصل کرلیا جو شہرت کا باعث ہوا اگرچہ اس وقت لکھنؤ میں ضمیر، خلیق فصیح اور دیگر کا رنگ چھایا ہوا تھا مرزا صاحب کی طرف اہل شہر کی توجہ مبذول ہونا بہت مشکل امر تھا یہ زمانہ شاہ غازی الدین حیدر کا تھا بادشاہ ممدوح نے مرزا صاحب کو شاہی امامباڑہ میں مجلس پڑھنے کے لیے مدعو کیا اور یہیں سے مرزا دبیر کی شہرت کا آغاز ہوا جب نصیر الدین حیدر تخت اودھ

پر جلوہ افروز ہوئے اس وقت مرزا دبیر منزل عروج پر پہونچ چکے تھے اور شاہی خاندان کے بہت سے حضرات آپ کی شاگردی میں شامل تھے۔ ملکۂ زمانیہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت حاصل تھی۔ جب امجد علی شاہ کا زمانہ آیا اس دور میں میر انیس فیض آباد سے لکھنؤ آئے اگرچہ یہاں مرزا دبیر کا رنگ جما ہوا تھا پھر بھی میر انیس کے آنے کی وجہ سے مخالفت کا ایک اچھا خاصا محاذ قائم ہوگیا اور اس کا سلسلہ برابر چلتا رہا اور درمیانی لوگوں نے خوب خوب رنگ آمیزیاں کی۔ اور اختلافات کے خلیج کو کافی وسیع کردیا جس کی وجہ سے دونوں حضرات کافی محنت سے مرثیہ کہنے لگے واجد علی شاہ کا زمانہ آیا دونوں صاحبان قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے گئے اور برابر شاہی مجالس میں ذاکری کا شرف حاصل ہوتا رہا سلطنت ۱۸۵۶ء کا خاتمہ ہوا۔ غدر کا زمانہ آیا لکھنؤ کی حالت بگڑی آپ سیتاپور چلے گئے جب حالات درست ہوئے تو مرزا دبیر پھر لکھنؤ واپس آئے مگر یہاں آکر رنگ ہی دوسرا پایا جن ڈیوڑھیوں سے یہ وابستہ تھے وہ سب لٹ چکی تھیں مجبوراً آپ کو لکھنؤ چھوڑنا پڑا۔ امام باندی بیگم صاحبہ ساکن عظیم آباد (پٹنہ) نے اپنے یہاں مدعو کیا اور آپ تشریف لے گئے اور اس کے بعد سے آپ برابر محرم دوران سال میں تشریف لے جاتے تھے اور اسی آمدنی پر بقیہ زندگی گذار دی مرزا دبیر نے لاتعداد مرثیے کہے ہیں جس میں سے کچھ شائع ہوئے ہیں بقیہ صندوقوں میں بند رکھے ہیں اور اب تو اس زمانہ میں ان کی اشاعت بہت ہی مشکل ہے۔ آپ کی شادی سید انشا کی نواسی سے ہوئی تھی اور جن کے بطن سے دو صاحبزادے مرزا محمد جعفر اوج اور مرزا ہادی حسین پیدا ہوئے۔ مرزا ہادی حسین کا انتقال عین عالم شباب میں ۱۲۹۰ھ میں ہوگیا جس کا آپ کو بے حد غم ہوا اور آپ کی

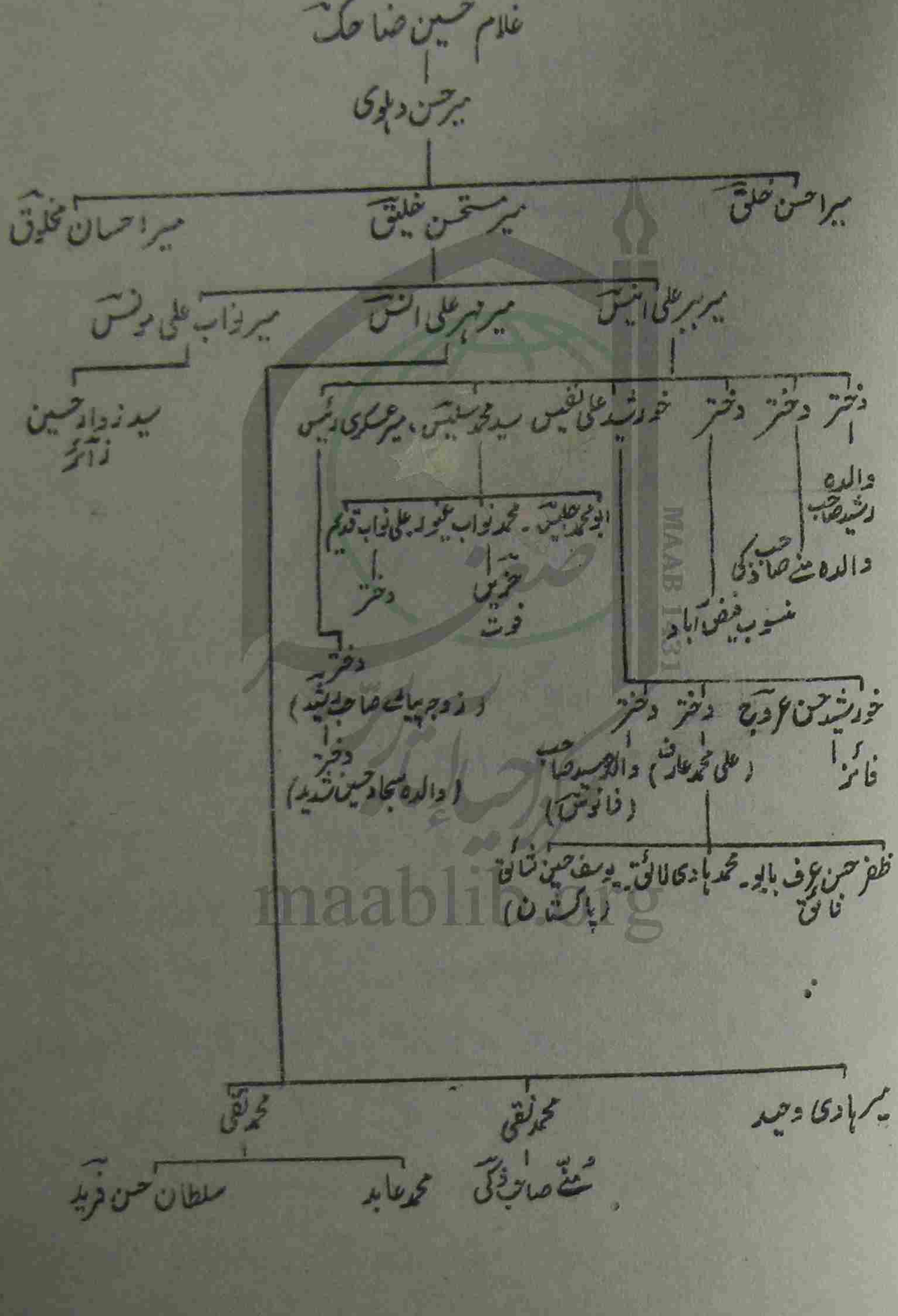
تندرستی پر کافی اثر پڑا۔

۶۔ اوج۔ مرزا محمد جعفر نام اوج تخلص۔ ولادت ۷ جمادی الاول سنہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۵ فروری سنہ ۱۸۵۳ء بمقام لکھنؤ ہوئی اور وفات ۲۵ جمادی الاول سنہ ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۸ اپریل سنہ ۱۹۱۷ء ہوئی اور اپنے والد محترم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ مثل اپنے پدر بزرگوار کے شاعری میں خاص مہارت رکھتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتدا ہی سے باپ نے خاص توجہ رکھی اور ایک کامل شاعر بنا دیا تھا جب مرزا دبیر کا انتقال ہوگیا اور آپ مسند شاعری پر جلوہ افروز ہوئے اس وقت میر ضمیر کے اصول پر مرثیہ باقی تھا لکھنؤ غدر میں لٹ چکا تھا اور اس کا خاصہ اثر مرثیہ گوئی پر پڑا تھا مرثیہ کو تر و تازہ رکھنے کے لیے چند شعرا نے بہار اور ساقی نامہ مرثیوں میں شامل کیا جس کی سب سے زیادہ مخالفت مرزا اوج نے کی اور کہا کہ مرثیہ میں رنگ تغزل بالکل نہ ہونا چاہیے اور اپنے شاگردوں کو اس سے منع کیا۔ البتہ قدیم اصولوں کے پیش نظر رکھتے ہوئے مرثیہ میں علمی، فلسفیانہ، تاریخی، اصلاحی مضامین کو داخل کیا۔ اس کے علاوہ ضعیف روایات کو نظم کرنے سے اپنے شاگردوں کو منع فرمایا۔ مرزا اوج بے حد غیور انسان تھے اپنی محدود آمدنی پر ساری زندگی گزار دی اور کسی کے احسان مند نہیں ہوئے ان کی شادی مرزا احسن علی شورش کی دختر سے ہوئی جن کے بطن سے مرزا محمد طاہر رفیع پیدا ہوئے۔

۷۔ رفیع۔ مرزا محمد طاہر نام رفیع تخلص ولادت ۱۷ رمضان سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۴ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء بمقام لکھنؤ وفات سنہ ۱۳۶۷ھ مطابق سنہ ۱۹۴۸ء بمقام لکھنؤ ہوئی اور اپنے موروثی قبرستان میں دفن ہوئے پانچ سال کے سن ہی سے مرزا دبیر کی حیات میں آپ نے پیش خوانی شروع کردی تھی اور مرزا دبیر ہی نے ان کا تخلص رفیع تجویز کیا تھا اور شاعری کا شوق پیدا کرانا شروع

کر دیا تھا اور جس وقت مرزا دبیر نے انتقال فرمایا اس وقت آپ کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی مگر شعر کہتے تھے دادا کے انتقال کے بعد باپ کے زیر تربیت آئے اور تمام خاندانی اصولوں سے آراستہ و پیراستہ ہو کر خاندان کا نام روشن کرنا شروع کیا اور آخر میں نواب حامد علی خاں صاحب والی ریاست رام پور کے یہاں ملازم ہو گئے نواب ممدوح کے انتقال کے بعد لکھنؤ چلے آئے وفات سے چند سال قبل آپ کے صاحبزادے مرزا محمد ذاکر عرف اغن صاحب نے ۲۵ر شعبان ۱۳۶۵ھ شب جمعہ عین جوانی میں انتقال فرمایا یہ بہت بڑا امتحان آپ کے لیے تھا مگر آپ نے صبر و ضبط کے ساتھ برداشت کیا آخری زمانہ میں جس دور سے آپ کو گذرنا پڑا وہ بہت ہی امتحانی زمانہ تھا پھر بھی اپنے خاندانی روایات کو پیش نظر رکھا اور دور جدید کا بھی خیال رکھا اور اس طرح سے ان کے مرثیے کافی پسند کیے گئے آپ کی شادی آپ کے چچا مرزا محمد ہادی عطارد کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی جن کے بطن سے مرزا محمد ذاکر عرف اغن صاحب پیدا ہوئے جن کا انتقال عالم شباب میں ہو گیا اور مرزا صاحب کے خاندان میں اب صرف مرزا محمد صادق صاحب موجود ہیں جو اغن صاحب مرحوم کے سگے بھائی نہیں ہیں۔

شجرہ خاندان میر انیسؔ



خاندان میر انیسؔ

۱۔ ضاحک۔ میر غلام حسین دہلوی "میر حسن مصنف مثنوی سحر البیان کے کے باپ اور میر انیسؔ کے پردادا تھے۔ شاعری میں ان کی جگہ ان کے کلام کی وجہ سے نہیں بلکہ بیٹے اور پر پوتوں کی وجہ سے ہے مرثیہ بھی کہتے تھے" (اردو مرثیہ ۲۳۳)

۲۔ حسن۔ میر حسن دہلوی "میر غلام حسین ضاحک کے بیٹے دلی میں پیدا ہوئے جب وہ چمن اجڑا تو یہ باپ کے ساتھ فیض آباد آگئے میر حسن مثنوی اور غزل کے شہسوار ہیں مرثیے کے مرد میدان نہیں۔" (اردو مرثیہ ۲۳۸، ۲۳۹)

۳۔ خلیق۔ میر مستحسن لکھنؤی "مشہور باپ کے بیٹے اور مشہور بیٹے کے باپ میر خلیق وہ خوش نصیب انسان تھے جنھیں قدرت نے میر حسن جیسا باپ اور انیسؔ جیسا بیٹا عنایت کیا۔ فیض آباد میں پیدا ہوئے شاعری گھٹی میں پڑی تھی زبان گھر کی لونڈی تھی سن شعور کو پہونچتے ہی شعر کہنے لگے پہلے غزلیں کہیں کچھ عرصہ کے بعد مرثیہ گوئی پیشہ کی حیثیت سے اختیار کی۔ مرثیہ کہا تو لکھنؤ آنا جانا شروع ہوا بعد کو لکھنؤ ہی میں مستقل قیام کر لیا تھا خلیق نے ضمیر کی ڈگر کو نہیں اپنایا شاید وہ ان کے بس کی بھی نہ تھی مگر اپنے طرز کے بل پر مرثیہ گوئی کے میدان میں ضمیر کے مقابلہ میں ڈٹے رہے یہی ان کے کلام کی مقبولیت کی سب سے بڑی سند ہے" (اردو مرثیہ ۲۹۱۔ ۲۹۴)

۴۔ انیسؔ ۔ نام۔ میر ببر علی۔ تخلص انیس۔ میر مستحسن خلیق کے بیٹے ولادت ۱۲۱۶ھ بمقام فیض آباد وفات ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۸۷۴ء بروز چہارشنبہ بمقام لکھنؤ ہوئی اور اپنے باغ واقع سبزی منڈی میں دفن ہوئے آپ کے مورث اعلیٰ ہرات سے آکر دہلی میں آباد ہوئے تھے۔ جب سلطنت مغلیہ کے حالات دیگرگوں ہوئے اس وقت آپ کے دادا میر غلام حسین ضاحک معہ اپنے بیٹے میر حسن کے فیض آباد آئے۔ اور یہاں نواب شجاع الدولہ کی ملکہ اُمۃ الزہرا المعروف بہو بیگم جو سادات کی بے حد قدر کرتی تھیں انہوں نے آپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور آپ فیض آباد میں مستقلاً رہنے لگے یہیں میر انیس محلہ گلاب باڑی شہر فیض آباد میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم فیض آباد میں ہوئی اس کے بعد عربی اور فارسی تعلیم کے لیے لکھنؤ آئے اور یہاں دونوں زبانوں پر عبور حاصل کیا۔ سولہ سال کی عمر میں شعر کہنے لگے ابتدا غزل سے ہوئی مگر آپ کے پدر بزرگوار میر خلیق نے مشورہ دیا کہ غزل کہنا ترک کرو اور سلام و مرثیوں وغیرہ کی طرف توجہ کرو میر انیس نے تعمیل حکم کی اور ایک سلام لکھکر میر خلیق کے سامنے پیش کیا جو بے حد پسند فرمایا اس کے بعد مرثیے و سلام وغیرہ کہنے لگے۔ اس وقت مرثیوں میں صرف چالیس پچاس بند ہوتے تھے خاندان میں ابتدا ہی سے شعر و شاعری کا چرچا تھا ابتدا ہی کا اثر میر انیس پر خوب پڑا اس کے علاوہ میر خلیق کی تربیت و نگرانی نے میر صاحب کو کمال تک پہونچا دیا اور آپ نے خوب نام پیدا کیا۔ اور اپنی مثال آپ ہی ہو کر رہ گئے آپ کے کلام میں فصاحت، بلاغت انداز بیان بالکل نئے عنوان کا ہوتا تھا چالیس سال کی عمر میں فیض آباد سے مستقلاً بزمانۂ امجد علی شاہ لکھنؤ تشریف لائے اگرچہ اس سے قبل بھی میر خلیق کے ساتھ لکھنؤ آیا کرتے تھے اور میر خلیق اپنی مجلسوں میں پیش خوانی

بھی کرایا کرتے تھے۔ آپ کی پہلی مجلس اکرام اللہ خاں کے امام باڑہ نخاس لکھنؤ میں ہوئی مگر جب قیام کی غرض سے لکھنؤ پہنچے تو یہاں مرزا دبیر کے کلام کا کافی چرچا تھا اور مرزا دبیر کے استاد میر ضمیر جن کے کلام کو لوگ بے حد پسند فرماتے تھے۔ وہ بھی فضائے لکھنؤ پر چھائے ہوئے تھے میر خلیق بھی اپنے فن میں استاد تھے لہذا ایک طرف میر ضمیر و میر خلیق میں مقابلہ شاعری میں ہوتا رہا اور دوسری طرف مرزا دبیر و میر انیس آمنے سامنے آگئے۔

آب حیات صفحہ ۵۰۴ پر مولوی محمد حسین آزاد تحریر فرماتے ہیں۔

"جب دونوں نوجوان میدان مجالس میں جولانیاں کرنے لگے تو فن مذکور کی ترقی کے بادل گرجتے اور برستے آئے اور نئے اختراع، ایجادوں کے مینھ برسنے لگے بڑی بات یہ تھی کہ بادشاہ سے لے کر امراء اور غرباء تک شیعہ مذہب رکھتے تھے نوجوانوں کے کمال کو جو خوش اعتقاد قدردان ملے وہ بزرگوں سے شمار میں زیادہ اور وزن میں بہت بھاری تھے کلام نے وہ قدر پیدا کی کہ اس سے زیادہ بہشت ہی میں ہو تو ہو قدردانی بھی فقط زبانی تعریف اور تعظیم و تکریم ہی میں ختم نہ ہو جاتی تھی بلکہ نقد و جنس کے گراں بہا انعام تحائف اور نذرانوں کے رنگ میں پیش ہوتے تھے ان ترغیبوں کی بدولت فکروں کی پرواز ذہنوں کی رسائی امید سے زیادہ بڑھ گئی دونوں باکمالوں نے ثابت کر دیا کہ حقیقی اور تحقیقی شاعر ہم ہیں اور ہم ہیں کہ ہر رنگ کے مضمون، ہر قسم کے خیال ہر ایک حال کا اپنے الفاظ کے جوڑ و بند سے ایسا طلسم باندھ دیتے ہیں کہ چاہیں رُلا دیں، چاہیں ہنسا دیں، چاہیں تو حیرت کی صورت بنا کر بٹھا دیں۔" آب حیات کے صفحہ ۵۰۵ پر جو عبارت میر انیس کے متعلق تحریر ہے وہ ملاحظہ ہو جس سے آپ کی قابلیت اور کلام وغیرہ پر اچھی خاصی روشنی پڑتی

ہے" انھوں نے ایجاد و مضامین کے دریا بہا دیئے ایک مقرری مضمون کو سیکڑوں نہیں ہزاروں رنگ سے ادا کیا۔ ہر مرثیہ کا چہرہ نیا، آمد نئی، رزم جدا اور ہر میدان میں مضمون اچھوتا۔ تلوار نئی۔ نیزہ نیا۔ گھوڑا نیا، انداز نیا، مقابلہ نیا اور اس پر کیا منحصر ہے صبح کا عالم دیکھو تو سبحان اللہ۔ رات کی رخصت، سیاہی پھٹنا، نور کا ظہور، آفتاب کا طلوع، مرغزار کی بہار، شام ہے تو شام غریباں کی اداسی، کبھی رات کا سناٹا، کبھی تاروں کی چھاؤں کو چاندنی اور اندھیرے کے ساتھ رنگ دکھایا ہے۔

غرض جس حالت کو لیا ہے اس کا سماں باندھ دیا ہے۔ آمد مضامین کی بھی انتہا نہ رہی جن مرثیوں کے بند چالیس پچاس سے زیادہ نہ ہوتے تھے وہ ایک سو پچاس سے گذر کر دو سو سے بھی نکل گئے۔"

میر انیس کی شہرت غدر سے قبل معراج کمال تک پہونچ چکی تھی آپ کے مرثیوں کے الفاظ قدر داں حضرات اپنے دوستوں کو باہر بطور تحفہ بھیجتے تھے۔ سلطنت اودھ پر زوال آیا واجد علی شاہ نے تخت و تاج چھوڑا کلکتہ کی راہ لی انگریزوں کی حکومت ہوئی جلد ہی غدر ہوگیا شہر میں نفسی نفسی کی صورت ہوگئی امراء یا تو شہر سے باہر بھاگ گئے یا روپوش ہوگئے میر انیس کو بھی لکھنؤ چھوڑنا پڑا اور قصبہ کاکوری میں قیام کیا۔ جب حالات درست ہوگئے پھر لکھنؤ آئے مگر شہر اجڑ چکا تھا جس مکان میں قبل میں رہتے تھے وہ کھد چکا لہذا منصور نگر اور بعد میں راجہ بازار میں رہے اس کے بعد سبزی منڈی میں اپنا ذاتی مکان بنا لیا اور قریب ہی ایک باغ خرید لیا۔ غدر کے بعد آپ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں مجالس کے سلسلہ میں جانے لگے مگر آن بان میں کبھی کمی نہیں ہونے پائی اگر کوئی امر خلاف مزاج ہوگیا تو پھر کسی کی ہمت نہ تھی

کہ اس کے لیے کچھ کہے مرثیوں کی تعداد کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کس قدر تھے۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے جن کے اسماء، خورشید علی نفیس، سید محمد سلیس میر عسکری رئیس تھے اور تین صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک پیارے صاحب رشید کی والدہ دوسری منے صاحب ذکی کی والدہ اور ایک صاحبزادی فیض آباد میں منسوب تھیں۔

۵۔ نفیس۔ میر خورشید علی لکھنوی۔ "میر انیس کے بیٹے جن کے فن مرثیہ گوئی کی تربیت انیس کے فن کار ہاتھوں سے ہوئی نفیس اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آئے تو نوجوان تھے انھوں نے مرثیہ کو ہلال سے بدر کامل بنتے دیکھا تھا انیس نے کمال کی منزل تک پہونچنے کے لیے جو کڑیاں جھیلیں وہ نفیس نے اگر سہی نہیں تو انھیں بھگتا ضرور۔ اس طرح نفیس نے بھی زبان کے سنورنے اور بیان کے نکھرنے میں بہ قدر ظرف حصہ لیا۔ انیس کی زندگی ہی میں نفیس کی مرثیہ گوئی کی تربیت ہو چکی تھی۔ نفیس اپنے ہم عصروں سے سمجھنے اور سمجھانے کے اصول پر کاربند تھے علی میاں کامل سے معاصرانہ چشمک رہتی تھی نفیس نے ساٹھ باسٹھ سال مشق سخن کی اور اس مدت میں بہت کچھ کہا اور اچھا کہا" (اردو مرثیہ ۳۴۷)

۶۔ عروج۔ سید خورشید حسن عرف دولہا صاحب لکھنوی۔ "میر نفیس کے بیٹے طرز انیس کے وارث عروج کی زندگی کا ابتدائی حصہ خاندانی کمال سے بے تعلقی میں گذرا جس کی وجہ سے میر نفیس ان سے کبیدہ خاطر ہو گئے لیکن طبیعت نے پلٹا جو کھایا تو خاندانی مسند پر عروج ایسے سج کے بیٹھے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہو گئی"۔

"مرثیہ کہنا اور مرثیہ پڑھنا عروج کا مستقل مشغلہ بن گیا۔ سادگی، صفائی اور روانی عروج کی زبان کے جوہر تھے بیان میں سلاست اور وضاحت کا خاص طور سے لحاظ رکھتے تھے۔ مرثیہ کہنے میں عروج بزرگوں کی ڈالی ہوئی ڈگر پر چلتے رہے ان کی مرثیہ گوئی فن سے زیادہ کاریگری کی شان رکھتی ہے جس میں تغزل کا رنگ گہرا ہے یہ بات انھیں کے لیے مخصوص نہیں میرانیس کے بعد مرثیے میں گل و بلبل اور ساقی و شراب کا رنگ گہرا ہوتا چلا گیا جس کی حد رشید تک پہنچی ہے عارف نے مرثیہ گوئی میں جس کمی کو محسوس کیا شاد عظیم آبادی نے تجدید کی جو راہ نکالی عروج ان سے بالکل الگ تھلگ رہے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے انھوں نے روایتی مرثیہ گوئی کا پورا پورا حق ادا کیا"۔ (اردو مرثیہ ۴۰۸، ۴۰۹)

۷۔ فائز۔ محمد حسن نام فائز تخلص دولھا صاحب کے صاحبزادے تھے دولھا صاحب کے انتقال کے بعد ۲۵ رجب کی مجلس پڑھی جو نہایت کامیاب ہوئی اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا مگر عمر نے وفا نہ کی۔

۸۔ عارف۔ علی محمد عارف۔ نفیس کے نواسہ تھے فنی اعتبار سے ایک ذی استعداد اور درسی اعتبار سے ایک منتہی شاعر تھے۔ ان کو فارسی عربی میں کافی عبور تھا ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے ۱۹۱۶ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کے والد کا نام سید محمد حیدر تھا۔

۹۔ فائق۔ سید ظفر حسن فائق۔ عارف صاحب کے صاحبزادے تھے خاندان کے چشم و چراغ تھے نئے فن مرثیہ گوئی میں کمال حاصل تھا پڑھنا اور کہنا دونوں آپ کا حصہ تھا اپنے والد کے انتقال کے بعد سے آخر وقت تک قوم و مذہب کی خدمت انجام دیتے رہے لکھنؤ و بیرون لکھنؤ برابر مجالس پڑھنے کے سلسلہ

میں تشریف لے جایا کرتے تھے آپ کا انتقال ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۱ راگست ۱۹۴۴ء بروز جمعہ بمقام لکھنؤ ہوا۔

۱۰۔ لائقؔ۔ سید محمد ہادی۔ مرثیہ کی طرف توجہ نہیں کی سلام وغیرہ کہتے ہیں اور بزرگوں کا کلام پڑھتے ہیں عارفؔ صاحب کے دوسرے صاحبزادے ہیں آپ کے ایک چھوٹے بھائی یوسف حسین شائقؔ بھی ہیں جو پاکستان میں ہیں۔

۱۱۔ سلیسؔ۔ سید محمد نام۔ میر انیسؔ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ مرثیہ گوئی کے ماحول میں تربیت پائی تھی اس لیے آپ بھی اسی رنگ میں غرق نظر آتے تھے

۱۲۔ جلیسؔ۔ سید ابو محمد عرف ابو صاحب جلیسؔ میر سلیسؔ کے صاحبزادے تھے۔ پیارے صاحب رشیدؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ عین عالم شباب میں ۱۳۲۵ھ میں رحلت کر گئے اس لیے ذخیرۂ کلام بہت کم ہے اور شہرت بھی نہ ہونے کے برابر ہے "تعارف مرثیہ صفحہ ۸۱)

۱۳۔ حزیںؔ۔ ہاشم حسین نام حزیںؔ تخلص ہے۔ محمد نواب غیورؔ کے صاحبزادے، سلیسؔ کے پوتے اور میر انیسؔ کے پر پوتے تھے جناب شدیدؔ صاحب نے فن مرثیہ گوئی کی تعلیم بہت محنت و جانفشانی سے دی۔ حزیںؔ نے تین مرثیے کہے لکھنؤ کی مجلس ۲۵ رجب میں دنیز حسینیہ ارشادیہ ردولی دونوں جگہ شدیدؔ صاحب کے پڑھنے کے قبل بطور پیش خوانی ان مرثیوں کو پڑھا افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور جوانی ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

۱۴۔ قدیمؔ۔ سید علی نواب لکھنوی۔ "سید محمد سلیسؔ کے بیٹے میر انیسؔ کے پوتے قدیمؔ انیسؔ کے سلسلہ کی آخری کڑی تھے جن کے بعد اس سلسلہ میں مرثیہ گوئی کا خاتمہ ہو گیا۔ قدیمؔ کے فن کا انداز کلام کا طرز وہی

روائتی، بجھی ہوئی راکھ کو کریدنا اور اس کی چنگاری سے مرثیے میں گرمی پیدا کرنا ان کا کام تھا۔ مرثیہ میں تغزل کو بھی کھپایا ہے" (اردو مرثیہ ۳۱۳) ۱۷ رجب ۱۳۰۷ھ کو وفات پائی۔

۱۵۔ سید محمد عسکری رئیس۔ میر انیس کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے پیارے صاحب رشید کے نانا تھے مرثیہ گوئی سے دلچسپی رہی۔

۱۶۔ انس۔ میر مہر علی لکھنوی۔ "خلیق کے بیٹے اور انیس کے منجھلے بھائی تھے مرثیے انھوں نے بھی کہے جو زبان اور بیان دونوں کے لحاظ سے اچھے ہیں (اردو مرثیہ ۳۳۸) آپ کی وفات ۱۳۰۸ھ میں ہوئی اور حکیم مہدی کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

۱۷۔ وحید۔ سید محمد ہادی لکھنوی۔ "میر انیس کے بھتیجے اور مہر علی انس کے بیٹے تھے طبیعت میں جوش اور وجدان شعر لے کر پیدا ہوئے تھے اسی لیے سن شعور ہی سے مرثیہ کہنا شروع کر دیا اور تھوڑے عرصہ میں خاصی شہرت حاصل کر لی۔" (اردو مرثیہ ۳۶۰)

۱۸۔ ذکی۔ منے صاحب ذکی لکھنوی، جناب نقی کے صاحبزادے تھے جو میر مہر علی انس کے دوسرے لڑکے تھے میر انیس کی بڑی صاحبزادی کے فرزند تھے آپ کا قیام بائیس سال پٹنہ میں رہا آپ کا کلام بہ کثرت آپ کے پسماندگان کے پاس موجود ہے آخر عمر تک انگرکھا اور چہ گوشیہ ٹوپی پہن کر خواندگی فرماتے تھے ۷ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ مطابق ۵ جون ۱۹۴۳ء بروز شنبہ بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا۔

۱۹۔ فرید۔ سلطان حسن نام فرید تخلص۔ میر محمد تقی کے صاحبزادے میر مہر علی انس کے پوتے آپ کی علمی قابلیت کافی اچھی تھی اور کلام میں پختگی تھی مرثیہ

گوئی میں کافی شہرت حاصل کی۔

۲۰۔ مونسؔ۔ سید محمد نواب لکھنوی۔ "خلیق کے بیٹے انیس کے چھوٹے بھائی جن کی مرثیہ گوئی کی تربیت انیسؔ کے فن کے ساتھ ساتھ ہوئی مگر دبیر اور انیس کے فن نے مونسؔ کے کلام کو چمکنے نہ دیا۔ بین لکھنے میں تو مونس مرزا دبیر کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔" (اردو مرثیہ ۳۳۵)

شجرۂ خاندانِ میر عشقؔ

سید محمد میرزا اُنسؔ

حسین میرزا عشقؔ — سید میرزا تعشقؔ — حسن میرزا عاشقؔ (لاولد) — علی میرزا اکبرؔ (لاولد) — احمد میرزا صابرؔ

حیدر میرزا ادیبؔ — خورشید مرزا

عسکری مرزا مودّبؔ

سید محمد میرزا مہذبؔ

سید مصطفیٰ میرزا رشیدؔ — عابد میرزا سعیدؔ — باقر میرزا حمیدؔ — جدید — مجیدؔ

فضل عباس علیمؔ — افضل میرزا قسیمؔ — سید مظہر آغا فہیمؔ — سید احمد آغا نعیمؔ

دختر (والدۂ شدیدؔ)

سید سجاد حسین شدیدؔ

خاندان میر عشق

۱۔ انس۔ سید محمد میرزا لکھنوی۔ "انس کا خاندان غزل گو شاعروں کا خاندان تھا۔ انس خود ناسخ کے شاگرد تھے اور غزل کہتے تھے مگر ماحول سے متاثر ہو کر مرثیہ کہنا شروع کیا چنانچہ مرثیہ میں تغزل کی رنگ آمیزی اس خاندان کی خصوصیت رہی ہے" (اردو مرثیہ ۳۰۴)

۲۔ عشق۔ سید حسن میرزا نام۔ عشق تخلص۔ سید محمد میرزا انس کے بڑے صاحبزادے تھے۔ میر عشق عربی و فارسی میں کافی استعداد رکھتے۔ مرثیہ، پر اپنے والد سے اصلاح لیتے تھے۔ آثار عشق کے صفحہ ۹ پر مہذب صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "چودہ سال تک خانہ نشینی اختیار کر کے شعر و سخن کی مشق کی اور اس زمانے کا کلام پھاڑ کر پھینکتے گئے اس کے بعد جب تکمیل فن پر پورا بھروسہ ہو گیا تو میدان میں آئے اور جس طرح دین و ادب کی خدمت کی وہ صاحبان نظر سے پوشیدہ نہیں"۔ اپنے والد ماجد کی طرح غزل گوئی کے دلدادہ تھے مگر اس زمانہ میں میر انیس و مرزا دبیر کا عروج تھا اور مرثیہ گوئی کا کافی چرچا تھا اس فضا سے متاثر ہو کر مرثیہ کی طرف خاص توجہ فرمائی اور بہت جلد صنف مرثیہ گوئی میں اپنا نام پیدا کر لیا ان کے مرثیوں کی دو جلدیں گلزار غم، برہان غم آپ کی حیات میں شائع ہوئیں آپ کا انتقال

۲۴ رشعبان ۱۳۰۳ھ کو بمقام لکھنؤ ہوا۔"

۳۔ ادیبؔ۔ سید حیدر میرزا لکھنوی: "میر عشق کے سب سے بڑے بیٹے اور ان کے انداز سخن کے سچے جانشین۔ ادیب کے مرثیے کے نمونے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں تغزل اور لفظوں کے الٹ پھیر کو فن کی شکل دی گئی ہے۔" (اردو مرثیہ ۳۸۰) ان کی ولادت ۱۲۷۸ھ میں ہوئی اور وفات ۲۸ رمحرم ۱۳۱۴ھ یوم جمعہ ہوئی۔

۴۔ مؤدبؔ۔ سید محمد عسکری میرزا لکھنوی: "سید حیدر مرزا ادیب کے بیٹے میر عشق کے پوتے۔ مؤدب کے فن کی تربیت رشید کے ہاتھوں ہوئی رشید نے انھیں اپنی زبان چسائی اور مرثیہ گوئی سکھائی اپنے انداز کی۔ اس لیے ان پر رشید کا رنگ خوب گہرا چڑھا تھا اگر رشید کے یہاں بہار بہار تک ہی رہی لیکن مؤدب کے یہاں تلوار اور گھوڑے تک میں اس کی جھلک ملتی ہے۔" (اردو مرثیہ ۴۱۶)

۵۔ مہذبؔ۔ سید محمد میرزا نام تخلص مہذب خاندان عشق کی ایک فرد باپ کا نام سید محمد عسکری میرزا مؤدب آپ کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا مزاج بھی شاعرانہ واقع ہوا تھا باپ کی توجہ خاص کی وجہ سے ابتدائی عمر میں رونق ممبر ہونے لگے۔ اور ترقی کی منزلوں پر گامزن ہوئے شروع شروع میں تو خاندانی ہی رنگ میں ڈوبے رہے مگر جب زمانہ کا رنگ بدلتا دیکھا تو اسی رنگ پر رفتہ رفتہ اپنی شاعری کا رخ موڑنا شروع کیا اور آج کل آپ کے مراثی زیادہ تر زمانہ حال کے مطابق ہوتے ہیں۔ اردو کی پرزور حمایت کرتے رہتے ہیں اور اس کی بقا کے لیے کوشش فرماتے ہیں اس سلسلہ میں آپ نے متعدد شعراء ماسلف کے ان مرثیوں کو جو زیادہ

تر طبع نہیں ہوئے تھے ان کو شائع کرا کر گذرے ہوئے مرحومین کی یاد کو تازہ کر دیا اور اس طرح سے اردو کی اچھی خاصی خدمت کی ایک انجمن محافظ اردو بھی قائم کی ہے جس کے ذریعہ سے اشاعت کا کام ہوتا ہے۔ ایک لغت بھی اس انجمن سے شائع ہو رہی ہے جس کا نام "تہذیب اللغات" ہے اور اس کا سلسلہ عرصۂ دس سال سے جاری ہے اس وقت اس کی پانچ جلدیں طبع ہو چکی ہیں جو ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔

۶۔ تعشق۔ سید میرزا تعشق لکھنوی۔ "مرثیہ اور غزل دونوں کے استاد لکھنؤ میں سید صاحب کے لقب سے مشہور تھے ناسخ کے شاگرد۔ ان کا کلام جذبات حسن بندش، نزاکت خیال، اور تاثر کی بنا پر مشہور ہے۔ کلام میں سوز و گداز بہت ہے۔ میر انیس ان سے کمال محبت رکھتے تھے"۔ (اردو مرثیہ ۳۷۴) محمد مرزا انس کے دوسرے بیٹے تھے۔

۷۔ عاشق۔ حسن مرزا عاشق

۸۔ صبر۔ علی مرزا صبر

۹۔ صابر۔ احمد مرزا صابر

۱۰۔ رشید۔ سید مصطفےٰ مرزا عرف پیارے صاحب ابن سید احمد میرزا صابر۔ "رشید انیس کے نواسے اور سید محمد مرزا انس کے پوتے تھے ددھیال غزل گو اور ننھیال مرثیہ گو رشید کے ورثہ میں دونوں رنگ آئے۔ جنھیں انھوں نے مرثیہ میں اس انداز سے سمویا کہ مرثیہ گنگا جمنی ہو گیا۔ یہ رنگ ایسا پسند آیا کہ لوگ رشید کے کلام پر سر دھننے لگے ان کے یہاں بہاریہ اور ساقی نامہ کا رنگ اتنا گاڑھا اور گہرا ہے کہ مرثیے کے دوسرے مقامات ماند پڑ گئے ہیں (اردو مرثیہ ۳۸۲)

۱۱۔ شدید لکھنوی۔ نام سید سجاد حسین۔ تخلص شدید۔ والد محترم کا نام سید فرزند حسین فردوس مرحوم پیارے صاحب رشید کے نواسے ہیں۔ ریاض شدید حصہ اول میں صفحہ ۱۱ پر جناب مولوی سید احمد صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"مرثیہ کے اس دور آخر میں بقیۂ سلف و خیر خلف ملک الشعرا جناب شدید صاحب دام مجدہ کی وہ قابل قدر و احترام ہستی ہے جن کی پرواز نظم بہت بلند ہے، فکر بہت عمیق ہے جو خاندانِ عشق و انیس و تعشق و رشید کا مجموعہ عطر ہیں۔ آج وہ اپنے اسلاف کے کارناموں کو حسین و جمیل صورت میں پیش فرماتے ہیں۔"

جناب شدید ایک باکمال، بلند پایہ، مستند مرثیہ گو، مرثیہ خوان ہیں جن کے کلام میں اکثر رنگ انیس چمکتا ہے اور کہیں رنگ تعشق ٹپکتا ہے کہیں جناب رشید کی خصوصی بہاروں کا پھول جھکتا ہے کبھی کبھی حریت و انقلاب کی فرمائش بھی آپ بہت حسین طریقے سے پوری کر دیتے ہیں۔ مگر اس طرح کہ قدیم جادۂ رثا سے بہکتا ہے نہ حدود مرثیہ سے بھٹکتا ہے۔

آپ بڑی آن بان کے انسان ہیں موجودہ اقتصادی پریشانیوں کے باوجود آج تک کسی پر اپنی پریشانی کا اظہار نہیں کیا نہایت قلیل آمدنی پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مستغنی مزاج متوکل علی اللہ ہیں بڑے ملنسار و وضعدار خاندانی تہذیب کا نمونہ اپنی مثال آپ ہی ہیں۔ طرز خواندگی مثل دولہا صاحب کے ہے۔ جو بے نظیر ہے۔

۱۲۔ حمید۔ باقر مرزا لکھنوی۔ صابر کے صاحبزادے اور محمد مرزا

انیسؔ کے پوتے اور میر انیسؔ کے حقیقی نواسے تھے لیکن دادھیال ہی کے شعر و سخن کے مرہونِ منت رہے تعشقؔ نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور اولاد ہی کی طرح تکمیلِ فن پر محنت کر کے ان کو تیار کیا تھا۔ ۲۵ر صفر ۱۳۲۹ھ کو ستر سال کی عمر میں انتقال کیا۔

دیگر مشہور مرثیہ گو ماضی و حال

ا۔ ضمیرؔ۔ میر مظفر حسین لکھنوی۔ آپ کے والد کا نام سید قادر حسین تھا ضلع گڑگاؤں کے ایک دیہات پنگوڑ کے رہنے والے تھے۔ فیض آباد کے دیوان الماس خواجہ سرا کے ملازم ہو گئے اور انھیں کے ساتھ لکھنؤ آئے۔ جب میر قادر حسین لکھنؤ آئے اس وقت ان کی عمر دس سال کی تھی آپ کا انتقال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵ء بمقام لکھنؤ ہوا اور محلہ مفتی گنج کی ایک چھوٹی سی مسجد میں دفن ہوئے۔ یہ مسجد آج بھی میر ضمیر کی مسجد کہی جاتی ہے۔ میر ضمیر کو شعر کہنے کا شوق اس لیے پیدا ہوا کہ وہ مرثیہ اور سلام کہہ سکیں اس غرض کو لے کر مصحفی کے پاس پہنچے مٹھائی سامنے رکھی اور شاگرد ہو گئے۔ میر ضمیر مرثیہ کہنے میں اپنے ہمعصروں سے بازی ہی نہ لے گئے بلکہ مرثیہ گوئی میں نئی راہیں پیدا کیں اور نئے راستے کھول دیئے۔ ضمیر نے جب مرثیہ کہنا شروع کیا تو لکھنؤ کی فضا مرثیہ گوئی سے رچی ہوئی تھی اور بہت سے مرثیہ کہنے والے اپنے فن کے جوہر دکھا رہے تھے۔ ضمیر کے دل میں چٹک شروع ہی سے لگی ہوئی تھی کہ مرثیہ گوئی کے میدان میں اوروں سے بازی لے جائیں اس لگن نے انھیں نئے راستے ڈھونڈھنے اور نئی راہیں نکالنے کی طرف متوجہ کیا اس وقت مرثیہ کا پیکر یوں تھا۔ واقعات، روایتیں، رخصت، لڑائی

بین، چہرہ۔ گو سودا نے مرثیوں میں کہیں کہیں کہا ہے مگر اس وقت تک مرثیہ کہنے میں مستقل جگہ نہ پا سکا تھا میر ضمیر نے ان سب باتوں پر غور کر کے مرثیہ کا نیا گینڈا اختیار کیا جس میں چہرے کو سب سے پہلے جگہ ملی۔ پھر سراپا آیا اس کے بعد گھوڑے اور ہتھیاروں کی تعریف جن میں ان کا سراپا بھی لکھا جاتا۔ جنگ کا رزمیہ کے انداز میں بیان، واقعہ نگاری۔ اس طرح میر ضمیر نے مرثیے کو نیا چولا عطا کیا اور مرثیہ گوئی کو مستند فن بنا دیا ضمیر کی اس کوشش میں اس وقت کے لکھنؤ کی فضا کو بڑا دخل ہے۔ رنگین طبیعتیں سیدھے سادھے انداز بیان اور محض مال کار سے سیر نہ ہوئیں دُوکھا، پھیکا مرثیہ اور وہ بھی سخت الفاظ میں اچھا نہ لگتا ضمیر نے پرانی چیزوں کو نکھارا کچھ نئی باتیں داخل کیں اور مرثیہ گوئی کی وہ داغ بیل ڈال دی جس میں میر انیس کے فنکار قلم نے اردو شاعری کا "تاج محل" کھڑا کر دیا لیکن یہ بھی زمانہ کی کتنی بڑی نا انصافی ہے کہ میر ضمیر کو اردو شاعری میں تو کیا خود مرثیہ گوئی میں ان کی کاوش کے مطابق جگہ نہ دی گئی"۔ (اردو مرثیہ ۲۸۵،۲۸۶)

۲۔ کامل۔ علی میاں لکھنوی۔ "کامل کو شاعری سے اور مرثیہ گوئی سے تو فطری دلچسپی تھی ہی اس کے ساتھ ہی انھیں اس وقت کے علوم پر بھی اچھا خاصا عبور تھا۔ اس لیے کہ باپ مجتہد تھے۔ گھر میں علم کا چرچا تھا کامل کے مرثیوں کا معیار خاصا اونچا ہے مگر خاندان انیس کا اثر لوگوں کے دلوں پر اتنا گہرا تھا کہ کامل نے ہزار زور مارا میر نفیس سے لاکھ معرکے رہے مگر ایک پیش نہ چلی۔ نفیس مشہور ہوئے اور کامل گمنامی میں رہے"۔ (اردو مرثیہ ۳۷۶)

۳۔ حسین۔ سید صادق علی عرف جھنگا لکھنوی۔ "جائس ضلع رائے بریلی کے رہنے والے تھے۔ لکھنؤ ہی میں بس گئے تھے حسین بالکل ان پڑھ تھے لیکن طبیعت

کے زور اور ماحول نے بہت حد تک اس کمی کو پورا کر دیا تھا اپنا مرثیہ دوسرے سے لکھوا لیتے، پڑھنے کا حال یہ تھا کہ منبر کے پاس کوئی لکھا مرثیہ لے کر کھڑا ہو جاتا اشارہ ملتے ہی یہ بند کے بند پڑھ جاتے پھر اشارہ مل جاتا یہ آگے بڑھ جاتے" (اردو مرثیہ ۴۱۵)

۴۔ **محب**:۔ نام محمد علی محمد خان تخلص محب المعروف بہ مہاراجہ صاحب محمود آباد سر راجہ محمد امیر حسن خاں آپ کے والد ماجد تھے جو خود بھی شاعر تھے اور آپ کے والد راجہ محمد نواب علی خاں بھی بلند پایہ شاعر تھے۔

مہاراجہ صاحب کی ولادت ۱۲۹۶ھ میں محمود آباد میں ہوئی عربی، فارسی انگریزی کی تعلیم ماہرین اساتذہ کے ذریعہ سے گھر پر ہوئی چونکہ گھر میں مرثیہ گوئی کا تین پشتوں سے چرچا چلا آرہا تھا لہذا خود فطری طور سے ماحول کا اثر آپ پر بھی ہوا اور آپ شاعری کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ابتدا غزل سے ہوئی۔ نوجوان۔ لائق۔ ہونہار بھائی کے انتقال سے اتنا متاثر ہوئے کہ غزل گوئی ترک ہو گئی لیکن چونکہ مذاق شاعری موجود تھا اس نے مرثیہ کہنے کی طرف مائل کر دیا۔ آپ اپنے مرثیے پر جناب عارف صاحب سے اصلاح لینے لگے کلام جتنا مقبول تھا پڑھنا بھی اسی قدر دلکش انداز کا تھا آپ کے مراثی جو طبع ہوئے ہیں دیکھنے کے قابل ہیں۔ آپ کے پڑھنے کی مجلسیں یادگار ہو گئیں شائقین کا ہجوم ہو جایا کرتا تھا اور اہل فن حضرات نہایت مسرور و محظوظ ہوتے تھے آپ کا انتقال ۲ محرم ۱۳۵۱ھ میں بمقام محمود آباد ہوا آپ کے بڑے صاحبزادے راجہ محمد امیر احمد خاں بہادر و چھوٹے صاحبزادے مہاراج کمار محمد امیر حیدر خاں یہ دونوں بزرگوار نہایت ذی علم و باکمال شاعر ہیں ذاکری میں بھی دونوں بلند پایہ رکھتے

ہیں بہت سے مرثیے ان حضرات نے کہے ہیں مجلسوں میں مومنین کی درخواست پر بلا تصنع و تکلف بہ خلوص ذاکری پر آمادہ ہو جاتے ہیں یہ عزائے حسینؑ سے دلچسپی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

۵۔ خبیرؔ۔ سید سرفراز حسین تاریخی نام "مظفر الدین" تخلص خبیرؔ ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۸۹۷ء بروز جمعہ (نخاس) لکھنؤ میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلۂ نسب میر عبد المجید کلید بردار روضۂ رضویہ ایران (مشہد مقدس) سے ملتا ہے اسی لیے یہ خاندان رضوی مشہور ہو گیا۔ اگرچہ یہ نقوی ہیں۔

آپ کے جد اعلیٰ میر احمد عہد "بابر" میں ہندوستان آئے آپ کے نانا میر اصغر علی خاں "اعجاز" مستند مرثیہ گو تھے اور حضرت ناسخؔ کے شاگرد تھے یہ سلسلہ نواب شجاع الدولہ تک پہنچتا ہے بچپن ہی سے ادبی ماحول پایا آپ کے والد سید اعجاز حسین اعجازؔ نے بچے کی قدرتی ذہانت اور شاعرانہ مزاج دیکھتے ہوئے حضرت اوجؔ جانشین حضرت دبیرؔ کا شاگرد بنوایا۔

آپ نے استاد ہی کے سامنے مجالس پڑھنا شروع کر دی تھیں اور لکھنؤ نیز قرب و جوار میں شہرت حاصل کر لی تھی استاد کے انتقال کے بعد ہندوستان اور یوپی کے ہر شہر میں اپنی ذاکری اور کلام سے اہل ادب حضرات کو موہ لیا تعلقداران اودھ بڑی محبت اور قدر فرماتے رہتے خاص کر الحاج راجہ سید احمد علی خاں مرحوم ریاست سلیم پور اور الحاج چودھری سید ارشاد حسین صاحب مرحوم تعلقدار نوندی تو تا حیات اپنے امام باڑوں میں خبیرؔ کو پڑھواتے رہے قصیدے اور تاریخیں لاتعداد کہیں۔ سلام اور رباعیاں بھی بہت کہیں اور مرثیے کافی تعداد

میں کہے مرثیے میں دبیر اسکول کی خصوصیتوں کے ہمیشہ حامل رہے معتبر روایات اور واقعات کو ہمیشہ خود نظم فرماتے تھے اور شاگردوں کو سختی سے خوب تاکید تھی حالات حاضرہ سے باخبر رہتے تھے زمانے کے بدلتے ہوئے رجحانات کو خوب سمجھتے تھے اور زمانے کے لحاظ سے اپنے مراثی کو وقت کے ساتھ رنگ دیتے رہے اسی لیے ان کی شاعری اور مرثیہ خوانی آخر وقت تک شہرت حاصل کرتی رہی۔

جبیر کی وفات۔ سفر بریلی زندگی کا آخری سفر تھا۔ نواب بنو صاحب کے امام باڑے میں ۴ محرم کی شب میں اپنے مخصوص انداز میں مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ یکایک قلبی دورہ پڑا اور منبر سے گر گئے مومنین شہر اور متولی امامباڑہ فوراً ضلع اسپتال لے گئے وہاں بہت اعلیٰ پیمانہ پر علاج ہوا اور روبصحت بھی ہو چلے تھے لیکن اللہ کی مشیت کچھ اور ہی تھی " ذاکر اہلبیتؑ " کو خدمت امام حسینؑ میں جانا تھا آخر کار ۶ صفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۷ جون ۱۹۶۵ء بروز دوشنبہ بوقت ۱۱½ بجے دن کو یہ دنیائے مرثیہ خوانی کو تاریک کر کے جنت کو سدھار گئے بریلی سے لکھنؤ میت آئی اور ۸ جون ۱۹۶۵ء بروز شنبہ کو اپنے والد سید اعجاز حسین اعجاز کی قبر کے پائینتی شبیہ جنت البقیع میں (تالکٹورہ روڈ) سپرد خاک ہوئے۔

۶۔ نسیم امروہوی۔ قائم رضا نام۔ تخلص نسیم۔ امروہہ ضلع مرادآباد کے رہنے والے اپنے جد اعلیٰ شمیم امروہوی کے شاگرد بسلسلہ ملازمت مستقلاً لکھنؤ میں رہتے تھے مرثیہ گوئی میں لکھنؤ کا پرانا رنگ ابتدائً رہا بعد کو زمانہ کا رنگ دیکھتے ہوئے کچھ جدید رنگ کی جھلک نظر آنے لگی آپ ہی نے سب سے پہلے سرکار نجم الملت کی وفات پر ایک مسدس کہا اس کے بعد سرکار ناصر الملت

کی وفات پر دوسرا مسدس نظم فرمایا ایک مرثیہ جناب فاطمہ زہراؑ کے حال میں نظم فرمایا جس کو پہلی بار حسینیہ ارشادیہ ردولی میں پڑھا جس میں بجائے ساقی نامہ کے سہرا نظم کیا جس کو سامعین نے بہت پسند فرمایا تقسیم ہند کے بعد پاکستان تشریف لے گئے اور وہیں مقیم ہیں اور وہاں بھی صف اول کے شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۷۔ رضا لکھنوی۔ آل رضا نام۔ جسٹس محمد رضا کے بڑے صاحبزادے نیوتنی ضلع اناؤ کے رہنے والے لکھنؤ کے مشہور وکیل۔ ابتدا میں صرف غزل کہتے تھے ایک بارگی مرثیہ کی طرف توجہ کی۔ اور اپنا پہلا مرثیہ قیصر باغ لکھنؤ میں پڑھا اگرچہ اس مجلس میں صرف اونچے طبقے کے پڑھے لکھے لوگ شریک ہوئے مگر بعد میں اس مجلس کی بیحد شہرت ہوگئی اور آپ کو متعدد جگہ شہر میں اسی مرثیہ کو پڑھنا پڑا جس کو پرانے مکتب کے شعرا نے بجائے مرثیہ کے مسدس کا نام دیا اور اسی نام سے یہ مشہور ہوا اس میں نہ چہرہ تھا نہ ساقی نامہ کا کوئی بند نہ گھوڑے و تلوار کی تعریف نہ رخصت کا منظر بالکل ایک نیا راستہ اختیار کیا چونکہ ایک نئی چیز پیش کی لہٰذا تعریفوں کے پل بندھ گئے اور عام طور سے بیحد پسند کیا گیا ۱۹۴۷ء میں آپ پاکستان چلے گئے اور وہاں بھی اپنے رنگ میں کافی مشہور ہیں۔

۸۔ جوشؔ۔ نام شبیر حسن خاں۔ ملیح آباد ضلع لکھنؤ کے رہنے والے سنی المذہب، امام حسینؑ سے بیحد محبت و عقیدت رکھنے والے اور اسی کے تحت بہت سے مسدس امام حسینؑ کے سلسلہ میں نظم کیے جن کے مختلف نام رکھے جو بہت ہی پسند کیے گئے اور اس کی وجہ سے کافی شہرت حاصل ہوئی جو رنگ تیس۳۰ سال قبل اختیار کیا تھا اس کو موجودہ دور میں بہ فخر اپنایا جا رہا

ہے آپ اب پاکستان چلے گئے ہیں اور پاکستان جانے سے قبل آپ نے
مذہب شیعہ اختیار کرلیا آپ کو شیعیت کی طرف مائل کرنے والی صرف
سیرت حسینی تھی جس کے آپ بہت دلدادہ تھے جو مسدس آپ نے کہے
ہیں اس میں جن موزوں الفاظ سے حضرت امام حسینؑ کو یاد کیا ہے وہ
اپنی جگہ پر اپنی مثال آپ ہی ہیں۔

۹ حسان جونپوری۔ سید محمد محسن نام۔ حسان تخلص ۱۹ جولائی ۱۹۱۸ء
مطابق ۸ شوال ۱۳۳۶ھ بمقام جونپور ولادت ہوئی آپ کے والد
سید محمد ناصر علی ذوالقدر بہادر جونپور کے رئیس اعظم اور ممتاز خاندان
کے فرد ہیں زبان و بیان پر کافی عبور حاصل ہے۔ حسان کے پردادا
سید محمد محسن ذوالقدر بہادر (۱۲۴۰ھ۔ ۱۳۳۰ھ) اپنے زمانہ کے نہ
صرف صاحب جاگیر، خطاب یافتہ اور ذی حیثیت و بارسوخ شخص تھے
بلکہ صاحب علم و فضل اور بلند پایہ شاعر بھی تھے مرثیہ گوئی میں توانھیں
ایک فنکار کی حیثیت حاصل تھی آپ کے تقریباً پچاس مرثیے ہیں اس کے علاوہ
بہت سے سلام، رباعیاں اور مخمس بھی نظم فرمائے مرحوم میر انیس کے
ارشد تلامذہ سے تھے اس کے علاوہ میر انس اور میر مونس سے بھی شرف
تلمذ حاصل تھا موصوف نے میر صاحب سے کلام پر اصلاح کے علاوہ فن
خواندگی بھی کماحقہ سیکھا اور اپنے پوتے سید محمد ناصر علی ذوالقدر بہادر
(حسان کے والد) کو ۴۔ ۵ سال کی عمر ہی سے تعلیم دیا اس طرح میر انیس
میر مونس اور میر انس اور حسان کے درمیان صرف دو واسطے پائے
جاتے ہیں چونکہ محمد محسن ذوالقدر بہادر کے طریقہ مرثیہ خوانی میں طرز میر انیس
اور میر انس کی جھلک پائی جاتی تھی لہذا حسان میں دونوں صاحبان کمال

کی طرز خواندگی کا ملا جلا انداز بھرپور طور پر پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حسان نہ صرف دور حاضر کے ماہر مرثیہ گو ہیں بلکہ طرز خواندگی بھی بے مثل ہے جس وقت مرثیہ پڑھنے لگتے ہیں تو حسن ادا کا کمال یہ ہے کہ مضمون کا نقشہ سامعین کی نظروں میں پھر جاتا ہے اور بے ساختہ واہ واہ کی صدائیں بلند ہو جاتی ہیں ابتدائی تعلیم مشہور عالم دین و مجتہد مولانا سید محمد شبر صاحب مرحوم ردولوی اور مفتی اعظم احمد علی صاحب مرحوم سے حاصل کی اور بعد میں مولانا سید محمد عابد شبر صاحب (سابق ڈین علی گڈھ مسلم یونیورسٹی) سے تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

آپ نے ابتداً مولوی۔ عالم۔ منشی کامل۔ اور اعلیٰ قابلیت کی ڈگریاں حاصل کیں گورنمنٹ کالج جونپور سے ہائی اسکول ایونگ کرسچین کالج الہ آباد سے انٹرمیڈیٹ الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے ۶۲ء میں ایم اے کیا۔

حسان میں مرثیہ کا ذوق خواندگی اور شعور شاعری بالطبع ودیعت تھا ادبی و شاعرانہ ماحول نے اس ذوق کو ایسا نکھارا کہ ان کا طرز خواندگی نقطۂ کمال پر پہنچ گیا۔ ابتدا میں زیادہ تر اپنے جد اعلیٰ اور کبھی کبھی میر صاحب مرحوم کے مرثیے ہی صرف مجالس میں پڑھا کرتے تھے لیکن ۱۹۶۰ء اور احباب کے اصرار اور فطری ذوق سلیم کی وجہ سے ۱۹۶۰ء سے مرثیے کہنا شروع کیے اس وقت آٹھ مرثیے کافی رباعیاں اور سلام آپ کے ہیں۔

حسان کے خاندان میں ان کے جد اعلیٰ کے علاوہ بھی کئی نامور مرثیہ گو حضرات ہوئے ہیں۔ حسان کے دادا سید محمد احسن احسن جونپوری

متوفی سنہ ۱۹۳۰ء مطابق سنہ ۱۳۱۹ھ نے اٹھائیس سال کی عمر میں چار مرثیے اور چند سلام تصنیف فرمائیے تھے ان کے علاوہ سید علی حامد صاحب جونپوری اور سید علی ضامن صاحب ضامن ترمذی قابل ذکر مرثیہ گو گذرے ہیں۔

⁂

شاہانِ اودھ

اور

ترقیٔ عزا میں اُن کا حصّہ

عزاداری کی جو ترقی اودھ اور خاص کر لکھنؤ کو حاصل ہوئی اور جس کی وجہ سے لکھنؤ شیعوں کا مرکز ہوا اس کا سہرا شاہان اودھ کے سر ہے جو ایرانی النسل تھے اور جن کا نسب نامہ امام موسیٰ کاظمؑ سے ملتا ہے اور ان کے مورث سید شمس الدین کو شاہ اسمٰعیل صفوی نے نیشاپور کا قاضی القضات مقرر کیا تھا اور بعد کو ان کی اولاد بھی شاہان صفوی سے منسلک رہی اور بڑی عزت کی جگہوں پر معمور ہوتی رہی شاہان اودھ کے علاوہ تمام افراد خاندان شاہی وارا کین سلطنت نے اپنے اپنے عہد میں ہمیشہ عزاداری کی طرف توجہ رکھی اور حسب ذیل طریقوں سے عزائے حسینؑ کو منزل عروج پر پہنچایا جس کی وجہ سے رہتی دنیا تک شاہان اودھ کو لوگ یاد کرتے رہیں گے۔

نواب آصف الدولہ نے سب سے پہلے یہ طریقہ اختیار کیا کہ شب عاشور تعزیوں کی زیارت کے لیے جانے لگے اور تعزیوں پر حسب حیثیت نذر

چڑھائی جس کے نتیجے میں تعزیہ داری کو فروغ ہونے لگا کچھ تو اس لحاظ سے تعزیہ رکھنے لگے کہ ہمارے یہاں بادشاہ آئیں گے اور کچھ اس لیے رکھنے لگے کہ ایک کثیر رقم بادشاہ کی جانب سے چڑھاوے کی حاصل ہوگی جب مومنین میں دلچسپی کی لہر دوڑ گئی تو عوام میں تعزیہ داری پھیلانے کے لیے مندرجہ ذیل صورتیں اختیار کی گئیں جو نہایت کامیاب ثابت ہوئیں اور جس نے واقعات کربلا کے مقاصد کو بہت بڑی حد تک روشناس کرایا۔

جن کو لحن اور خوش آوازی سے دلچسپی تھی ان کی توجہ کو موڑنے کے لیے سوز و نوحہ جاری کیا گیا جن کو ادب سے لگاؤ تھا ان کو نظم و نثر کے ذریعہ سے عزاداری کے قریب کرنے کی سعی کی گئی جن کو شاعری سے رغبت تھی ان کو رباعی، سلام، اور مسدس وغیرہ کے ذریعے عزا کی طرف مائل کیا گیا وسیع سے وسیع تر بنانے کے لیے مجالس عزاداری میں ایسے لوازمات قائم کیے گئے کہ جس سے کوئی پیشہ ور اور کسی طبقے کی کوئی فرد چھوٹنے نہ پائے مثلاً روضۂ مبارک کی شبیہ مختلف عنوانات سے بنوائی گئیں جس کا نام تعزیہ ہوا اس کے ماہرین فن پیدا ہوئے۔ اور ایک مستقل روزگار قائم ہو گیا جس میں کافی لوگ لگ گئے اور ان کا میلان و رجحان عزا کی طرف پیدا ہوا اس صنعت کو لکھنؤ میں ابتداءً فروغ حاصل ہوا اور ہر قسم کے تعزیے بننے لگے اور ماہرین نے اس میں طرح طرح کی جدتیں کیں خوب نام پیدا کیے اس وقت بھی لکھنؤ کی یہ صنعت تمام ہندوستان میں مشہور ہے یہ کام ہندوستان میں مخصوص عزاداری سے ربط رکھتا ہے جس کے ذیل میں لاتعداد لوگوں کی پرورش ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ شہرت عزا کا باعث ہے۔ مثلاً تقسیم تبرک۔ چاندی سونے کے پنجے، تعزیے اور زردوزی و کامدانی

کے کام کے پٹکے وپھریرے۔ پھولوں کے سہرے وچادریں وغیرہ وغیرہ کے استعمال نے فروغ عزاداری کے مفید ذرائع پیدا کئے بے روزگاری کا انسداد ہونے لگا قوم وملک میں ترقی شروع ہوئی باجہ ہندوستان میں بڑے بڑے جلوس میں ہوتا تھا اور خاص کر کسی بڑے شخص کے مرنے پر اس کے اظہار مرتبہ کے سلسلہ میں اس کے جنازہ کے ساتھ رہتا تھا اس پر غور کرتے ہوئے جلوس عزا میں لگایا گیا اس کی ایک مخصوص آواز پر از غم ہوتی ہے جس میں کسی قسم کی مسرت نہیں پیدا ہوتی بلکہ رنج وعلم طاری ہوتا ہے جس سے وہ لوگ خوب واقف ہیں جو اس میں مہارت رکھتے ہیں باجہ کا استعمال بہت بڑی اکثریت کو عزاداری کی طرف مائل کرنے کا سبب بن گیا شب عاشور کی روشنی وسجاوٹ اور آرائش نے ترقی عزا میں کافی زور پیدا کیا غرض یہ کہ اگر غور کیا جائے تو بڑی آسانی سے ہر شخص کی سمجھ میں یہ آسکتا ہے کہ موجودہ رسومات نے عزائے حسینؑ کے فروغ میں کس قدر مدد دی اور انہی وجوہات کی بنا پر اودھ سے یہ طریقہ نکل کر سارے ہندوستان میں پھیل گیا مذکورہ بالا چیزوں سے عزاداری کا دینی ودنیوی مفاد پوشیدہ نہیں رہ جاتا۔

اودھ پہلے ایک صوبہ تھا جس کی بنیاد سعادت خاں نے ۱۷۲۰ء میں ڈالی تھی جس کا دار الحکومت فیض آباد تھا جو شاہان مغلیہ کے زیر حکومت تھا جس کے پہلے وزیر نواب سعادت خاں ہوئے اور دوسرے وزیر مرزا مقیم حیدر جنگ ہوئے اور ان کے بعد سلسلہ حسب ذیل طریقہ سے قائم ہوا۔

۳۔ نواب شجاع الدولہ مرزا جلال الدین حیدر۔

ولادت ۱۱۴۴ھ تخت نشینی ۱۱۶۷ھ وفات ۲۵ ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ

مقام دفن گلاب باڑی فیض آباد۔

آپ کی شادی امۃ الزہرا بیگم سے ہوئی جن کا خطاب بہو بیگم صاحبہ تھا اور انھیں کے بطن سے نواب آصف الدولہ پیدا ہوئے دوسری بیگم سے نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں پیدا ہوئے ان دونوں حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے لڑکے لڑکیاں مختلف بیگمات سے تھے آپ کے عہد میں جواہر علی خاں خواجہ سرا نے ایک امام باڑہ فیض آباد میں تعمیر کرایا جو اس وقت بھی موجود ہے اور عزاداری ہوتی ہے۔

۴۔ نواب آصف الدولہ مرزا یحییٰ علی خاں

ولادت ۱۱۶۶ھ بمقام فیض آباد تخت نشینی ۲۵ ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ بمقام فیض آباد وفات ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ بمقام لکھنؤ ہوئی اور اپنے امام باڑہ موسومہ امام باڑہ آصف الدولہ بہادر میں دفن ہوئے۔

آپ نواب شجاع الدولہ بہادر کے بڑے صاحبزادے تھے شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوئے چند سال فیض آباد میں رہ کر حکومت کی۔ مگر ماں اور دادی سے برابر اختلاف رہا تھا جس کی وجہ سے فیض آباد کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ چلے آئے اور لکھنؤ کو پایۂ تخت قرار دیا۔ ۱۷۸۴ء میں بہت بڑا قحط پڑا جس کی وجہ سے سب ہی لوگ پریشان ہو گئے رحم دل نواب نے مچھی بھون میں ایک امام باڑہ کی تعمیر شروع کر دی جس میں رات دن کام ہوتا تھا شرفا خود اور ان کے یہاں کی مستورات پردہ شب میں آتی تھیں اور چند ٹوکری اٹھانے پر ان کو کافی روپیہ مل جاتا تھا جس کی وجہ سے بہت جلد پریشانی دور ہو گئی اس امام باڑہ کا نقشہ کفایت اللہ خاں دہلوی نے بنایا تھا جو سات سال میں بن کر تیار ہوا اور لاکھوں روپیہ

اس کی لاگت پر صرف ہوا اس کے بعد ایک مسجد، رومی پھاٹک اور باؤلی وغیرہ کی عمارتیں تیار ہوئیں۔

امام باڑہ میں خاص بات یہ ہے کہ اس کی چھت بغیر لکڑی اور لوہے کی مدد کے بنائی گئی یہ دالان جس کی لمبائی ۱۸۰ فٹ چوڑائی ۶۰ فٹ اس کی چھت کی وسعت ۱۶ فٹ سے ۵۲ فٹ تک ہے اور دنیا میں اپنی مثال آپ ہے اس کی آرائش پر لاکھوں روپیہ صرف کیا گیا مگر اس کی بقاء کے لیے کوئی وقف نہیں کیا گیا اب مجالس وغیرہ حسین آباد ٹرسٹ کی جانب سے ہوتی ہیں اور علاوہ مسجد کے کل عمارت محکمہ تحفظ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے اس عمارت کو دیکھنے کے لیے روزانہ سیکڑوں آدمی آتے ہیں چونکہ اس میں "بھول بھلیاں" بھی ہیں جس کو دیکھنے کے لیے ٹکٹ خریدنا ہوتا ہے اور اب اس سے کافی آمدنی ہوتی ہے نواب آصف الدولہ کو عزاداری سے بیحد دلچسپی تھی اور ایام محرم میں لاکھوں روپیہ عزاداری پر صرف کیا جاتا تھا آپ کی سخاوت کا اب تک چرچا ہے آپ نے نجف اشرف عراق میں ایک نہر ۱۶ فرسخ یعنی ۴۸ میل کی دریائے فرات سے نکلوائی جس کی وجہ سے نجف میں پانی کی جو کمی تھی وہ دور ہو گئی اس نہر کا نام نہر آصفی تھا اب یہ نہر باقی نہیں ہے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے وزیر علی خاں وارث قرار پائے مگر صرف پانچ ماہ حکومت کی اور بعد کو تخت سے اتار دیئے گئے۔

۵۔ نواب سعادت علی خاں۔

ولادت ۱۱۶۷ھ بمقام فیض آباد تخت نشینی ۳ر شعبان ۱۲۱۲ھ بمقام لکھنؤ وفات ۲۱ر رجب ۱۲۲۵ھ مقام دفن مقبرہ سعادت علی خاں واقع قیصر باغ۔

آپ نواب شجاع الدولہ کے صاحبزادے تھے وزیر علی کے تخت سے معزول کیئے جانے کے بعد اودھ کی حکومت آپ کو ملی ایک بار علیل ہوئے اور بعد صحت بغرض زیارت درگاہ حضرت عباسؑ تشریف لے گئے جو اس وقت خام تھی آپ نے حکم دیا کہ درگاہ ازسر نو تعمیر کی جائے چنانچہ اس پر عمل ہوا اور نئی عمارت تیار ہوگئی گنبد اور پھاٹک بھی بنایا گیا جس کی وجہ سے عمارت بیحد شاندار ہوگئی اس کی آرائش وغیرہ پر کافی روپیہ صرف کیا گیا یہ درگاہ بہت زیادہ مقبول خاص عام ہے اور ابتک نوچندی کے دن ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے۔ اس کی زیارت کے لیے ایام مخصوص میں کافی لوگ جاتے ہیں۔

۶۔ شاہ غازی الدین حیدر۔

ولادت ۱۱۸۸ھ بمقام بسولی (روہیلکھنڈ) تخت نشینی ۲۶ رجب ۱۲۲۹ھ بمقام لکھنؤ وفات ۱۲۴۳ھ مقام دفن شاہ نجف لکھنؤ۔ نواب سعادت علی خاں کے صاحبزادے تھے جب آپ نے عنان حکومت لی اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے بادشاہ کا لقب عطا ہوا آپ نے دریائے گومتی کے کنارے ایک امام باڑہ بنوایا جس کا نام شاہ نجف رکھا جو حضرت علیؑ کے روضہ کی نقل ہے اور اس کی آراستگی و سجاوٹ پر بے شمار روپیہ صرف فرمایا اور اس کی بقاء کے لیے ۱۸۱۴ء میں ایک کروڑ آٹھ لاکھ پچاس ہزار روپیہ کمپنی کو دیا تاکہ اس کے منافع سے اخراجات آئندہ پورے ہوتے رہیں ونیز ۱۸۲۹ء میں ایک کروڑ روپیہ اور کمپنی کو اپنے متعلقین کے وثیقہ کے لیے دیا۔ ان دونوں رقوم کا منافع اس وقت تک ملتا ہے اور بموجب منشاء کل امور حسین آباد ٹرسٹ کے ذریعہ انجام پاتے ہیں شاہ نجف کی عمارت سے کچھ فاصلہ پر ایک عمارت قدم رسولؐ کے نام سے تعمیر ہوئی تھی مگر زمانہ غدر میں یہ عمارت مسمار ہوگئی صرف کچھ حصہ ایک بلندی

پر باقی ہے جو حدود بوٹانیکل گارڈن کے اندر آگیا ہے شاہ نجف ہی کے اندر آپ کی تین بیگمات کے قبور بھی ہیں۔

۷۔ شاہ نصیر الدین حیدر

ولادت ۲۲ر جمادی الاول ۱۲۱۸ھ بمقام لکھنؤ تخت نشینی ۲۸ر ربیع الاول ۱۲۴۳ھ وفات سہر ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ دفن کربلا نصیر الدین حیدر ڈالی گنج لکھنؤ۔

آپ شاہ غازی الدین حیدر کے بڑے صاحبزادے تھے مگر شاہ مذکور آپ سے ناخوش رہا کرتے تھے اور خیال یہ تھا کہ نواب محسن الدولہ نبیرۂ غازی الدین حیدر کی طرف سلطنت منتقل ہو گی یہ امر شاہ نصیر الدین حیدر کے لیے پریشان کن تھا آپ نے منت مانی تھی کہ اگر تخت شاہی مجھ کو ملا تو میں اربعین تک عزاداری کروں گا دعا مستجاب ہوئی اور بعد وفات غازی الدین حیدر ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ نصیر الدین حیدر کو شاہ مرحوم کا جائز وارث قرار دے کر تخت سلطنت پر بٹھا دیا آپ نے ایفائے نذر میں اربعین تک عزاداری کو بڑھا دیا اور یہی سلسلہ بعد کو بھی قائم رہا آپ نے ایک سبز بلور کا ڈھلا ہوا تعزیہ انگلستان سے بنوایا تھا جس پر جڑاؤ کام ہوا تھا اس کے علاوہ نقرئی گنگا جمنی تعزیے و علم سیکڑوں کی تعداد میں تھے جو روشنی میں بہت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے امام باڑہ کا کچھ سامان صرف دسویں محرم کو تعزیے کے جلوس میں جاتا تھا مرزا رجب علی بیگ سرور فسانۂ عجائب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"دارالدولہ امام کی درگاہیں ایسی بنائی کہ چرخ گردوں کو خواب میں نظر آئی بجز غم حسینؑ شہزادہ کو اور غم نہیں کوئی اس زمانہ میں شاد و خرم نہیں اربعین تک عزاداری ہوتی ہے خلق خدا ماتم میں روتی ہے لاکھوں روپیہ اس راہ

میں صرف ہوتا ہے ہر معصوم کی ولادت و وفات پر لاکھ لاکھ روپیہ کا صرف ہے اس کی ہمت کے آگے فیاضیاں گذشتہ پر حرف ہے چونکہ زمانہ خوشحالی اور فارغ البالی کا تھا اس لیے ہر شخص اپنا تعزیہ شاندار جلوس کے ساتھ اٹھانے پر زور دے رہا تھا" شاہ کا خیال تھا کہ دریائے گنگا کا پانی نہر کے ذریعہ سے لکھنؤ لایا جائے تاکہ لکھنؤ ہندوؤں کا بھی متبرک مقام ہو جائے جس کے لیے کام شروع ہو گیا اور کافی حصہ بنا بھی مگر کام اختتام تک اہلکاران کی عدم توجہی کی وجہ سے نہ پہونچ سکا یہ نہر چارباغ اسٹیشن سے قبل لکھنؤ ٹکنیکل اسکول کے پاس اب بھی موجود ہے۔

۸۔ محمد علی شاہ

ولادت ذیقعدہ ۱۱۹۰ھ تخت نشینی ۴ر ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ وفات ۵ر ربیع الاول ۱۲۵۸ھ دفن امام باڑہ حسین آباد لکھنؤ۔

آپ نواب سعادت علی خاں کے فرزند تھے اور شاہ نصیرالدین حیدر کے چچا۔ شاہ نصیرالدین حیدر کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے اس وقت عمر ۶۳ سال کی تھی۔ کبر سنی کی وجہ سے صحت درست نہ رہتی تھی لہذا آپ کی ساری توجہ امور خیر و ترقی عزا کی طرف مبذول ہو گئی آپ نے ۱۲۵۳ھ میں حسین آباد میں ایک امام باڑہ بنوایا جس پر بائیس لاکھ روپیہ صرف کیا اور اس کی سجاوٹ قیمتی جھاڑ و فانوس طلائی و نقرئی ساز و سامان سے کی گئی اور اس کی آئندہ بقاء کے لیے لاکھوں روپیہ مختلف اوقات میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو بطور قرض دوام دیا گیا جس کے منافع سے مصارف امام باڑہ، دیگر امور مثلاً وثیقہ وغیرہ کے لیے ایک ٹرسٹ قائم کر دیا جو خدا کے فضل سے اب بھی قائم ہے اور تمام امور

انجام پاتے ہیں بحکم محرم کو شاہی ضریح بڑے تزک و احتشام سے آصفی امام باڑے سے اٹھتی ہے اور حسین آباد کے امام باڑہ میں لائی جاتی ہے جس کے دیکھنے کے لیے قبل سے لوگوں کا ہجوم سڑکوں پر ہو جاتا ہے اور اسی طرح سے ۱۰ محرم کو ضریح اقدس دفن کے لیے جاتی ہے آپ نے حسین آباد کے امامباڑہ کے علاوہ لاکھوں روپیہ حضرت عباسؑ کے روضہ واقع کربلائے معلٰی عراق کی ترمیم و درستی پر اور تعمیر روضۂ حضرت حُرؑ کی تیاری میں صرف کیا اور ایک بڑی کثیر رقم ہندی زائرین کے لیے کربلائے معلٰی میں مقرر کیا جو بغرض زیارت کربلا جاتے ہیں اور وہاں مقیم ہو جاتے ہیں یہ اس وقت بھی جاری ہے اور "خیریۂ اودھ" کے نام سے مشہور ہے اور سفیر ہند کی نگرانی میں تقسیم ہوتی ہے۔

۹۔ امجد علی شاہ

ولادت رمضان ۱۲۱۵ھ تخت نشینی ۵ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ وفات ۲۶ صفر ۱۲۶۳ھ دفن امام باڑہ سبطین آباد (حضرت گنج) لکھنؤ آپ محمد علی شاہ کے فرزند تھے آپ دل و جان سے فدائے آل اطہارؑ و شہیدان کربلا تھے بڑے دیندار تھے علماء کی بیحد قدر فرماتے تھے۔ سلطان العلماء کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور قبلہ و کعبہ جو کچھ فرماتے تھے اس کی تعمیل میں سر مو فرق نہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے بہت سی خلاف شرع باتوں کا سدباب ہو گیا عدالت دیوانی کا کام سلطان العلماء کے سپرد تھا اور اثنا عشری فقہ کے بموجب فیصلہ فرماتے تھے اور علماء فرنگی محل اہلسنت حضرات کے فیصلوں کے لیے مقرر تھے بقیہ کاموں کے لیے علیحدہ عدالتیں قائم تھیں سرکاری خزانے سے زکوٰۃ و خمس کا روپیہ

نکلتا تھا اور علماء کی زیر نگرانی تقسیم ہوتا تھا روضہ کاظمین منصور نگر آپ ہی کے دور میں محمد رضا خاں انخارج علاقہ حضور تحصیل نے بنوایا۔ آپ کی تدفین حضرت گنج میں ہوئی جو پہلے ایک فوجی چھاونی تھی بعد کو واجد علی شاہ نے قبر پر امام باڑہ بنوایا جو سبطین آباد کے نام سے مشہور ہے۔ اور محرم میں مجلس وغیرہ ہوتی ہیں اور اس کی عمارت متعلقہ میں کرایہ دار رہتے ہیں۔

۱۰۔ واجد علی شاہ

ولادت ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ بمقام لکھنؤ تخت نشینی ۲۶ صفر ۱۲۶۳ھ وفات ۳ محرم ۱۳۰۹ھ بمقام کلکتہ دفن امام باڑہ سبطین آباد مٹیا برج کلکتہ

آپ امجد علی شاہ کے بیٹے تھے ماں کا نام تاج آرا بیگم تھا جن کا انتقال ۱۸۵۸ء میں بمقام پیرس (فرانس) ہوا اور وہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوئیں آپ نے ۱۸۴۷ء میں قیصر باغ کی مشہور عمارت بنوائی اور وسط میں ایک سفید بارہ دری بنی نقل شاہان سابق کے آپ کو بھی تعزیہ داری سے بیحد لگاؤ تھا اور بڑے انہماک سے تمام امور کو انجام پاتے تھے سفید بارہ دری قیصر باغ لکھنؤ میں نقرئی تعزیئے رکھے جاتے تھے اور جس میں نقرئی، طلائی، جواہر نگار پنجے اور آبدار خنجر مرصع قبضوں کی بیش بہا شمشیریں اور اسی طرح کی دوسری چیزیں زیارت کے لیے لگائی جاتی تھیں۔ تعزیوں کے درمیان بڑی بڑی شمعیں روشن کی جاتی تھیں۔ اور چالیس روز تک برابر روشنی ہوتی رہتی تھی اور ۹ محرم کو خاص کر روشنی میں بڑا اہتمام ہوتا تھا مجالس اسی میں ہوتی تھیں اسی عمارت کا نام شاہ نے قصر البکا رکھا تھا محرم کی بعض مجالس میں شاہ خود اپنا تصنیف کیا ہوا مرثیہ

پڑھتے تھے محرم کی مجالس میں شربت و کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ چھ و سات محرم کو نفیس و خوش ذائقہ کھانوں کے حصے بطور تورہ بندی تقسیم ہوتے تھے دس محرم کو تعزیہ کا جلوس نہایت ہی شان و شوکت کا ہوتا تھا اور وہ تمام سامان ہوتا تھا جو ایک بادشاہ کے شاہی جلوس کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ انگریز تجارت کے لیے ہندوستان آئے تھے مگر بادشاہت کا خواب ابتدا ہی سے دیکھ رہے تھے اور اودھ پر خاص طور سے نظر تھی اور سلطنت اودھ کے امور انتظامی میں دخیل ہونے کی کوششیں کیا کرتے تھے مگر واجد علی شاہ مثل اپنے اجداد کے ان کی مداخلت کو پسند نہ فرماتے تھے جب انگریزوں نے دیکھا کہ کسی صورت سے سلطنت اودھ ہاتھ میں نہیں آتی ہے تو انگریزوں نے مختلف طریقوں سے بدامنی پیدا کرانے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ علی نقی خاں وزیر اعظم جن کو شاہ بیحد مانتے تھے ان کو ایک لاکھ کی جاگیر دینے کا وعدہ کیا اس لالچ میں آکر علی نقی خاں نے بادشاہ کو سمجھایا کہ سلطنت کی حالت درست نہیں ہے مناسب یہی ہے کہ آپ خوشی سے سلطنت انگریزوں کے حوالے کر دیں اور پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ اپنے خرچ کے لیے لیں بادشاہ کسی صورت سے اس پر راضی نہیں ہوئے انگریزوں نے فوج کی طاقت سے تخت و سلطنت پر قبضہ کر لیا اور واجد علی شاہ کو قید کر لیا اور کلکتہ لے جا کر فورٹ ولیم میں نظر بند کر دیا وہاں بھی آپ نے عزائے حسینؑ پر خاص توجہ رکھی اور ایک امام باڑہ مٹیا برج میں تعمیر کروا دیا اور اس کا نام سبطین آباد رکھا اور اسی میں عزاداری ہوتی تھی۔ شعراء حدیث خواں وغیرہ سب لکھنؤ سے جاتے تھے اور مٹیا برج لکھنؤ کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا بعد وفات آپ اسی امام باڑہ میں دفن ہوئے ۱۸۵۵ء میں پہلے اودھ

کا الحاق کیا اس کے بعد ۷ فروری ۱۸۵۶ء کو اشتہار دیکر برٹش گورنمنٹ نے اودھ کو ہمیشہ کے لیے ضبط کرلیا۔ غدر کی ابتدا مارچ ۱۸۵۷ء سے شروع ہوئی اور تخمیناً دو سال کے عرصہ میں غدر پر انگریزوں نے قابو پالیا۔

اشاعتِ عزا میں

اودھ کی ریاستوں کا انہماک

۱۔ ریاست سلیم پور ضلع لکھنؤ۔

اس ریاست کے مورث اعلیٰ مدینہ منورہ سے مع ایک جمعیت کے دہلی آئے تھے اور بعد کو بحکم شاہ دہلی مع فوج کے لکھنؤ کے اطراف میں آکر راجہ امیٹھیا و دیگر اقوام امیٹھیا کو شکست دیکر علاقہ حاصل کیا اور بعد کو یہ ریاست سلیم پور کے نام سے مشہور ہوئی اس ریاست کے آخری دور کے راجہ شعبان علی خاں اور راجہ احمد علی خاں علوی اپنی کارگزاریوں اور مذہبی انہماک کی وجہ سے بیحد مشہور ہوئے ذیل میں مذہبی دلچسپیاں لکھی جارہی ہیں۔

عزاداری سے بیحد لگاؤ تھا محرم بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا باہر کے ذاکرین آتے تھے عمدہ مجالس ہوتی تھیں شب عاشور راجہ صاحب خود تعزیوں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور بڑی بڑی رقمیں تعزیوں پر نذر کرتے تھے عاشور کا جلوس بڑی شان سے اٹھتا تھا عشرہ محرم کے علاوہ ایک عشرۂ ثانیہ ۲۴ صفر سے ۴ ربیع الاول تک ہوتا تھا جس میں خاص انتظامات

ہوتے تھے عمدہ سے عمدہ چوٹی کے ذاکرین مدعو ہوتے تھے اس کے علاوہ کل برادری، دوست احباب، کو دعوت دی جاتی تھی۔ سب لوگ آتے تھے اور برابر دس یوم راجہ صاحب کے مہمان ہوتے تھے ان کی بڑی خاطر مدارات ہوتی اور بہت سے لوگوں کو آمد و رفت کا کرایہ دیا جاتا تھا ہر صفر کو تعزیہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ دفن کے لیے جاتا تھا جس کو دیکھنے کے لیے قرب و جوار کے ہزاروں آدمی آتے تھے۔ شب نیمہ شعبان کو ایک بہت بڑی محفل قصیدہ خوانی کی ہوتی تھی جس میں تمام شعرا شریک ہوتے تھے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کرتے۔ یہ محفل بہت مشہور تھی راجہ صاحب اپنے تمام احباب سے اس کی شرکت کے لیے سال بھر وعدہ لیا کرتے تھے۔ اور بڑی اولوالعزمی سے تمام امور انجام دیئے جاتے تھے بعد خاتمہ زمینداری تاحیات راجہ احمد علیخاں علوی کل امور بحسن و خوبی انجام دیئے جاتے تھے اور مرحوم کے انتقال کے بعد آپ کی صاحبزادیاں کل رسومات انجام دیتی ہیں راجہ احمد علی خاں نہایت ہوشیار اور جہاں دیدہ انسان تھے مگر معلوم نہیں کن وجوہ کی بنا پر وقف کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

۲۔ تعلقہ بھوا ضلع رائے بریلی۔

ٹھاکر فتح بہادر۔ قوم بھرتھوان خان زادہ اور حنفی المذہب تھے ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ میر حاجی حسین ساکن قادر پور (سید واڑہ بلاؤں بارہ بنکی) سے بیحد دوستی تھی لہذا آپ نے ان کے بڑے صاحبزادے مجیب حیدر صاحب کو گود لیا اور بعد وفات ٹھاکر صاحب یہ ریاست کے وارث قرار پائے۔ اور "ٹھاکر" کے لقب سے مشہور ہوئے انھوں نے سب سے پہلے امام باڑہ بنوایا اور عزاداری شروع کی اور رفتہ رفتہ اس کو ترقی دی۔ لنگر ہوتا تھا۔ مہندی کا

جلوس نکلتا تھا۔ عاشور کے جلوس میں خاص اہتمام ہوتا تھا اور مثل جلوس عشرہ چہلم کا جلوس نکلتا تھا جس میں کثیر مجمع ہوتا تھا ٹھاکر مجید حیدر کے انتقال کے بعد ٹھاکر امیر حیدر ان کے جانشین ہوئے آپ شاعر بھی تھے عمدہ سے عمدہ نوحے کہتے تھے اور خود ان کو مجلسوں اور جلوسوں میں پڑھتے تھے آپ کے انتقال کے بعد ٹھاکر غلام حیدر وارث ہوئے کچھ عرصہ کے بعد زمینداریاں ختم ہوئیں جس کا اثر عزائے حسینؑ پر پڑا پھر بھی اس تعلقہ میں رسومات محرم اچھے عنوان سے انجام پاتے ہیں۔

۳۔ ریاست محمود آباد ضلع سیتاپور

اس ریاست کے مورث اعلیٰ زمانۂ سلاطین غوری ہندوستان آئے اور شہر امروہہ میں آباد ہوئے سنہ ۱۲۲۶ء میں قاضی نصرت اللہ المعروف بہ شیخ نتھن لشکر ناصر الدین کے ہمراہ داخل اودھ ہوئے اور کارہائے نمایاں انجام دیئے بھرو بھٹ قوم کو پسپا کیا اور محمود آباد، بلہرہ، بھٹوامئو بینتی پور سدر اواں محمد پور، لشن پور وغیرہ مواضعات حاصل کئے۔ قاضی صاحب کا انتقال بلہرہ میں ہوا اس کے بعد شیخ نظام، شیخ غلام میاں اور آخر میں شیخ داؤد قابض ریاست ہوئے شیخ داؤد بزمانہ اکبر بادشاہ قلعے رن تمبور کی جنگ میں مارے گئے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے محمود آباد کے مالک ریاست ہوئے جنھوں نے محمود آباد آباد کیا جن کا انتقال جونپور میں ہوا اس کے بعد ان کے بیٹے بایزید خاں مالک ہوئے انھوں نے کل علاقہ کو اپنے اعمام میں یوں بٹوارہ کیا۔ پہاڑ خاں کو بھٹوامئو، سعید خاں کو بینتی پور دیا اور خود بلہرہ محمود آباد لیا۔ بایزید خاں کے تین بیٹے تھے جن میں ریاست اسطرح تقسیم ہوئی کہ عنایت خاں کو بلہرہ۔ فتح خاں کو سدر اواں۔ ہدایت خاں کو محمود آباد ملا۔ ہدایت

خاں کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی لہذا ان کے داماد محمد اکرم خاں کو ریاست محمود آباد ملی (جو منظر خاں مالک ریاست بلہرہ کے بڑے بھائی تھے) اکرام خاں کے دو لڑکے سرفراز علی مصاحب علی تھے جو دونوں لاولد فوت ہوئے۔

مصاحب علی کی بیوہ نے اپنے شوہر کے عزیزوں میں سے نواب علی خاں کو گود لیا جن کی شادی نواب معز الدین کی لڑکی سے ہوئی جن کے بطن سے راجہ امیر حسن خاں پیدا ہوئے ابتداً اس عزاداری صرف بارہ دن ہوتی تھی راجہ نواب علی خاں کے عہد میں اس میں اضافہ ہوا اور امیر الدولہ راجہ امیر حسن خاں کے زمانہ میں کافی ترقی ہوئی اور سب سے زیادہ عزائے حسینؑ کے مراسم میں ترقی سر مہاراجہ محمد علی محمد خاں صاحب کے دور میں ہوئی جو راجہ امیر حسن کے بڑے صاحبزادے تھے مہاراجہ مرحوم کے انتقال کے بعد بڑے صاحبزادے راجہ محمد امیر احمد خاں والیٔ محمود آباد نے تمام رسومات عزائے حسینی میں یوماً فیوماً ترقی ہی دی ذیل میں چند خصوصیات عزا درج کی جارہی ہیں جس سے ناظرین کو اچھی طرح سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس ریاست نے ترقی عزائے امام حسینؑ و دیگر امور میں کس قدر دلچسپی لی اور کیا خاص خاص چیزیں اس ریاست میں قابل زیارت ہیں۔

(الف) ۲۷ ذی الحجۃ الحرام سے سہ پہر کے وقت اندرون قلعہ بارہ دری سے ذوالجناح برآمد ہوتا ہے اور قصبہ کے مشہور راستوں سے گذرتا ہوا آخر میں یہ جلوس شبیہ کربلا جاتا ہے ذوالجناح کے کربلا پہونچنے پر منجانب دفعف قدیم روٹیاں تقسیم کی جاتی ہیں یہ سلسلہ گشت کا ۸ محرم الحرام تک برابر رہتا ہے۔

(ب) مہندی کا جلوس۔ چھ اور سات دو تاریخوں میں شبیہ کربلا سے مہندی جناب قاسم علیہ السلام کا جلوس اٹھکر بارہ دری قلعہ محمود آباد آتا ہے چھٹی محرم ریاست محمود آباد کی دور دور تک مشہور ہے وقف نامہ میں صراحت موجود ہے کہ آمدنی کے کم ہونے پر دیگر امور عزا میں تخفیف ہوسکتی ہے لیکن مہندی کے اخراجات میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

(ج) ابتدا سے آجتک مجلس اور گشت میں پرانے مہکی نوحے میاں دلگیر وغیرہ کے پڑھے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج بھی کافی رقت ہوتی ہے اور ایسا غم کا سماں بندھ جاتا ہے کہ اپنے تو اپنے غیر سن کر بیتاب ہوجاتے ہیں۔

(د) زنانی محلسرا کے امام باڑہ میں عزاداری اربعین تک عہد امیر الدولہ میں شروع ہوگئی تھی لیکن ۸ ربیع الاول تک عزاداری کی ابتدا مہاراجہ کے عہد میں ہوئی دور حاضر میں عزاداری امام مظلوم کا سلسلہ اندر باہر پورے ڈھائی مہینہ تک رہتا ہے۔ ایام عزا کی مشہور تاریخیں چھٹی محرم ۲۲ صفر، چہلم اور آٹھویں ربیع الاول ہے امیر الدولہ کے عہد میں بموقع چہلم جناب میر خورشید علی نفیس مرحوم اپنے صاحبزادے دولہا صاحب اور نواسہ میر علی محمد صاحب عارف و چند دیگر معززہمراہیان کے ساتھ ۲۰ صفر کو تشریف لاتے تھے تین مجلسیں جناب ممدوح پڑھتے تھے اور دولہا صاحب اور عارف صاحب مرحوم پیش خوانی فرماتے تھے۔ آپ کے بعد یہ سلسلہ قائم رہا عارف صاحب مرحوم اور فائق صاحب مرحوم برابر محمود آباد تشریف لاتے اور مجلسیں پڑھتے تھے۔

۵۔ ہندوستان میں تعزیہ داری عام ہے لیکن ہر جگہ تعزیہ کی عمارت

کی ساخت اپنی آپ مخصوص ہے۔ محمود آباد کے تعزیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ پوری عمارت روضہ کربلا کی شبیہ ہوتی ہے وہی مینار وہی گنبد وہی عمارت کی وضع کافی بلند تعزیہ بنتا ہے خصوصیت بالائے خصوصیت یہ ہے کہ وہ غار جس میں تعزیہ مدفون ہوتا ہے اتنا گہرا اور وسیع ہوتا ہے کہ پورا تعزیہ اسی میں اتار دیا جاتا ہے نہ کہیں سے بندش توڑی جاتی ہے نہ اس کے جزو جزو علیحدہ کیے جاتے ہیں نہ تعزیہ کو دبایا جاتا ہے بڑے ہی احترام کے ساتھ مدفون کیا جاتا ہے۔

(د) خاص تبرک ایک تسبیح ہے جو از غیب حاصل ہوئی واقعہ یہ ہے کہ امیر الدولہ کی مادرِ گرامی قدر محو خواب تھیں آپ نے بعالم خواب دیکھا کہ ایک بی بی تشریف لائیں اور انھوں نے ایک تسبیح عطا فرمائی جس وقت آپ کی آنکھ کھلی تو مٹھی بند تھی ہاتھ میں تسبیح دبی ہوئی تھی یہ تسبیح اسی دن سے محفوظ کر دی گئی اندر محلسرائے فاطمین میں ایک صندل کے صندوقچہ میں رکھی ہے اس تسبیح کی یہ خصوصیت سننے میں آئی ہے کہ عاشورہ کے دن خود بخود دانوں کا رنگ بدل جاتا ہے۔

(ہ) تلوار جو خزانہ نجف سے امیر الدولہ بہادر مرحوم مغفور کو عطا ہوئی تھی یہ تلوار شاہان صفویہ سے فتح علی شاہ قاچار کی ہے اس پر خود شاہ نیز خزانہ نجف اور تلوار بنانے والے کی مہریں ہیں تلوار کی ڈاب اور قبضہ پر آئتیں حدیثیں تحریر ہیں کہیں پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہیں نصر من اللہ و فتح قریب کہیں لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار لکھا ہوا ہے۔

بموقعہ جلوس عزا یہ صاحب ذوالفقار کی عنایت کی ہوئی تلوار آج بھی مہاراجکمار محمد امیر حیدر خاں بہادر بالقابہ کے کمر میں حمائل رہتی ہے۔

ج۔ والی ریاست کے اعزا و اولاد کا سیاہ پوشش رہنا زمانہ عزا میں مخصوص امر ہے اسی کے ساتھ مخصوص مجلسوں میں خواندگی امیر الدولہ راجہ امیر حسن خاں اعلی اللہ مقامہ سے لے کر اب تک جو بھی مسند نشین ریاست ہوا اس نے مرثیہ خود نظم کر کے مجلسوں میں پڑھا۔

(ط)۔ چند سال ہوئے کہ عالی جناب مہاراجکمار محمد امیر حیدر خاں صاحب بہادر محمود آباد نے مہاراجہ کے مراثی۔ سلام نوحوں کا مجموعہ مراثی محبت کے نام سے شائع کیا ہے راجہ صاحب محمد امیر احمد خاں صاحب اور مہاراجکمار صاحب خود مرثیے کے اچھے کہنے اور پڑھنے والوں میں ہیں۔

(ی) نقول مشاہد۔ شبیہ کربلائے معلیٰ۔ شبیہ نجف اشرف۔ درگاہ حضرت ابوالفضل العباسؑ۔ روضۂ پسران مسلم اکثر ان میں اصل عمارت کی بعینہ نقل ہیں ان عمارتوں کو دیکھکر یہ پتہ چلتا ہے کہ بانیان نے کس جذبہ محبت میں ان کی تعمیر فرمائی ہے۔

(ک) امام باڑے۔ قلعہ محمود آباد میں زیادہ تر مردانی مجلسیں بارہ دری میں ہوتی ہیں بعض مخصوص تاریخوں میں اندر محلسرا میں بھی مردانی مجلسیں ہوتی ہیں بارہ دری اب امام باڑہ ہی کی صورت میں ہے محلسرا میں چھوٹے بڑے کئی امام باڑے ہیں۔ مہاراجہ کا امام باڑہ پھلواری کی طرف اور ایک مہارانی کا امام باڑہ ہے چھوٹے اور چوبی کئی امام باڑے اس کے علاوہ ہیں قلعہ سے باہر چودھری صاحب کا بہت بڑا امام باڑہ بھی ریاست سے متعلق ہے اور جس طرح قلعہ و محل سرا میں عزاداری کا اہتمام کیا جاتا ہے چودھری کاظم حسین مرحوم مغفور کے امام باڑے میں بھی مجلسیں قائم ہوتی ہیں۔

۴۔ ریاست پیر پور ضلع فیض آباد

ڈھائی سو سال سے کچھ زائد عرصہ ہوا کہ مرزا محمد علی بیگ خراسان سے آئے اور نواب شجاع الدولہ کے یہاں ملازم ہوئے بہت سے مواضعات خرید کر کے پیر پور کا تعلقہ قائم کیا۔ چودھری محمد حفیظ تعلقدار سیداون کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی لہذا انھوں نے مرزا محمد علی بیگ کو اپنا جانشین کیا اس طرح سے مرزا صاحب اس ریاست کے بھی مالک ہوئے۔ اپنے نواسے میر قاسم علی کو جن کی عمر صرف چار سال کی تھی ان کو مرزا صاحب کی گود میں دیا اور اس صورت سے دونوں علاقے یکجا شامل ہو گئے بعد وفات مرزا صاحب میر قاسم علی وارث ریاست ہوئے اور ان کے بعد مختلف اشخاص کی طرف ریاست منتقل ہوتی رہی نصف صدی کی مشہور و معروف شخصیتیں راجہ میر ابو جعفر صاحب و راجہ محمد مہدی صاحب گزرے ہیں یہ حضرات عزاداری سے بیحد دلچسپی رکھتے تھے محرم و بست و نہم رمضان کے رسومات بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ہوتے تھے قرب و جوار کے لوگ مدعو ہوتے، باہر کے ذاکرین آتے مشہور مشہور ماتمی انجمنیں آتیں جس کی وجہ سے بڑی رونق ہوتی، مجالس بڑی شاندار ہوتیں۔ عزاداری کے سلسلہ میں مستحقین کی کافی امداد کی جاتی روضۂ حضرت حر، کربلائے معلیٰ میں بنوایا تمام مذہبی امور میں ہمیشہ اس ریاست کے مالکان نے حصہ لیا راجہ محمد مہدی کے انتقال کے بعد راجہ احمد مہدی جانشین ریاست ہوئے آپ ہی کے دور میں زمینداریاں ختم ہوئیں جس کی وجہ سے مثل دیگر ریاستوں کے اس ریاست پر بھی اس کا اثر ہوا مگر راجہ صاحب اپنے جذبۂ دینی کی وجہ سے تمام امور عزا جو سابق میں انجام دیئے جاتے تھے ان کو باقی رکھے ہوئے ہیں اور یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔

آپ سیاسی امور کی دلچسپیوں کی وجہ سے زیادہ تر دہلی اور لکھنؤ میں مقیم رہتے ہیں مگر محرم اور ماہ عیام میں وطن ضرور تشریف لے جاتے ہیں اور تمام رسومات عزا وہاں آپ کی نگرانی میں انجام پاتے ہیں۔

۵۔ ریاست لور پور۔ فیض آباد

یہ ریاست سمن پور کے نام سے فہرست تعلقداران میں درج تھی مگر چونکہ مالکان ریاست کا قیام لور پور میں رہتا تھا لہذا زیادہ تر لوگ لور پور ہی کے نام سے پکارنے لگے چھ سو سال قبل احمد قتال مورث اعلیٰ نے اس ریاست کو پیدا کیا اور اس وقت سے یہ ریاست اس خاندان میں رہی راجہ میر توکل حسین بڑے مرد مومن و محب اہلبیت تھے اور جن کو عزاء حسین سے خاص لگاؤ تھا محرم میں کافی روپیہ صرف کرتے اور ہزاروں روپیہ تعزیہ داری کے صلہ میں تقسیم فرماتے تھے امام باڑہ خوب آراستہ کیا جاتا تھا اور بڑی شان و شوکت سے مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ ۱۴ محرم کا جلوس ضریح مبارک بڑی شان سے نکلتا جس کو دیکھنے کے لئے ہزاروں آدمی آتے وہ ذاکرین جو مستقلاً زمانہ محرم میں مقیم رہتے تھے ان کے علاوہ جلوس کے لیے مخصوص انجمنیں وسوز خوان مدعو ہوتے تھے جن کی کافی خدمت کی جاتی تھی راجہ میر توکل حسین مرحوم کے انتقال کے بعد راجہ رفیق حسین مالک ریاست ہوئے وہ بھی مثل اپنے پدر بزرگوار کے عزائے حسینؑ کی طرف ملتفت رہے آپ کے انتقال کے بعد بڑے صاحبزادے راجہ بادشاہ حسین مالک ریاست ہوئے سابق کی طرح مذہبی امور انجام پاتے رہے کچھ عرصہ کے بعد قانون خاتمہ زمینداری نافذ ہوا ریاستیں ختم ہوئیں اس کا اثر اس ریاست کی عزاداری پر بھی پڑا مگر خدا کا شکر ہے کہ روایات سابقہ باقی ہیں۔

۶۔ ریاست دیوگانوں فیض آباد

پانچ سو سال قبل راجہ نروند سنگھ اس ریاست کے مورث اعلیٰ تھے اور کچھ عرصہ بعد یہ ریاست بھونہ، اریخ گانوں، دیوگاؤں میں تقسیم ہوگئی راجہ دیوگانوں شیعہ تھے جس میں راجہ مصطفےٰ علی خاں اور راجہ لیسین علی خاں نے اپنی ریاست میں عزاداری کو کافی فروغ دیا ایام محرم میں مجالس ہوتی تھیں مہندی کا جلوس دھوم دھام سے نکلتا تھا دس دن محرم میں شربت کی سبیل ہوتی تھی عاشورہ کا جلوس بھی کافی عمدہ ہوتا تھا راجہ لیسین علی خاں کے انتقال کے بعد راجہ یاور علی خاں وارث ہوئے ریاست ختم ہوچکی تھی پھر بھی اپنے جذبۂ ایمانی کے پیش نظر عزائے حسینؑ میں کسی طرح کی کمی نہیں ہونے دی اور خدا کے فضل سے تمام امور بڑی فراخدلی سے انجام دیئے جاتے ہیں۔

۷۔ حسن پور اسٹیٹ سلطانپور۔

راجہ احمد علی خاں مرحوم اپنے دور کے مشہور لوگوں میں تھے ان کے والد راجہ مہدی علی خاں اور دادا راجہ محمد علیخاں اور ان کے بزرگان اس ریاست کے مالک عہد بابر بادشاہ سے ہوتے چلے آئے ہیں شاہان مغلیہ نے اس کے مالک ریاست کو ملک دھاری کا حق عطا کیا تھا یعنی جس کو چاہیں اس کو راجہ بنادیں راجہ احمد علی خاں مرحوم کو عزائے حسینؑ سے بیحد انس تھا بزرگوں کا بنوایا ہوا امام باڑہ موجود تھا جس میں عشرہ محرم میں مجالس ہوتی تھیں بعد مجلس کھانا تقسیم ہوتا تھا مگر اقتصادی حالات نے بعد کو صرف تین دن تقسیم طعام کی اجازت دی اور کچھ عرصہ بعد اس کو بھی بند کرنا پڑا اس تخفیف کے علاوہ دیگر رسومات مثل سابق کے ہوتے رہے باہر سے ذاکرین آتے عشرہ کا جلوس شان و شوکت سے اٹھتا جس میں مجمع بے حد ہوتا تھا۔

راجہ صاحب کے انتقال کے بعد علاقہ کورٹ آف وارڈ کی نگرانی میں چلا گیا اور خاتمہ زمینداری سے کچھ قبل رضا علی خاں بڑے صاحبزادے کے حق میں واگذار ہوا خاتمہ زمینداری ایکٹ پاس ہو چکا تھا صرف نفاذ باقی تھا لہذا آپ کو بہت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا نتیجہ یہ ہوا کہ جس شان سے راجہ صاحب مرحوم کے عہد میں عزاداری ہوتی تھی وہ باقی نہ رہ سکی اب بھی عزاداری ہوتی ہے مگر زمانہ کے حالات کے تحت اس اعلیٰ پیمانہ پر قائم نہ رہ سکی مالکان ریاست نے کبھی وقف کی جانب توجہ نہیں فرمایا۔

۸۔ ریاست بلہرہ بارہ بنکی

مالکان ریاست محمود آباد اور بلہرہ دونوں ایک خاندان کے ہیں عنایت خاں پسر بازید خاں قابض ریاست بلہرہ ہوئے ان کے پانچ بیٹے تھے انھیں میں ایک قاسم خاں بھی تھے جن کے صاحبزادے مرحمت خاں تھے جنھوں نے بنجا ورسنگھ کو شکست دی اور ان کی جائیداد پر قابض ہوئے مرحمت خاں کے چار بیٹے تھے سب سے چھوٹے لڑکے کا نام محمد امام خاں تھا جن کو تقسیم میں ریاست بلہرہ ملی یہ بہمراہی نواب معز الدین خاں افاغنہ بنگش وغیرہ کے معرکہ میں شریک ہوئے ان کے دو بیٹے محمد اکرم خاں و منظہر خاں تھے محمد اکرم خاں بعد وفات اپنے خسر ہدایت اللہ خاں جو مالک ریاست محمود آباد ہو کے ان کی ریاست پر قابض ہوئے اور منظہر خاں ریاست بلہرہ کے وارث ہوئے منظہر خاں کے بعد ان کے ورثا میں یکے بعد دیگرے یہ ریاست منتقل ہوتی رہی اور بعد کو راجہ ابوالحسن خاں اس ریاست کے مالک ہوئے جو نہایت دیندار مرد ابرار، امور دینیہ میں انہماک رکھنے والے تھے مذہب کے دلدادہ، عزاء حسینؑ کے شیدائی تھے بلہرہ میں عزاداری سے لگاؤ رکھنے والے بہت کم لوگ

تھے اس وجہ سے آپ باہر سے لوگوں کو مدعو فرماتے تھے جس میں ذاکرین سوزخوان، نوحہ خوان اور وہ اشخاص جن کو عزائے حسینؑ سے شغف تھا آتے تھے جس کے تمام مصارف ریاست برداشت کرتی تھی اور چلتے وقت کافی رقم ان کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی اتنے زیادہ لوگوں کے آجانے کی وجہ سے مجلس میں بڑی رونق ہوجاتی تھی اور راجہ صاحب کا اصل منشا پورا ہوتا تھا۔ محرم کو بڑے اہتمام سے مہندی کا جلوس نکلتا تھا جس میں کافی مجمع ہوتا تھا آپ کے صرف ایک صاحبزادے تھے جن کا صغر سنی میں انتقال ہوگیا تھا۔ راجہ ابوالحسن خاں مرحوم کے انتقال کے بعد ان کی بڑی صاحبزادی رانی کنیز عابد صاحبہ مالک ریاست ہوئیں جن کی شادی راجہ محمد امیر احمد خاں والی ریاست عالیہ محمود آباد سے ہوئی آپ بڑی مومنہ بڑی خوش عقیدہ۔ پاک باز۔ مجلس ماتم سے بہت گہرا تعلق رکھنے والی۔ خیرو خیرات کی بیحد شائق ہیں۔ عزاداری کے سلسلہ میں اپنے خاندانی روایات کے پیش نظر تمام امور انجام دیتی رہتی ہیں۔ قبل خاتمہ زمینداری ایک بہت بڑا وقف قائم کیا جو بفضلِ باری تعالیٰ اس وقت تمام امور انجام دیتا ہے محمود آباد کی تمام تر ذمہ داریوں کے باوجود آپ ایام محرم میں خاص خاص موقعوں پر بہرہ تشریف لاتی ہیں اور تمام امور کو ملاحظہ فرماتی ہیں جس کی وجہ سے نظام سابق میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں آتا ہے راجہ ابوالحسن خاں مرحوم کے دو صاحبزادیاں اور بھی ہیں جن کے اسماء راجکماری کنیز باقر و رانی کنیز علی ہیں یہ دونوں بہنیں عزائے حسینؑ کے سلسلہ میں بجنسہ اپنے پدر مرحوم کے نقش قدم پر ہیں۔ راجکماری کنیز باقر اپنے والد کے انتقال کے بعد

اپنی نانی مسماۃ اشرف النساء کی تربیت میں بمقام قادر پور ضلع بارہ بنکی میں رہنے لگیں جہاں عزائے حسینؑ کا کافی چرچا پہلے ہی سے تھا مگر راجکماری نے اس میں اور بھی چار چاند لگادیئے۔ رانی کنیز علی کی شادی مہرا جکمار محمد امیر حیدر خاں آف محمود آباد کے ساتھ ہوئی جو بڑے محب اہلبیت، عزاداری کے جاں نثار ہیں شریک حیات بھی ایسی ملی جو شیفتۂ عزائے حسینؑ ہے اور دونوں کے جذبۂ عزا نے مل کر ترقی عزا کو کافی فروغ دیا۔

۹۔ ریاست نزولی ردولی ضلع بارہ بنکی

۶۱۲؁ھ میں سید محمد صالح صوفی مورث اعلیٰ بعہد سلطان ابراہیم شاہ سپہ سالار ہو کر اودھ میں آئے اور اقوام بھر کو شکست دی اور چوراسی مواضعات بطور عطیہ شاہ کی طرف سے عطا ہوئے اسی وجہ سے یہ ریاست عوام الناس میں اب بھی چوراسی ہی کے نام سے پکاری جاتی ہے مالک ریاست نے ردولی میں قیام کیا اور ایک مسجد بنوائی جو اب جامع مسجد کے نام سے مشہور ہے بزمانۂ سلطان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ دہلی کی جانب سے اس وقت کے مالک کو "چودھری" کا لقب ملا اور "نصرت سلطانی" کا خطاب عطا ہوا چند پشتوں کے بعد ریاست کے مالک چودھری رضا حسین ہوئے ان کے انتقال کے بعد ان کے نواسہ سجاد حسین وارث تعلقہ قرار پائے ان کے انتقال کے بعد ان کے سگے بھائی چودھری ارشاد حسین مالک ہوئے۔ نابالغی کی وجہ سے بائیس سال علاقہ کورٹ آف وارڈس کی نگرانی میں رہا ۱۹۰۷؁ء میں واگذار ہوا جس وقت چودھری ارشاد حسین مونکپور سے بغرض گدی نشینی ردولی تشریف لائے

اس وقت ردولی میں صرف ایک بارہ دری ان کو رہنے کے لیے ملی چودھری ارشاد حسین کی تربیت مونگیور میں ہوئی جو ۶۔۱ اداری کے سلسلہ میں بہت مشہور تھا بچپن ہی سے آپ کو عزائے حسین سے بیحد شغف تھا اور جب مالک ریاست ہو کر ردولی آئے تو یہاں نہایت خوبصورت امام باڑہ بنوایا جس کو جھاڑ و فانوس سے خوب آراستہ کیا ایک نہایت عالیشان مسجد مکان کے اندر بنوائی۔ نانا کا مقبرہ، حضرت عباسؑ کی درگاہ۔ امام باغ اور اس کے علاوہ چار مسجدیں تعمیر کرائیں۔ روضۂ شہید ثالث آگرہ پر دو ہال بنوائے اور کربلائے معلیٰ کے مسافرخانہ کے لیے کثیر رقم دی دو داب میں مسافرخانہ تعمیر کرایا امام باڑہ مسجد دیکھنے کے قابل ہیں محرم و دوران محرم میں چودھری صاحب کے سامنے اور اب بھی عمدہ سے عمدہ ذاکرین مدعو کیے جاتے ہیں محرم کی رسومات بڑے اہتمام سے انجام پاتی ہیں دوسری محرم کا جلوس ضریح اپنی نوعیت کی آپ ہی مثال ہے۔ ۸ محرم کے علم کا جلوس، شب عاشور کی روشنی دس محرم کا جلوس یہ سب کافی شہرت رکھتے ہیں جس کو دیکھنے کے لیے ہزاروں آدمی آتے ہیں چودھری صاحب موصوف نے مسجد و امام باڑہ کے لیے دو علیحدہ علیحدہ وقف کیے خدا کے فضل سے دونوں اوقاف کے تمام امور حسن و خوبی بموجب منشاء واقف انجام پا رہے ہیں بعد انتقال چودھری صاحب مرحوم ناچیز دونوں اوقاف کا متولی حسب منشاء برادر مرحوم قرار پایا اور جو خدمت ممکن ہے اس کو انجام دیتا ہے اور ہر وقت اسکی ترقی پیش نگاہ رہتی ہے۔

۱۰۔ امیر پور ریاست قصبۂ ردولی ضلع بارہ بنکی۔

یہ ریاست ۱۲۱ھ میں بہ عہد سلطان محمود غزنوی قائم ہوئی اس

ریاست کے مورث اعلیٰ سید حسن رضا خاں سید سالار مسعود غازی کے ساتھ آئے تھے اور انھوں نے بھر قوم سے لڑ کر قبضہ کیا اسی سلسلہ میں امیر پور کے مواضعات آپ کو دیے گئے اور خاندانی لقب "چودھری" عطا ہوا چند پشتوں کے بعد چودھری احسان رسول اس ریاست کے مالک ہوئے جو حنفی المذہب تھے مگر آپ کی شادی میر محمد عابد تعلقدار پور لے کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی جس کی وجہ سے آپ نے شیعہ مذہب اختیار کیا اور ساتھ ہی ساتھ عزاداری کی طرف بھی متوجہ ہوئے محرم کی مجالس درگاہ حضرت عباسؑ میں ہوتی تھیں جو آپ کے مکان سے بالکل متصل ہے۔ سات محرم کو مہندی کا جلوس بڑے شاندار طریقے سے اٹھتا تھا جس میں کافی مجمع ہوتا تھا عاشورہ کو ضریح مبارک تدفین کے لیے دھوم دھام سے جاتی تھی جس کو دیکھنے کے لئے کافی لوگ جمع ہوتے تھے چودھری احسان رسول کے انتقال کے بعد چودھری شاہ محمد علی جانشین ہوئے یہ نہایت آزاد خیال انسان تھے پھر بھی عزائے حسین سے بے حد انس تھا مجلس وغیرہ مثل سابق کے ہوتی رہیں مجلسوں میں برابر شرکت فرماتے تھے اور بے حد روتے تھے مگر معلوم نہیں کن وجوہ کی بنا پر ۱۹۳۷ء سے عزاداری و تمام دیگر رسومات محرم یک لخت بند کر دیئے۔ اور دوسروں کے یہاں بھی شریک مجلس ہونا چھوڑ دیا جو رسومات محرم درگاہ میں آپ کی جانب سے ہوتی تھیں ان کو مومنین قصبہ نے چندہ کر کے قائم رکھا درگاہ حضرت عباسؑ کی دیکھ بھال آپ ہی کے یہاں سے ہوتی تھی وہ بھی بند ہوگئی جس کی وجہ سے عمارت کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی سنہ ۱۹۶۱ء میں اس کی جانب بھی مومنین قصبہ متوجہ ہوئے اور سابق درگاہ جو بالکل گرنے کے

قریب بھی اس کو از سر نو چندہ کرکے نہایت خوبصورت تعمیر کرا لیا جو پہلے سے کافی بڑی بھی ہے اور خدا کے فضل سے اس میں بجلی بھی لگ گئی ہے۔ یہ درگاہ بے حد مقبول ہے نوچندی کو کافی مجمع ہوتا ہے اور محرم وعلاوہ محرم کے مجلسیں ہوتی رہتی ہیں چودھری محمد علی کا انتقال ۶ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۵۹ء یوم پنجشنبہ کو بمقام ردولی ہوا۔

۱۱۔ پوراکے ریاست قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی

یہ موضع قصبہ ردولی سے پچھم طرف چھ سات میل کے فاصلہ پر واقع ہے میر محمد عابد جو ردولی میں رہتے تھے یہاں کے سندی تعلقدار تھے۔

یہ ریاست ۵۸۸ھ میں زمانہ سلطان شہاب الدین غوری سید محمد صالح جو کرمان سے آکر جونپور میں آباد ہوئے تھے انھیں بسلسلہ حسنِ خدمات عطا ہوئی تھی میر محمد عابد اس کے مشہور تعلقدار گذرے ہیں انھوں نے وزیران کے ورثا نے ریاست کو رفتہ رفتہ ختم کردیا اس خاندان کے پاس ایک امام باڑہ ہے جو ضیاء اللہ کا بنوایا ہوا کہا جاتا ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ نواب شجاع الدولہ کا اس طرف گذر ہوا اس مقام پر شامیانہ لگا ہوا تھا ان کا خیال ہوا کہ ان کا خیمہ نصب ہے لہذا اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اس میں تعزیہ رکھا ہوا ہے مجلس ہونے جارہی تھی اس میں شریک ہوئے اور اس کے بعد حکم دیا کہ اس مقام پر امام باڑہ تعمیر کردیا جائے ۱۱۶۸ھ میں امام باڑہ تعمیر ہوا۔ تاریخ "غم حسین" ہے۔ ۶ محرم کی مجلس اور ۹ محرم کا علم بیحد مشہور تھا اور خدا کا شکر ہے کہ اب بھی یہ دونوں چیزیں روایات سابقہ کو زندہ کیے ہوئے ہیں مولوی نقی حسن صاحب اس وقت امام باڑہ کے نگراں ہیں۔

۱۲۔ تعلقہ بھان پور ضلع بارہ بنکی

یہ ریاست تخمیناً آٹھ سو سال ہوئے قائم ہوئی تھی قبل خاتمہ زمینداری میر اقبال حسین صاحب مرحوم اس کے مالک تھے جو زید پور میں رہتے تھے۔ نہایت نیک نفس انسان تھے عزاداری سے بے حد دلچسپی تھی مورثوں کا بنوایا ہوا سجا سجایا امام باڑہ ملا جس میں شیشہ آلات بکثرت ہیں اس کے علاوہ چاندی و گنگا جمنی کے تعزیئے۔ علم۔ ممبر۔ جھولا۔ بستر و دیگر سامان آرائش کارچوبی علم کے پٹکے شامیانہ اور دوسرا قیمتی سامان کافی موجود ہے ایام محرم میں سامان آرائش کی وجہ سے امام باڑہ میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے مجالس باہر چبوترہ پر ہوتی ہیں۔ ۹ محرم کو مجلس کے بعد کھانا تقسیم ہوتا ہے۔ ۱۰ محرم کو سہ پہر میں امام باڑہ سے جلوس کے ساتھ تعزیہ بغرض تدفین کربلا جاتا ہے جس میں سامان آرائش بہت کافی ہوتا ہے اور کچھ تبرکات بھی زیارت کے لیے نکالے جاتے ہیں ذوالجناح بڑے اہتمام سے بنایا جاتا ہے اور نہایت قیمتی سامان سے آراستہ کیا جاتا ہے جو جلوس کی خاص چیز قابل زیارت ہوتی ہے۔ مجمع بہت ہوتا ہے اسی شان سے چہلم کا جلوس بھی نکلتا ہے میر اقبال حسین صاحب کے انتقال کے بعد میر بنیاد حسین صاحب وارث قرار پائے آپ بھی مثل اپنے بزرگوں کے عزائے حسینؑ سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں اور تمام امور سابق کی طرح انجام پا رہے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ کا خاندان بہت بڑا ہے اور قریب قریب سبھی افراد محرم میں انہاک سے حصہ لیتے ہیں اگرچہ زمانے کی حالت دیکھتے ہوئے جس طرح سے محرم ہوتا ہے اس سے امید ہے کہ انشاء اللہ آئندہ بھی یوں ہی عزاداری باقی رہے گی میر اعتقاد حسین مرحوم جو میر اقبال حسین مرحوم سے قبل تعلقدار تھے انھوں

نے اس علاقہ کو تحفظ ایکٹ کے تحت کر دیا تھا جس کی وجہ سے کوئی وقف نہیں ہو سکا۔

۱۳۔ تعلقہ گوئیا بارہ بنکی

میر محمد عسکری صاحب مرحوم گوئیا کے تعلقدار تھے اور قصبہ زید پور میں رہتے تھے عزاداری کی طرف خاص توجہ تھی۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے حیدر عباس صاحب وارث ریاست ہوئے جو فوج میں ملازم تھے اور تقسیم ہونے کے بعد پاکستان چلے گئے لڑکیوں کی شادی خاندان ہی میں میر صاحب مرحوم نے کی تھیں جس کی وجہ سے ان کی اولاد میر صاحب مرحوم کے یہاں کی عزاداری کو باقی رکھنے کی پوری سعی کرتی ہے۔ امام باڑہ ہے اس میں کافی سامان جھاڑ فانوس وغیرہ ہیں۔ محرم و دوران سال میں برابر مجلس ہوتی رہتی ہیں شب نہم محرم ایک علم عزاخانہ میں لایا جاتا ہے جس کی زیارت کے لیے کافی لوگ آتے ہیں عاشور کے دن قریب بارہ بجے ایک جلوس بڑی شان سے نکلتا ہے جو کربلا جاتا ہے جس میں مجمع بہت ہوتا ہے۔

۱۴۔ ریاست نوابگنج ضلع بہرائچ

اس ریاست کے مورث اعلیٰ سردار علی خاں بہ عہد نادر شاہ ترکستان سے قندھار آئے اور اس کے بعد کابل کے معرکوں میں شریک ہوئے گورنمنٹ برطانیہ کی کافی مدد کی اور اس کے صلے میں پنشن مقرر ہوئی۔ بہادری کے تمغے عطا ہوئے اور بعد کو یہ ریاست دی گئی اگرچہ مالکان ریاست مستقلاً لاہور میں رہتے تھے مگر برابر بہرائچ آیا کرتے تھے اور خاص کر

ایام ۶۔۱۰ و چہلم میں ضرور آتے نواب فتح علی خاں اور نواب نوازش علیخاں آخری دور کے مشہور و معروف اشخاص تھے علاقہ ملنے کے بعد اس کے دو ٹکڑے کیے ایک کا نام ناصر گنج دوسرے کا علی آباد رکھا اور ان دونوں مقامات پر عشرہ محرم میں مجالس کا انعقاد کیا اور مخصوص تاریخوں میں اہتمام کے ساتھ جلوس ذوالجناح نکلتے تھے ہر موضع میں امام کا چوک بنوا دیا جس پر شب عاشور تعزیہ رکھا جاتا تھا اپنی رہائش کے لیے خاص بہرائچ میں ایک کوٹھی تعمیر کی اور اسی کے متصل ایک امام بادہ و مسجد بھی بنوائی جس میں بڑی شاندار مجالس کیا کرتے تھے اور ذوالجناح کا جلوس خاص طور سے شہرت رکھتا تھا بعد تقسیم ہند کل علاقہ پر کسٹوڈین کا قبضہ ہوگیا جس کی وجہ سے بڑی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر فوراً ہی مولوی حامد حسین صاحب قبلہ عشروی نے مومنین کی اعانت سے حکومت سے مقدمہ لڑ کر وقف ثابت کردیا اور حکومت نے امام باڑہ وغیرہ سب چھوڑ دیا اب اس میں باقاعدہ عزاداری ہوتی ہے جلوس ذوالجناح نکلتا ہے اور تمام رسومات محرم مثل سابق کے انجام دی جاتی ہیں یہ صرف مولوی سید حامد حسین صاحب عشروی کی سعی کا نتیجہ ہے۔

۱۵۔ ریاست نانپارہ ضلع بہرائچ

یہ ریاست مدار بخش کو بعہد نواب سعادت خاں مرحمت ہوئی تھی اور ان کے وارث کرم علی خاں نے زمانۂ نواب شجاع الدولہ بہادر میں نانپارہ کو آباد کیا اس کے افتتاح کے لیے نواب صاحب بہادر کو مدعو کیا یہ زمانہ آخر ماہ ذی الحجہ کا تھا نواب صاحب شکار میں مشغول ہو گئے اور اسی درمیان محرم

کا چاند نظر آگیا نواب صاحب نے دریافت کیا کہ یہاں عزاداری ہوتی ہے تو جواب دیا گیا کہ ہم لوگ غریب ہیں کہاں سے کر سکتے ہیں نواب صاحب نے فوراً کمیلا کا علاقہ تعزیہ داری کے لیے دیدیا اور اسی وقت سے نانپارہ میں عزاداری شروع ہوگئی راجہ صاحب خود سنی المذہب تھے مگر تعزیہ داری کرتے تھے اور ہر فرقے کے چودھریوں کو معقول رقم تعزیہ داری کے لیے دی جاتی تھی جس کی وجہ سے تعزیہ داری کو خوب ترقی ہوئی ایک عرصہ کے بعد ریاست کورٹ آف وارڈس کی نگرانی میں چلی گئی اور خان بہادر سید محمد مصطفی جونپوری منیجر مقرر ہوئے انھوں نے امام باڑہ تعمیر کرایا اور اس میں باقاعدہ مجلسیں ہونے لگیں باہر سے ذاکرین آتے تھے اور کافی رونق عزائے حسینؑ کو دی جب علاقہ آخری راجہ سعادت علی خاں کے حق میں واگذار ہوا تو موصوف نے اس کی ترقی کی جانب کافی توجہ فرمائی مولوی سید سجاد حسین صاحب قبلہ مجتہد جو بزمانہ سید مصطفی صاحب جونپوری نانپارہ میں آباد ہوگئے تھے ان کی بڑی قدر و منزلت راجہ صاحب نے فرمائی اور موصوف ہی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ راجہ صاحب مرحوم کی جانب خاص طور سے متوجہ رہے اگرچہ بہت سے لوگ عزائے حسینؑ کو نقصان پہونچانے کی کوشش میں تھے مگر قبلہ و کعبہ کی سعی نے راجہ صاحب کی توجہ کو ہٹنے نہ دیا اور وہ تمام امور اسی طرح باقی رہے جیسے خان بہادر مصطفی صاحب نے جاری کردئے تھے ریاست ختم ہوگئی اور اب ایک آراضی ملحقہ امام باڑہ محرم کے لیے وقف کردی گئی ہے۔ ۲۵ محرم اور ۲۸ صفر کو تابوت بڑی شان و شوکت کے ساتھ اب بھی قبلہ و کعبہ مرحوم کے شریعت کدہ سے اٹھتے ہیں

جس میں کافی مجمع ہوتا ہے اور مولوی سید ابن حسن صاحب قبلہ نانپاروی و جناب ممدوح کے برادران بڑی انہماک سے تمام امور خلوص کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

۱۶۔ ریاست قاضی دیرا جرول ضلع بہرائچ

سید محمد شاہ مورث اعلیٰ اس ریاست کے مالک تھے چند پشتوں کے بعد سید صفدر حسین مالک ہوئے جن کی شادی تعلقدار جرول کی لڑکی سے ہوئی اور یہ سسرالی علاقہ ترکہ میں ملا کاظم حسین اس ریاست کے تعلقدار ہوئے جن کی شادی طیبہ بیگم کے ساتھ ہوئی مگر کوئی اولاد نہ تھی لہذا زوجہ کے بھتیجے علی حیدر دولہ کو کل علاقہ دیا گیا جن کے لڑکے وصی حیدر ہیں ان کے یہاں سے ۲۸ صفر کا ایک تابوت اٹھتا ہے جو سید مظفر حسین صاحب المعروف طاہر میاں جرولی کے دولت کدہ پر جاتا ہے اور یہاں سے جو جلوس نکلتا ہے اس میں شامل ہو کر بلا بعرض تدفین جاتا ہے طاہر میاں کے یہاں اسی سلسلہ میں ایک عشرہ ثانی ہوتا ہے جس میں باہر کے مشہور مشہور ذاکرین مدعو ہوتے ہیں ٹھنڈی کی ا۔ مجلس بھی جو پڑھنے کے لیے جاتی ہیں ۲۸ صفر کا یہ جلوس بے حد مشہور ہے جس کو دیکھنے کے لیے ہزاروں آدمی جمع ہوتے ہیں۔

۱۷۔ ریاست کھنڈوا مئو ضلع بارہ بنکی

کھنڈوا مئو بارہ بنکی سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ قبل میں یہ ریاست جزو ریاست محمود آباد و بلہرہ تھی ۹۰۵ھ میں بعہد محمد بابر شاہ اس ریاست کے مورث اعلیٰ

شیخ بین کو بسلسلۂ حسن خدمات یہ ریاست دی گئی اور مورث موصوف نے
بھٹوامئو میں سکونت اختیار کی۔ بعہد جہانگیر بادشاہ ۱۰۱۹ھ میں "خان" کا
خطاب عطا ہوا ۱۰۲۶ھ میں پہاڑ خاں مالک ریاست کو "ممتاز الملک" کا خطاب
دربارِ دہلی سے ملا اور یہ خطابات شاہانِ اودھ کی حکومت تک باقی رہے۔
غدر ۱۸۵۷ء میں نبی بخش وارث ریاست مع اپنے چھوٹے بھائی تجمل حسین
خاں و کاظم حسین خاں کے شہزادہ مرزا برجیس قدر بہادر مرحوم کی جانب
سے معرکہ ناکہ ہنڈولہ لکھنؤ میں لڑے اور نبی بخش اس لڑائی میں قتل ہوئے
نبی بخش خاں کے دو لڑکے بادشاہ حسین خاں و سردار حسین خاں تھے۔
بادشاہ حسین خاں کو بعد غدر برٹش گورنمنٹ سے سند تعلقداری بھٹوامئو
عطا ہوئی کچھ عرصہ بعد آپس میں مقدمہ بازی ریاست کے لیے ہوئی اور
پریوی کونسل سے فیصلہ سردار حسین خاں کی موافقت میں ہوا اور آپ
کل ریاست کے مالک قرار پائے، قابض ہونے کے بعد آپ کی توجہ عزاداری
کی طرف ہوئی کیونکہ آپ کو پہلے ہی سے عزاداری سے بیحد شغف تھا قلعہ
بھٹوامئو میں ایک نہایت خوبصورت امام باڑہ تعمیر ہوا جس میں زمانہ محرم
میں دن رات میں کافی مجالس ہوتی تھیں اور ایام مخصوصہ میں لنگر کی تقسیم
ہوتی تھی۔ باہر سے ذاکرین آتے تھے جلوس مہندی بڑے اہتمام سے نکلتا
تھا جس کی زیارت کے لیے قرب و جوار سے ہزاروں آدمی آتے تھے تمام
امور نہایت خوش اسلوبی سے انجام پاتے تھے اور ہر اس امر کی طرف
توجہ رہتی تھی جو ترقی عزا کے مسئلہ میں ضروری ہو۔ سردار حسین خاں اپنے
صاحبزادہ شہنشاہ حسین خاں سے کسی امر میں ناخوش ہو گئے اور تعلقہ کی
وراثت سے محروم کر دیا اور اپنے بڑے پوتے علی امام خاں پسر شہنشاہ حسین

خاں کو وارث تعلقہ قرار دیا۔ سردار حسین خاں کے انتقال کے وقت ریاست پر کافی بار تھا۔ اس بار کا عزاداری پر بھی اثر پڑا حالات کچھ ایسے ناگفتہ بہ ہوئے کہ بھٹوا مئو کی سکونت ترک کرنا پڑی اور مستقلاً قیام بھٹوا مئو ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ میں ہو گیا جس کی وجہ سے وہ رسومات عزا جو عرصہ سے ہو رہی تھیں حسب دلخواہ انجام نہ پا سکیں اور اس کی اصل وجہ علی امام خاں صاحب کی مسلسل علالت ہے۔

۱۸۔ ریاست رام پور کی عزاداری

ریاست رام پور بریلی اور مراد آباد کے درمیان واقع تھی جو انڈین یونین میں ضم ہونے کے بعد اب ایک ضلع قرار دیا گیا ہے۔ رام پور میں عزاداری امام مظلوم کی ابتدا ہز ہائی نس نواب سر حامد علی خاں مرحوم کے عہد سے شروع ہوئی اگرچہ رام پور میں شیعوں کی آبادی ۵ فیصدی بھی نہیں ہے لیکن نواب سر حامد علی خاں کے اظہار شیعیت کے بعد سے رامپور میں شیعہ علمائے کرام و واعظین کی آمد و رفت شروع ہوئی سب سے پہلے شیعہ علماء میں مولانا سید محمد حسین صاحب المعروف بہ جناب علّن صاحب تشریف لے گئے۔ واعظین میں مولانا مقبول احمد صاحب نے عرصہ تک رام پور میں قیام کیا۔ قرآن مجید کا ترجمہ مولانا مقبول احمد صاحب کے قیام رامپور کی یادگار ہے۔ نواب صاحب کو امیر المومنین حضرت علیؑ سے بے انتہا عقیدت تھی یہی وجہ ہے کہ مرحوم نے اپنے ولی عہد نواب سر رضا علی خاں سے یہ وصیت کی تھی کہ بعد وفات ان کی میت نجف اشرف بھیجدی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نجف اشرف میں مرحوم کا مقبرہ ہے۔

وسط شہر میں قلعہ معلّٰی ہے جس میں "حامد منزل" و "رنگ محل" جیسی عظیم الشان عمارات کی طرح قلعہ کے مغربی دروازے سے قریب وسیع و حسین امام باڑہ ہے جہاں محرم کا چاند دیکھتے ہی مجالس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے شرکت کرنے والوں میں ہر طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض تاریخوں میں ان کی تعداد ہزاروں تک پہونچ جاتی تھی۔ ممتاز واعظین میں تقریباً سب ہی اپنے اپنے دور میں رامپور کے عشرۂ محرم میں مدعو کیے جاتے تھے۔ مثلاً مولانا مقبول احمد صاحب۔ مولانا سید سبط حسن صاحب۔ مولانا سید کلب حسین صاحب مولانا سید انصار حسین صاحب۔ مولانا سید محمد داؤد صاحب، مولانا سید اولاد حسین صاحب۔ مولانا سید محمد صاحب دہلوی۔ مولانا سید ابرار حسین صاحب پاروی۔ مولانا سید ابن حسن صاحب نونہروی۔ مولانا سید محسن نواب صاحب اور مولانا سعید الملۃ اعلی اللہ مقامہ کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جلوسِ ضریح مبارک۔ محرم کا چاند دیکھ کر توپوں کی سلامی دی جاتی تھی ضریح مبارک کافی تزک و احتشام کے ساتھ امام باڑہ میں آتی تھی ہز ہائی نس مع اپنے خاندان کے بذاتِ خود سیاہ لباس میں ملبوس ہوتے اور شریک جلوس ہوتے۔ اس جلوس کی زیارت کے لیے دور دور سے لوگ مدعو کیے جاتے تھے اور اس میں وہ تمام اہتمام ہوتے تھے جو ایک والئی ریاست کے شایانِ شان ہو۔ یہ جلوس بے حد مشہور رہا۔

مہندی کا جلوس:۔ یہ جلوس بھی بہت مشہور تھا جو ۸ محرم کو قلعہ معلّٰی کے امام باڑہ سے اٹھ کر کربلا جاتا تھا اس جلوس کی زیارت کے لیے قرب و جوار سے ہزاروں لوگ آتے اور شرکت کرتے تھے۔ فوج کی کئی بٹالینیں جلوس کے ہمراہ ہوتی تھیں مہندی بہت طویل ہوتی تھی جو خوشبودار پھولوں کی کلیوں

سے بنائی جاتی تھی۔ علم اور ماہی مراتب جلوس کے ہمراہ ہوتے تھے۔ ہز ہائی نس نواب صاحب اور ان کے تمام اعزا اور منسٹران سیاہ لباس میں جلوس کے ہمراہ چلتے تھے۔ اسی طرح روزعاشورہ کے جلوس ضریح میں بھی ہزاروں زیارت کرنے والے ہوتے تھے۔ محرم کا یہ آخری جلوس ۱۲ محرم کو اٹھایا جاتا تھا یہ جلوس بھی مہندی کے نام سے مشہور تھا۔

نواب سر حامد علی خاں مرحوم کے بعد ہز ہائی نس نواب سر رضا علی خاں صاحب مرحوم نے اپنے والد مرحوم سے بھی کہیں زیادہ عزاداری کی ترویج و ترقی میں عملی حصہ لیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب رام پور کی ریاست انڈین یونین میں ضم ہوئی اور نواب سر رضا علی خاں صاحب نے اپنی خوشی سے قلعہ کی رہائش ترک کر کے خاص باغ میں مستقل قیام فرما کر رفعت منزل تعمیر کی اور چار لاکھ روپیہ صرف کر کے خاص باغ میں دوسرا امامباڑہ تعمیر کیا جس میں کربلائے معلی کی شبیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مینار و گنبد بھی بنائے گئے اور امام باڑہ کی طرح وسیع دالان بھی بنایا۔ وہ چاندی کی ضریح جو نواب سر حامد علی خاں کے عہد میں کئی ہزار تولے سے بنائی گئی تھی قلعہ کے امام باڑہ سے خاص باغ کے امامباڑہ میں منتقل کی گئی۔ نیز چاندی کی مہندی جو کئی ہزار تولے کی تھی اور جس کی سطح پر شہدائے کربلا کے خیموں کی شبیہ ہے۔ وہ بھی خاص باغ لائی گئی۔

امامباڑہ میں متعدد تبرکات ہیں۔ مرقوم کے لیے ایک ایوان مخصوص ہے جس میں مخمل کے پردے پڑے ہیں۔ جب زائر اس

ہیں جاتا ہے اور بجلی کی روشنی تیز کر دی جاتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ روز عاشورہ میدان کربلا میں موجود ہے۔ ہر جانب مرقع اور شبیہیں نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ حضرت حبیب ابن مظاہر کا قلمی مرقع بہت قدیم ہے، امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک کے لکھے ہوئے ۱۵ پارے قرآن خط کوفی میں موجود ہیں اصلی خاک شفا بھی ایک شیشی میں ہے جو نواب سر رضا علی خاں صاحب مرحوم کربلائے معلی سے خود لائے تھے۔ امام باڑہ کے دروازے پر "سبیل رضا" ہے جس میں ہمہ وقت گرمیوں میں ٹھنڈا پانی موجود رہتا ہے۔

ہز ہائی نس نواب سر رضا علی خاں کے انتقال کے بعد ہز ہائی نس سید مرتضی علی خاں جو قبل میں ولی عہد تھے والی ریاست قرار پائے اگرچہ اسٹیٹ ۱۹۴۷ء میں ختم ہو چکی تھی مگر اس کے بعد ہز ہائنس نواب سر رضا علی خاں مرحوم نے جس عنوان سے مراسم عزا کو انجام دینا شروع کر دیا تھا اس میں موجودہ ہز ہائنس نے حتی الوسع کوئی کمی نہیں ہونے دی اور اب بھی لکھنؤ کے ذاکرین و شعرا مدعو کئے جاتے ہیں۔ ہز ہائی نس کے ساتھ ہی ساتھ ہز ہائی نس صاحبہ کو بھی عزائے حسینؑ سے کافی دلچسپی ہے جو موصوفہ کو خاندانی ورثہ میں ملی ہے۔

نوٹ

ا۔ تاریخ اسلام حصہ اول مولفہ شاہ معین الدین صاحب ندوی کی عبارت جہاں پر درج کی گئی ہے اس کے آگے بریکٹ میں "تاریخ

اسلام بدری" لکھا گیا ہے۔

۲۔ جناب مولانا ابن حسن صاحب نانپاروی پیشنماز کے جو مضامین "سوانح حیات چہاردہ معصومینؑ" میں شامل کئے گئے ہیں وہ جہاں جہاں پر تحریر ہیں خاتمہ مضمون پر بریکٹ کے اندر صرف "مولانا نانپاروی" لکھا گیا ہے۔

تتمۂ کتاب

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کتاب کا آخری جزو دیکھنے کے لیے آگیا اور اب امید ہے کہ محرم ۱۳۹۰ھ سے قبل کتاب عزیزی جمیل الحسن سلمہٗ منیجر نسیم بکڈپو لکھنؤ کی سعی طبع کی وجہ سے تیار ہو جائے گی مسودہ کا تکملہ تو عرصہ ہوا ہو چکا مگر بعد کو کافی وقت پریس تک جانے میں لگ گیا جس کی وجہ سے بہت تاخیر ہو گئی۔

کافی کوشش کی گئی کہ تحریری غلطیاں نہ ہونے پائیں پھر بھی کچھ غلطیاں نظر کے سامنے آگئی ہیں جن کے لئے عفو کا امیدوار ہوں امید ہے کہ ناظرین کتابت کی غلطیوں کو درست فرمالیں گے۔ فقط۔

"مولف"

۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ مطابق

۱۷ فروری ۱۹۷۰ء یوم سہ شنبہ

فہرست کتب

جن کی مدد کتاب ہذا کے لکھنے میں لی گئی۔ پہلے کتاب کا نام پھر مصنف یا مولف کا اسم گرامی اور آخر میں مطبع کا نام درج کیا گیا ہے۔

۱۔ تاریخ احمدی۔ نواب احمد حسین صاحب پریاداں۔ مطبع نورالمطابع لکھنؤ
۲۔ تاریخ ائمہ۔ مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ۔ مطبع اصلاح کھجوا۔
۳۔ تاریخ آشوب کوفی اردو۔ خواجہ ابن احمد آشوب کوفی۔ مطبع یوسفی پریس دہلی۔
۴۔ تاریخ اسلام حصہ اول۔ شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی۔ معارف پریس اعظم گڑھ۔
۵۔ تاریخ اسلام۔ ذاکر حسین صاحب جعفر۔ اقبال پرنٹنگ ورکس دہلی۔
۶۔ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ۔ خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری۔ انصاف پریس لاہور۔
۷۔ مکمل تاریخ اسلام۔ مفتی شوکت علی صاحب فہمی۔ دین دنیا پبلشنگ کمپنی دہلی۔
۸۔ تاریخ مع تصاویر راجگان و تعلقداران ملک اودھ۔ داروغہ حاجی عباس علی صاحب۔ مطبع نول کشور۔ لکھنؤ۔
۹۔ تاریخ اودھ۔ نجم الدین غنی صاحب۔ مطبع نولکشور لکھنؤ۔

۱۰۔ روح انیس۔ پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم۔اے انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد۔
۱۱۔ اردو مرثیہ۔ شفارش حسین صاحب رضوی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی۔
۱۲۔ حیات دبیر۔ افضل حسین صاحب ثابت۔ سوک اسٹیم پریس لاہور۔
۱۳۔ یادگار انیس۔ امیر احمد صاحب علوی۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ۔
۱۴۔ تعارف مرثیہ۔ شجاعت علی صاحب سندیلوی۔ جید پریس دہلی۔
۱۵۔ دبستان دبیر۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب فاروقی۔ الواعظ صفدر پریس لکھنؤ۔
۱۶۔ ریاض شدید۔ سید سجاد حسین صاحب شدید۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ۔
۱۷۔ آب حیات محمد حسین صاحب آزاد۔ مطبع مجتبائی دہلی۔
۱۸۔ شہید اعظم مولانا ابوالکلام آزاد۔ الجمعیۃ پریس دہلی۔
۱۹۔ شہید اعظم حصہ دوم۔ سید ریاض علی ریاض۔ مطبع اکسیر اعظم بنارس
۲۰۔ واقعات کربلا۔ پروفیسر سید محمد ضامن صاحب۔ بمکاشت اکبر پریس الہ آباد۔
۲۱۔ مختار آل محمد۔ مولانا نجم الحسن صاحب کراروی۔ انصاف پریس لاہور۔
۲۲۔ شیعہ مذہب۔ الحاج ڈاکٹر نور حسین صاحب۔ تعلیمی پریس لاہور۔
۲۳۔ سیدہ کی بیٹی۔ رازق الخیری صاحب۔ مطبع سعیدی کراچی۔
۲۴۔ مصباح الزائرین۔ علی محمد زیدی۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ۔
۲۵۔ تلمیحات۔ محمود نیازی صاحب۔ شاہی پریس لکھنؤ۔
۲۶۔ کربل کتھا۔ فضل علی صاحب فضلی۔ دیا پرنٹنگ پریس۔ دہلی۔

۲۷۔ تلمیحات۔ شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ۔

۲۸۔ جنتری صد سالا۔ قطب الدین صاحب نامی پریس لکھنؤ۔

۲۹۔ نور اللغات۔ نیر حسین صاحب نیر۔ مطبع نور المطابع لکھنؤ۔

۳۰۔ محرم اِن ڈسٹرکٹ لکھنؤ اینڈ دہلی (بزبان انگریزی) منسٹری آف ہوم افیرس گورنمنٹ پبلیکیشنز، نئی دہلی۔

۳۱۔ ریڈرس ڈائجسٹ گریٹ ورلڈ اٹلس۔ ریڈرس ڈائجسٹ ایسوسی ایشن لندن

اخبار و رسالے

۳۲۔ سرفراز محرم نمبر ۱۳۷۷ھ ۱۳۸۱ھ ۱۳۸۹ھ لکھنؤ۔

۳۳۔ رضا کار عزاداری نمبر ۱۳۸۱ھ لاہور

۳۴۔ رسالہ نور مئی ۱۹۶۶ء کراچی

۳۵۔ الواعظ محرم نمبر ۱۳۸۹ھ لکھنؤ۔

۳۶۔ شیعہ محرم نمبر ۱۳۶۶ھ۔ لاہور۔

فہرست مضامین